انکارانی

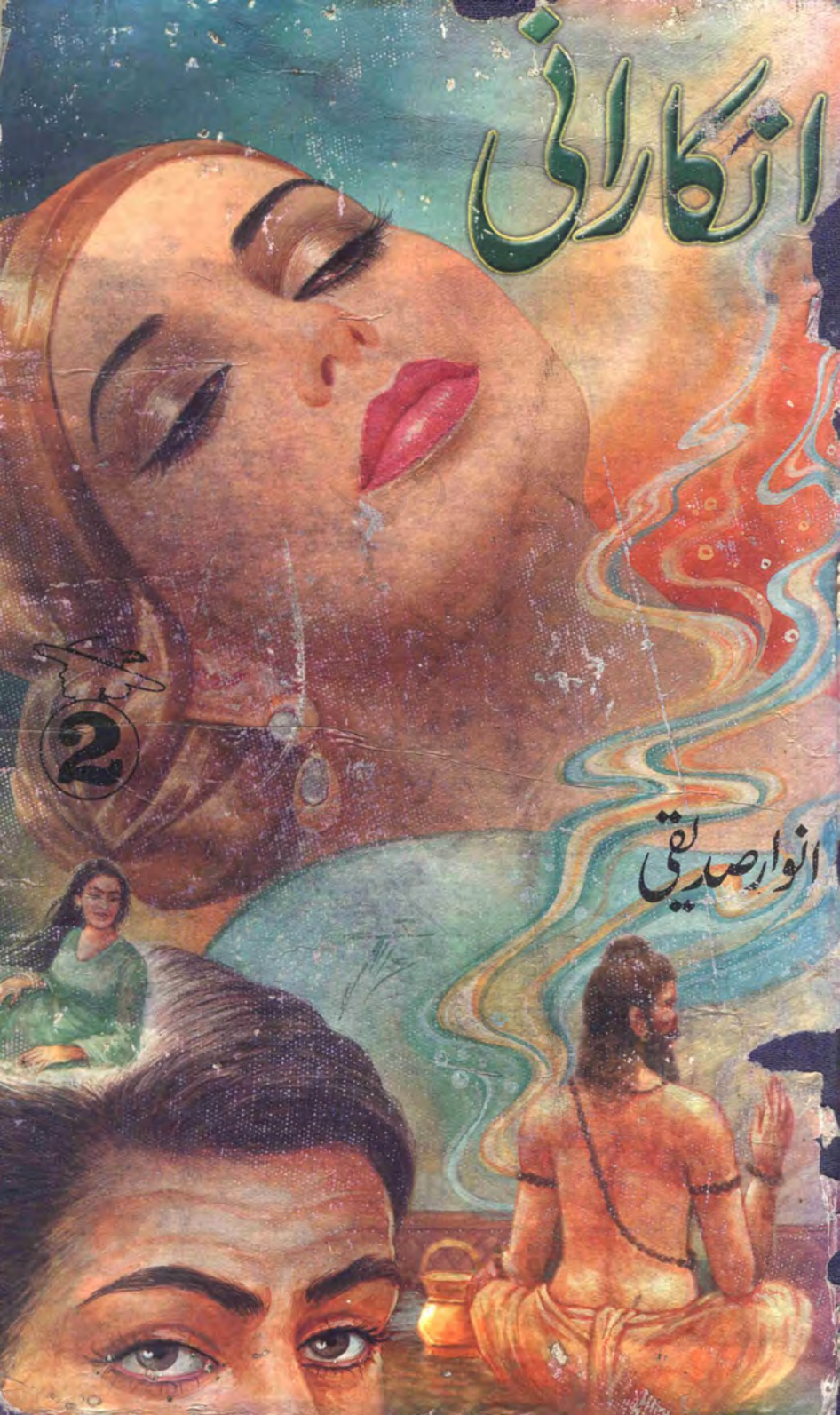

2

انوار صدیقی

وقت تھم کر رہ گیا، ہر شے منجمد ہوگئی، کتنا طویل سفر طے ہوا؟ مجھے کن کن راہوں سے گزرنا پڑا، کہاں روکا گیا؟ کتنے موڑ کاٹنے پڑے؟ میرے بارے میں جن لوگوں نے رُکاوٹیں کھڑی کی تھیں، جال بچھائے تھے وہ خاموش تو نہیں رہے ہوں گے۔ روی شنکر نے گرو کے ساتھ اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا، خاموشی سے لوٹ گیا۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ دوسرے بھی گرو کو دیکھ کر سر جھکا لیتے، کچھ سر پھرے افسروں نے گرو کی بھی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی ہوگی، پنڈت پجاریوں کا ایک غول بھی میری تلاش میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا، وہ دُرگا دیوی کے پرستار تھے۔ دیوی کے مقابلے پر انہوں نے گرو کو گھاس نہیں ڈالی ہوگی۔ گرو مہان شکتی رکھتا تھا، وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ میری خاطر اُس نے روی شنکر کو بھی دھتکار دیا تھا، چھوٹے موٹے پنڈت پجاری اُس کے راستے کی دُھول سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ پریتم لال کا دوست تھا اسی لئے عین وقت پر میری مدد کو آ گیا تھا۔ وہ نہ آیا ہوتا تو روی شنکر اور اُس کے گرگے میری تکہ بوٹی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ دُرگا کے مندر میں میرے داخلے کے بہت سارے گواہ تھے۔ مجھے شکنجوں میں جکڑ دیا جاتا، پنڈت نول کشور کو خبر ملتی تو وہ بھی ہر دوار چھوڑ کر بمبئی آ جاتا۔ اُس کے دوسرے ساتھی بھی اکٹھا ہو جاتے۔ بمبئی کی شاہراہوں پر ٹریفک جام ہو جاتا، دُرگا کے چہیتے سڑکوں پر دھرنا جما کر بیٹھ جاتے۔ اُن کا ایک ہی نعرہ ہوتا۔ ''جمیل احمد خان کو سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔'' عدالت بھی پجاریوں کے سیلابی ریلے کے آگے قدم نہ جما سکتی وہی ہوتا جو دُرگا کو منظور ہوتا۔

گرو نے مجھے واشگاف لفظوں میں سمجھا دیا تھا کہ دُرگا کی آواز نے مجھے اکیس روز کے لئے بے دست و پا کر دیا تھا۔ کوئی قوت میری مدد نہیں کر سکتی تھی، کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ دُرگا دیوی کے سامنے سر اُٹھاتا۔ پریتم لال کی آتما نے لندن کے ہسپتال میں مجھ سے عہد کیا تھا کہ کلدیپ کے نامکمل مشن کو پورا کرنے کے سلسلے میں وہ قدم بہ قدم میرا ساتھ

دے گا۔ لیکن دُرگا کے سراپ نے اُسے بھی سامنے آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ میری ساری قوتیں بھی چھن گئی تھیں، انکا پہلے ہی رُوٹھ کر سر سے اُتر گئی تھی، گرو بھی نہ آتا تو کہانی ختم ہو جاتی، سارے جھگڑے نمٹ جاتے۔

میرا ذہن تاریکی میں ڈوبا رہا، گرو کی مالا کے سوکھے پھول کی کڑواہٹ کا چمتکار تھا جس نے مجھے ہر فکر سے بے نیاز کر دیا۔ میں کتنی دیر بیہوشی کی کیفیت سے دوچار رہا؟ اس عرصے میں میرے اُوپر کیا کیا بیتی؟ اس کے بارے میں شاید گرو ہی بہتر جانتا تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک نسوانی آواز نے مجھے دوبارہ ہوش میں آنے کا احساس دلایا تھا، میں اس آواز سے ناواقف تھا، مجھے وہ آواز کہیں دُور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''مرلی سے بات ہوئی.....؟'' زندگی کا احساس دلانے والی اس کھنکتی آواز نے کسی کو مخاطب کیا تھا۔

''یس میڈم.....'' جواب میں ایک اور نسوانی آواز اُبھری۔ ''بات ہو گئی، لیکن وہ بہت زیادہ مصروف ہیں۔ واپسی میں سمے لگے گا۔''

''تم نے اُسے بتایا تھا کہ میں بات کرنا چاہتی ہوں؟'' اس بار سوال کرنے والی کے لہجے میں غرورِ حسن بھی شامل تھا، اُس کی آواز میں تمکنت تھی، برتری کا احساس جھلک رہا تھا۔

''میں نے کہا تھا میڈم، لیکن.....''

''کیا جواب دیا مرلی نے؟'' اُس نے پوری بات سنے بغیر جھلا کر دریافت کیا۔

''وہ ایک ضروری کام میں مصروف ہیں۔''

''کیا.....؟'' اُس کی آواز میں تکبر تھا۔ ''کیا وہ کام مجھ سے زیادہ ضروری ہے.....؟''

''میں دوبارہ کال کرتی ہوں میڈم۔''

''نہیں.....'' اُس نے پھنکارتے ہوئے تحکمانہ لہجہ اختیار کیا۔ ''کوئی ضرورت نہیں ہے اُسے کال کرنے کی.....اور سنو۔'' اُس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''اگر مرلی کا فون آئے، میرا پوچھے تو کہہ دینا کہ میں مصروف ہوں، بات نہیں کر سکتی۔''

''اور اگر سر آپ کی مصروفیت.....''

''شٹ اپ.....'' وہ جھلا گئی۔ ''سادھنا۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم اپنی اوقات بھولتی جا رہی ہو۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم میرے مقابلے میں مرلی کو.....''

''آئی ایم سوری میڈم۔''

''گٹ لاسٹ.....'' جواب میں نفرت کا اظہار کیا گیا.....پھر قدموں کی آواز اُبھر کر دُور ہوتی چلی گئی۔ دروازہ بند ہونے کی مدھم آواز بھی سنائی دی۔

میرا ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا، میری حس بیدار ہو رہی تھی، گرو کا ایک جملہ میرے کانوں میں گونجا۔ اُس نے روی شنکر کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ میں ہوٹل سے نکل کر جہاں گیا تھا وہیں موجود ہوں اور وہاں موجود ہونا ہی میری بے گناہی کا ثبوت بھی ہے۔ اس وقت میں شاید اسی جگہ موجود تھا جس کا اشارہ گرو نے دیا تھا۔ وہی مجھے چھوڑ گیا ہو گا، لیکن وہ ایسی کون سی جگہ تھی جو میرے لئے اتنی محفوظ ہو سکتی تھی؟

میرے ذہن میں گزری ہوئی باتیں ترتیب وار اُبھرنے لگیں۔ میں ذہنی جمناسٹک میں مصروف تھا جب بھینی بھینی خوشبو کا ایک معطر جھونکا میرے وجود کو گنگنانے لگا، مجھے احساس ہوا جیسے کوئی میرے بہت نزدیک موجود ہے.....زندگی کے نشیب و فراز نے میری چھٹی حس کو بڑا احساس بنا دیا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں لیکن میں عالم تصور میں دیکھ رہا تھا کہ ایک مغرور حسینہ میرے آس پاس کہیں منڈلا رہی ہے۔ وہ میرے ہوش میں آنے کی منتظر تھی۔ اُس کی بے چین نگاہیں میرے بند پپوٹوں کی ایک ایک جنبش کا جائزہ لے رہی ہوں گی۔ میں جہاں تھا وہاں میرے اور اُس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ ہوتا تو اُس کی آواز بھی ضرور سنائی دیتی۔ لیکن وہ کون تھی؟.....میں کہاں تھا.....؟ مرلی کون تھا.....؟

کئی سوالات میرے ذہن میں چکرانے لگے۔ میں نے آہستہ آہستہ کسمسانا شروع کیا۔ کسی کی نرم گرم اُنگلیاں میری پیشانی پر حرکت کرنے لگیں۔ وہ انداز نفرت کا نہیں تھا، میرے چہرے پر گرم گرم سانسوں کی مسحور کن تپش اس بات کی دلالت کر رہی تھی کہ ایک چہرہ میرے چہرے کے اُوپر جھکا ہوا ہے.....اُس کے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو مجھے گدگدا رہی تھی، اُس کی اُنگلیوں کا لمس مجھے بے چین کر رہا تھا۔

میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، پھر پلکیں جھپکا کر اُس چاند چہرے کو حیرت سے تکنے لگا جو میری دسترس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں ذرا ہاتھ بڑھا کر شوخی کرتا تو سارے فاصلے پل بھر میں دُور ہو جاتے۔ وہ اس انداز میں جھکی کھڑی تھی کہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکتی، میری آغوش میں ڈھیر ہو جاتی۔

حالات کے پیشِ نظر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ گرو نے بھی یہی تلقین کی تھی کہ اکیس روز تک میں اپنے پنکھ سمیٹ کر رکھوں، اُونچی اُڑان سے گریز کروں۔ میں نے نگاہوں کا زاویہ بدل دیا، میرے لئے وہ ماحول کسی طلسم خانے سے کم نہیں تھا۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُس حسین خوابگاہ کو دیکھنے لگا جس کی ایک ایک شے اپنا جواب آپ تھی۔ وہ کسی چھوٹے موٹے آدمی کی خوابگاہ نہیں ہوسکتی تھی، کسی راج محل کا ایک حصہ، ایک پُرسکون آرام گاہ محسوس ہو رہی تھی جسے قیمتی اشیاء، خوبصورت پینٹنگز، دبیز قالین اور حسین ساز و سامان سے آرائش دیا گیا تھا۔ میں جس مسہری پر لیٹا تھا وہ بھی بے حد آرام دہ تھی۔ لندن اور ہندوستان کے بڑے بڑے عالیشان ہوٹلوں کے کمروں کی سجاوٹ اور طلسمی ماحول نے بھی مجھے کبھی اتنا متاثر نہیں کیا تھا، میرے لئے لفظوں اور جملوں میں اس کا بیان ناممکن ہے..... رنگوں کا امتزاج، روشنیوں کے زاویئے، ہر شے کا اُس کی مخصوص جگہ پر ہونا، سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔

''اتنے اچنبھے سے کیا دیکھ رہے ہو مہاراج.....؟''

میں اُس کی آواز سن کر چونکا، وہ اپنے بدن کو لوچ دیتی، لہراتی بل کھاتی میرے سامنے آ کر رُک گئی، میری پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا، میں اُس کے حسن کی رعنائیوں میں گم ہونے لگا۔ وہ کسی مصور کا خواب نظر آ رہی تھی، کسی ماہر سنگ تراش کی ساری زندگی کا نچوڑ لگ رہی تھی جس میں قدرت نے رُوح پھونک دی تھی، اُسے اندر کے اکھاڑے کی اپسرائیں دیکھ لیتیں تو شرما کر سرنگوں ہو جاتیں، وہ کوئی حور تھی، کوئی پری تھی جو غلطی سے زمین پر اُتر آئی تھی۔ اُس کے شریر کے ایک ایک انگ سے نغمگی پھوٹ رہی تھی۔ اُس نے جسم کی رنگت کی مناسبت سے لباس کا انتخاب بھی کیا تھا، لباس میں ہونے کے باوجود بے لباس بھی نظر آ رہی تھی۔ زلفوں کی گھنیری لٹیں اُس کے شانوں پر ناگنوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ مجھے بے اختیار مالا رانی یاد آ گئی..... وہ ہوشربا منظر دوبارہ آنکھوں میں گھوم گیا جب میں نے اُسے میسور کی پہاڑیوں میں ایک جھرنے پر سرتاپا عریاں غسل کرتے دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا وہ منظر میری زندگی کا حاصل تھا، میں دوبارہ کبھی اتنے حسین حادثے سے دوچار نہیں ہوں گا۔ لیکن مجھے اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ خواب گاہ میں موجود وہ کافر ادا حسینہ بھی مالا رانی سے کم نہیں تھی۔ میں محو ہو کر رہ گیا۔

''مہاراج، تم نے اپنی داسی کو پہچانا نہیں.....؟'' اُس کی آواز کا ترنم دوبارہ سنائی دیا تو میں سنبھل گیا۔

''تم.....؟'' میں نے کچھ کہنا چاہا، میری آواز کپکپا کر رہ گئی۔

''میں سروجنی ہوں مہاراج..... تمہارے چرنوں کی دُھول۔''

میں سروجنی کا نام سن کر چونکا۔ مجھے وہ سرپھرا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس یاد آ گیا جو مجھے جہاز پر مرنے والے اشوک نامی مسافر کے سلسلے میں مشکوک سمجھ کر تفتیش کی خاطر دوسرے افراد کے ساتھ اپنے دفتر لے گیا تھا۔ انکا نے وہیں مجھے پہلی بار سروجنی اور ڈپٹی کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا تھا۔ میں نے انکا کی فراہم کردہ معلومات سے فائدہ اُٹھا کر ڈپٹی کو حیران کر دیا، وہ میرا بے دام غلام بن گیا تھا۔ اس وقت میں شاید چوپاٹی میں اُسی کے اپارٹمنٹ میں تھا جس کا ذکر انکا نے کیا تھا۔

میں سروجنی کو زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا التفات، اُس کی گفتگو کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھے برسوں سے جانتی ہے۔ معاً میرے ذہن میں انکا رانی کا تصور اُبھرا۔ میں دل ہی میں مسکرا دیا۔ وہ ذہنوں کو پلٹ دینے کی حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک تھی لیکن اُس کے لئے اُس کا مطلوبہ شخص کے سر پر ہونا لازم تھا۔ میں سمجھ گیا کہ سروجنی کے سر پر اس وقت میری انکا رانی مسلط تھی۔ سروجنی کی زبان سے وہی الفاظ ادا ہو رہے تھے جو انکا چاہ رہی تھی۔ گرو نے اگر مجھے سروجنی کے اپارٹمنٹ پر پہنچا دیا تھا تو اس میں بھی اُس کی کوئی خاص مصلحت ضرور کارفرما ہوگی۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ ڈپٹی کی پہنچ سروجنی کی وجہ سے بہت اُوپر تک تھی۔ وہ اپنے تعلقات کے بل بوتے پر اپنے افسروں کو بھی کسی قطار شمار میں نہیں گردانتا تھا۔ آفس میں شیر بنا رہتا تھا لیکن گھر پر سروجنی کو لکشمی سمجھ کر اُس کے تلوے چاٹنے کو بھی اپنے لئے اعزاز سمجھتا تھا۔

''سروجنی، ڈپٹی کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔'' انکا رانی نے مجھے یہی بتایا تھا۔

میں سروجنی کو سرتاپا دیکھتا رہا۔ وہ حقیقتاً پرستش کے قابل تھی۔ نہ ہوتی تب بھی اس وقت اس کی خوابگاہ میرے لئے سب سے زیادہ محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ گرو نے تمام اُونچ نیچ سوچنے سمجھنے کے بعد ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ کیا ہوگا، ممکن ہے انکا بھی یہی چاہتی ہو، میرے لئے بھی حالات کے پیشِ نظر تاج ہوٹل واپس جانا مناسب نہیں تھا۔ میرے ذہن

میں بہت سارے سوالات اُبھر رہے تھے۔ سروجنی میری مشکل حل کر سکتی تھی۔

''مرلی کہاں ہے.....؟'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تم شاید بھول گئے مہاراج.....'' سروجنی کرسی کھینچ کر میرے قریب بیٹھ گئی۔ ''رمیش کا یہ نام تم ہی نے پیار سے رکھا تھا۔''

مجھے وہ نیم پلیٹ یاد آ گئی جو ڈپٹی کے کمرے کے باہر لگی تھی، اُس پر رمیش کھنا لکھا تھا۔ سروجنی گھر پر اُسے مرلی کے نام سے یاد کرتی تھی، میں نے مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی، اگر رمیش ہی کا نام مرلی تھا تو پھر سروجنی کو اُس کی لے پر ناچنا چاہئے تھا، جبکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔

''وہ گھر پر نہیں شاید.....؟'' میں نے سنجیدگی برقرار رکھی۔

''میں نے اُسے فون کیا تھا لیکن وہ کسی اہم کام میں مصروف ہے.....'' سروجنی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''اہم کام.....'' میں نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا۔ ''دوسروں کی طرح وہ بھی بھٹکتا پھر رہا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں مہاراج.....؟'' سروجنی نے یکلخت پہلو بدل کر مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''وہ گھر سے کب گیا تھا.....؟'' میں نے سروجنی کو کریدنا شروع کیا۔

''ساڑھے آٹھ بجے۔'' اُس نے کہا۔ ''سادھنا بتا رہی تھی کہ دفتر سے کوئی ضروری فون آیا تھا۔''

''سادھنا.....؟''

''میری سیکرٹری کا نام ہے۔''

''کیا مرلی کو میرے آنے کی خبر نہیں ہے؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''آپ رات کو تھکے ماندے آئے تھے مہاراج، ٹھیک سے بھوجن بھی نہیں کیا تھا۔'' سروجنی کہتی رہی۔ ''مرلی دیر سے واپس آیا تھا، میں نے آپ کی نیند خراب کرنے کی غلطی نہیں کی، میں نے سوچا تھا کہ صبح جب وہ آپ کو اچانک دیکھے گا تو خوشی سے اُچھل پڑے گا لیکن اس کا موقع ہی نہیں ملا۔ صبح میں آپ کے کمرے میں تھی جب مرلی دفتر چلا گیا۔''

''صبح سے ابھی تک اُس کا کوئی فون نہیں آیا.....؟''

''نہیں مہاراج، لیکن آپ.....''

''تم نے برا کیا.....'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''تمہیں مرلی کو رات ہی میرے آنے کی خبر کر دینی چاہئے تھی۔''

''بات کیا ہے.....؟'' سروجنی نے میرے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''آپ کچھ بیاکل معلوم ہوتے ہیں۔''

''تو نہیں سمجھ سکے گی۔'' میں گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''مرلی اور تیری بھلائی کی خاطر مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے مہاراج؟'' اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''اتنے عرصے بعد تو آپ کے درشن ہوئے ہیں، ابھی تو ہم نے آپ کی کوئی سیوا بھی نہیں کی اور آپ جانے کی بات کر رہے ہیں۔ ہم سے غلطی میں کوئی بھول ہو گئی ہو تو شما کر دیجئے۔''

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، سروجنی نے کہا تھا کہ میں رات سے اُس کا مہمان تھا، یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ لیکن رمیش کھنا یا مرلی کو اس کی خبر نہیں تھی۔ میرے ذہن میں اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ اگر مرلی بھی روی شنکر کی اس ٹیم میں شامل تھا جو مجھے تلاش کرتی پھر رہی تھی تو پھر اس کی بات میں کوئی وزن باقی نہ رہتا، اس کی گواہی کو اور بھی بہت سارے نام دیئے جا سکتے تھے۔ بات اگر کسی عام آدمی کے قتل کی ہوتی تو شاید معاملہ اتنا سنگین نہ سمجھا جاتا، مرلی کا بیان تسلیم کر لیا جاتا۔ لیکن دو بڑے دھرماتماؤں کا خون معمولی بات نہیں تھی، کالی داس اور اوم پرکاش کا شمار چھوٹے موٹے پنڈت پجاریوں میں نہیں ہوتا تھا، اس کے علاوہ دُرگا کی آواز مندر میں موجود تمام دیوداسیوں، پجارنوں اور دیگر لوگوں نے بھی ضرور سنی ہوگی، گرو نے بھی دبی زبان میں یہی کہا تھا کہ میں نے دُرگا کو للکار کر غلطی کی تھی۔ لیکن اُس نے روی شنکر سے میری موجودگی میں یہ بات بھی بڑے ٹھوس لہجے میں کہی تھی کہ میں جہاں ہوں، وہاں میرا ہونا ہی میرے بے قصور ہونے کا ثبوت ہے۔

میں ابھی اسی شش و پنج میں گرفتار تھا کہ ایک اور حسینہ کمرے میں داخل ہوئی، اُس کے ہاتھ میں فون دیکھ کر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ سادھنا ہو سکتی ہے۔ میرا قیاس غلط نہیں تھا، سروجنی کے چہرے پر اُبھرنے والے ناخوشگوار تاثرات اس بات کی غمازی کر

رہے تھے کہ اُسے سادھنا کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔

''میڈم.....'' سادھنا نے سچویشن بھانپ کر بڑی کمزور آواز میں کہا۔''سر کی کال ہے۔''

''میں نے تمہیں کوئی حکم دیا تھا.....؟'' سروجنی اپنے غصے کے اظہار پر قابو نہ رکھ سکی، وہ قہر آلود نظروں سے سادھنا کو گھور رہی تھی۔

''آئی ایم سوری میڈم، لیکن.....'' سادھنا نے بڑی معصومیت سے اپنی پوزیشیت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

''اچھا ہوا جو اُس کا فون آ گیا.....'' میں نے سادھنا کی مشکل حل کرنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا تو سروجنی بل کھا کر رہ گئی۔ اُس نے سادھنا کو قریب بلا کر فون اُس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا، پھر ہاتھ کے اشارے سے اُسے واپس جانے کا حکم صادر کرتے ہوئے بڑے رُوکھے انداز میں گفتگو کی ابتداء کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی پالتو کتے کو اس کی غلطی پر سرزنش کر رہی ہو۔

میں سروجنی کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کا اندازہ لگاتا رہا۔ میری موجودگی کے سبب وہ بڑی رعایت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اُس کی باتوں سے ظاہر تھا کہ دوسری طرف سے بولنے والا مرلی کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اُس نے گفتگو کے دوران میری موجودگی کی اطلاع بھی دی، پھر دوسری جانب سے جو کچھ کہا گیا اسے بہت غور سے سنتی رہی۔ اُس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مرلی.....'' اچانک وہ بل کھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے بڑے سرد مگر ٹھوس لہجے میں کہا۔''تم ابھی روی سے رابطہ قائم کرو۔ اُسے کہو کہ مہاراج کل رات سے ہمارے مہمان ہیں.....تم اگر روی کی ٹیم میں شامل ہوتے تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں جانتی ہوں کہ اُس ڈی آئی جی کے بچے کی کیا اوقات ہے، اُسے میرا نام لے کر کہو کہ زیادہ ہیرو بننے کا دھیان من سے نکال دے ورنہ سڑکوں پر بھیک مانگتا نظر آئے گا.....فون پر بحث مت کرو، گھر آ کر بات کرنا..... ہاں، میں مہاراج کے پاس ہوں۔''

سروجنی نے فون بند کر کے نفرت سے ایک طرف پھینک دیا۔ میں اُس کے تیور دیکھ رہا تھا، روی شنکر کا نام درمیان میں آنے کے بعد مجھے یہ اندازہ لگانے میں دُشواری نہیں ہوئی

کہ مرلی کو بھی حالات کا علم ہو چکا ہے۔ انکا رانی نے سروجنی کے بارے میں جو معلومات فراہم کی تھیں وہ حرف بہ حرف درست تھیں۔ اُس کی پہنچ دُور تک نہ ہوتی تو شاید وہ کسی برسر اقتدار ڈی آئی جی کے لئے وہ الفاظ کبھی استعمال نہ کرتی جو میں اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔

میں نے کچھ سوچ کر اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اُس کا غصہ کافور ہو گیا، ہنستی مسکراتی میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے گداز جسم کا لمس میری قوت برداشت کو آزمانے لگا۔ میرے ذہن میں کن کھجورے کلبلانے لگے۔ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ وہ ایک آبرو باختہ حسینہ تھی، جس نے اپنے جوان جسم کی گرمی سے بڑے بڑے کارآمد لوگوں کے دلوں کو پگھلایا ہوگا، اپنی کافر اداؤں کے سحر میں مبتلا کر کے اپنا غلام بنایا ہوگا، اُس کی پہنچ دُور دُور تک ہوگی، اُس کی باتوں سے مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوں گی۔ اُس نے جن بڑے لوگوں کو نوازا ہوگا، اُن کی کمزوریاں بھی ضرور اپنی مٹھی میں رکھی ہوں گی۔ روی شنکر کیا بیچتا تھا، سروجنی کے ترکش کا ایک تیر حکومت کے اہم ستونوں کو بھی لرزہ بر اندام کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا، وہ ایک طاقتور مقناطیس تھی جس کی کشش کے سامنے بڑے بڑے سورما بھی پانی بھرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے، اُس کی آنکھوں میں جادو تھا، اداؤں میں بانکپن تھا، اُس کے قرب میں وہ نشہ تھا جو انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ کر دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اُس کی نگاہ غلط انداز میں وہ میٹھا زہر تھا جو جنس مخالف کو مفلوج کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ حشر بداماں اس وقت میری دسترس میں تھی، انکا رانی کی لازوال قوتوں نے اُسے میرے حق میں موم بنا دیا تھا۔

میں نے سروجنی کا ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے میں اپنی رُوحانی قوتوں کے ذریعے عرش پر پرواز کر رہا ہوں۔ حقیقت اس کے برعکس تھی، میں اپنے پریشان ذہن کو اُس کے جسمانی رابطے کے ذریعے پُرسکون رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ مجھے اپنے ارادے میں ناکامی نہیں ہوئی، سروجنی کے پُرکشش ہاتھوں کی لذت انگیز تپش میرے اعصاب کو سکون پہنچانے میں بڑی مؤثر ثابت ہو رہی تھی۔ میں تا دیر خوابوں میں گم رہا تو سروجنی کی مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''کہاں گم ہو گئے مہاراج.....؟'' شاید اُس کے تجربے نے میری محویت کا راز بھانپ لیا تھا۔

''تو.....تو چنتا مت کر.....'' میں نے سنبھل کر اُسے فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ ''میرے من کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ وہ سر پھرے مجھے کھوجنے کی خاطر اِدھر اُدھر کی خاک اُڑاتے پھر رہے ہیں، مجھے پھانسنے کی خاطر سڑکوں پر جال ڈالے بیٹھے ہیں۔ میں چاہوں تو اُنہیں اندھا کر سکتا ہوں۔ وہ تمام زندگی ہاتھ ملتے رہیں تب بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتے۔ لیکن میں نے کچھ اور سوچا ہے.....''

''تم نے کیا سوچا ہے مہاراج.....؟'' سروجنی نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''میں خود چل کر اُن کے پاس جاؤں گا۔'' میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''اپنی وجہ سے میں تمہیں اور مرلی کو کسی مصیبت میں نہیں گرفتار ہونے دُوں گا، اپنے ہاتھوں سے لگائے پودوں کو کون برباد کرتا ہے؟''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو.....؟'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''ہمارے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم نے جو بیج بویا تھا وہ اب تناور درخت کا رُوپ دھار چکا ہے، مجھے سیوا کا موقع دو مہاراج۔ پجارن کے ہوتے دیوتا پر کوئی آنچ آئے، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اپنی داسی پر وشواس کرو، پوری بمبئی کی پولیس مل کر بھی تمہارے اوپر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کر سکتی.....''

''مرلی گھبرا جائے گا.....'' میں نے سروجنی کو اور پکا کرنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اُس کی راہ میں کانٹے نہیں بکھیرنا چاہتا۔ تو میری فکر مت کر، ابھی وہ مورکھ لوگ میری قوت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ ذات پات کے چکر میں اُلجھ کر مجھے نیچا دکھانے کے سپنے دیکھ رہے ہیں، ان کا انجام خطرناک ہوگا، میں ڈھیل دے رہا ہوں، وہ اسے میری کمزوری سمجھ کر غرّا رہے ہیں۔ جس دن میں نے دُھول کی ایک چٹکی بھر کر اُن کی سمت اُچھال دی اُس دن اُنہیں بھاگنے راستہ نہیں ملے گا۔ سب ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔''

''میں جانتی ہوں مہاراج، پرنتو تمہیں میری بنتی ماننی پڑے گی۔'' وہ کافر ادا حسینہ مجسم التجا بن گئی۔ ''جیون میں کیول ایک بار اپنی داسی کو بھی سیوا کرنے کا موقع دو، میں تمہیں نراش نہیں کروں گی۔''

''مرلی کو آنے دے.....'' میں نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''دیکھیں، وہ کیا کہتا ہے؟''

''وہ میرے ہوتے کیا کہے گا.....'' سروجنی مسکرا کر بولی۔ ''تم میری بنتی سویکار کر لو، میں وچن دیتی ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو تم تک پہنچنے سے پیشتر میری لاش سے ہو کر گزرنا ہوگا۔''

میں نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ میرے لئے گرو کی بات پر عمل کرنا ضروری تھا، اُس نے کہا تھا کہ دُرگا کا عتاب اکیس روز تک میرے اُوپر بھاری رہے گا، میری اپنی قوتیں بھی پراسرار طور پر میرا ساتھ چھوڑ چکی تھیں، پریتم لال کی آتما نے بھی دُرگا کی شکتی سے ٹکرانے کا خیال دل سے نکال دیا ہوگا، اسی لئے سامنے نہیں آیا تھا۔ مجھے اکیس روز تک صبر سے کام لینا ضروری تھا۔ ماضی میں جلد بازی کا مظاہرہ کر کے میں بہت کچھ گنوا چکا تھا۔ حماقتوں کو دہرانا دانشمندی کے منافی ہوتا۔ میرے لئے گرو نے جس ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا میں اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اسی میں میری بہتری تھی۔

''تمہیں میری سوگند.....'' سروجنی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''کسی دبدھا میں من کو بے چین مت کرو، مجھے وچن دو مہاراج کہ تم داسی کو نراش نہیں کرو گے، ایک بار مجھے بھی سیوا کا ادھیکار بھیک دے دو۔''

میں نے آنکھیں کھول دیں، سروجنی کی آنکھیں نمناک دیکھ کر میں تڑپ اُٹھا۔ میں نے اس حسن مجسم کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لینے کا ارادہ کیا۔ وہ اگر داسی تھی تو پھر دیوتا کو اُس پر پورا پورا حق حاصل تھا، جذبات طوفان کی شکل اختیار کر لیں تو پھر پاپ اور پن کے بکھیڑوں میں کون پڑتا ہے؟ میں نے بھی اپنے ارادے کی تکمیل کی خاطر پیش قدمی میں پہل کرنے کی ٹھان لی۔ انکا سروجنی کے سر پر تھی، سروجنی میرے قدموں میں اپنی جوانی کی بھینٹ چڑھانے میں کسی پس وپیش کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن میری حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی.....

مرلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں نے بپھرے ہوئے جذبات پر قابو پانے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا، سروجنی بدستور مسہری پر میرے قریب بیٹھی رہی۔ کچھ دیر تک مرلی میری آمد پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا، پھر اُس نے میرے استفسار پر جو کہانی سنائی وہ میرے اندازے سے مختلف نہیں تھی۔

''بات اب پولیس کی حد سے بھی تجاوز کر چکی ہے، پنڈت پجاری اور سادھوؤں نے تھانوں کا گھیراؤ شروع کر دیا ہے، وہ ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں کہ مجرم کو گرفتار کر کے سب کے سامنے پھانسی پر لٹکایا جائے۔ دوسری کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہیں.....''

''وہ کسے مجرم سمجھ رہے ہیں.....؟'' میرے بجائے سروجنی نے ہونٹ چباتے ہوئے

سوال کیا۔

مرلی نے ڈرتے ڈرتے میری طرف اشارہ کیا، زبان سے میرا نام لینے کی ہمت نہ کر سکا۔

''اُن کے پاس کیا ثبوت ہے کہ مہاراج دوشی ہیں؟'' سروجنی تلملا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نے روی شنکر سے بات کی؟ کیا تم نے اُسے بتایا کہ مہاراج کل رات سے ہمارے مہمان ہیں؟ کیا جواب دیا روی نے؟''

''اُس نے میری بات سننے سے انکار نہیں کیا، لیکن کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کی اداشوں نے پنڈت پجاریوں کو دیوانہ کر دیا ہے۔ باہر نکل کر دیکھو، زندگی کے سارے کاروبار ٹھپ ہو گئے ہیں۔ ہر طرف آگ بھڑک رہی ہے، حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔'' مرلی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''دُرگا کے مندر میں اوم پرکاش کی موت کے بعد ایک آواز اُبھری تھی جس نے جمیل احمد خان مہاراج کا نام لے کر کہا تھا کہ مہاراج نے دُرگا دیوی کی مہان شکتی کو للکار کر اچھا نہیں کیا، وہ آواز دُور دُور تک سنائی دی تھی۔ پنڈت پجاریوں کا کہنا ہے کہ دُرگا کی آواز ہی سب سے بڑا ثبوت ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا دُرگا دیوی اتنا بڑا جھوٹ بول سکتی ہے؟'' سروجنی نے مرلی سے مخاطب ہو کر کہا۔ پھر وہ میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''تاج ہوٹل کے منیجر نے کل رات مہاراج کے آنے سے پہلے مجھے فون کیا تھا۔ اس کے علاوہ پرتھوی بھی گواہ ہے جو مہاراج کو ہوٹل سے یہاں لایا تھا۔ کیا یہ دونوں ثبوت مہاراج کو نردوش ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟''

''مجھے تمہاری باتوں پر وشواس ہے، میں بھی مہاراج کو دوشی نہیں سمجھ رہا۔ لیکن اس سمے کسی سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔'' مرلی نے بے بسی کا اظہار کیا۔ ''روی شنکر نے وچن دیا ہے کہ وہ اس طرف آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ لیکن وہ اور اُس کے ساتھی ابھی تک مہاراج کو کونے کھدروں میں کھوجتے پھر رہے ہیں۔''

''پرتھوی کہاں ہے.....؟'' میں نے پورے حالات سننے کے بعد مرلی سے دریافت کیا۔

''تم پریشان مت ہو مہاراج.....'' سروجنی نے جواب دیا۔ ''پرتھوی تمہیں چھوڑ کر واپس ہوٹل چلا گیا تھا، وہ اپنا آدمی ہے۔ پرکھا ہوا بندہ ہے۔ مر جائے گا لیکن اپنے بیان سے نہیں پھرے گا۔''

''میرے سوا وہ کچھ اور بھی لایا ہوگا.....؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔ میرے ذہن میں سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کا خیال کلبلایا تھا۔ گرو نے یقین دلایا تھا کہ وہ لاٹھی مجھے مل جائے گی، میرے علاوہ کسی اور کے کام نہیں آ سکے گی۔

میرے سوال کے جواب میں سروجنی نے سیّد مجذوب کی لاٹھی لا کر مجھے پیش کی تو میرا دل ایک انجانی مسرت سے سرشار ہو گیا۔ میری آنکھوں میں اُمید کی کرنیں چمکنے لگیں۔

''کیا بات ہے مہاراج؟'' سروجنی نے میری خوشی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ لاٹھی تمہیں بہت پیاری ہے.....؟''

''تو ان بھیدوں کو نہیں سمجھ سکے گی۔'' میں نے اُسے ٹالنے کی خاطر جواب دیا۔ پھر مرلی سے بولا۔ ''تیرا کیا خیال ہے؟ کیا پنڈت اور پجاری میری گرفتاری کے بنا اپنی ہٹ سے باز آ جائیں گے؟''

''میں وشواس سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' مرلی نے پہلو بدل کر کہا۔ ''ابھی کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوگا۔ جہاں دھرم کی بات آ جائے وہاں قانون کی شکتی بھی بے بس ہو جاتی ہے۔''

''اگر پولیس کے کارندے یہاں تک پہنچ گئے تو.....؟'' میں نے لاٹھی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے سوال کیا۔

مرلی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی اس سوال پر سٹپٹا جاتا۔

''وہ اگر یہاں تک آ بھی گئے تو اُنہیں خالی ہاتھ واپس جانا ہوگا۔'' سروجنی نے بڑے یقین سے کہا۔ ''میں نے تمہیں وچن دیا ہے مہاراج، وہ میری زندگی میں تمہارے اُوپر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ سروجنی کی زبان سے انکارانی کے جملے ادا ہو رہے ہیں۔ لیکن میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ دیوی دیوتاؤں کے معاملے میں انکا بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔ مجھے پریتم لال یاد آ گیا، اُس نے لندن کے ہسپتال میں سیّد مجذوب کی لاٹھی دیکھ کر کہا تھا اس میں طاقت کے ہزاروں خزانے پوشیدہ ہیں مگر میرے استفسار کے باوجود اُس نے کچھ بتانے سے گریز کیا تھا۔ میں بدری نرائن کے سلسلے میں لاٹھی کی کچھ کرامات دیکھ چکا تھا۔ اس متبرک لاٹھی نے امر لال کا منڈل توڑ دیا تھا۔ بدری نرائن بھی اس لاٹھی کے وار

کے بعد بلبلانے لگا تھا۔ اور بھی کئی واقعات میرے ذہن میں اُبھر رہے تھے۔

گرو نے سروجنی کے اپارٹمنٹ کو میرے لئے محفوظ سمجھا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ میں اکیس روز تک اپنے کانپ ٹھڈے قابو میں رکھوں ورنہ کسی جنجال میں پھنس جاؤں گا۔ لیکن اگر پنڈت پجاریوں کا ریلا وہاں آجاتا تو وہی اپارٹمنٹ میرے لئے چوہے دان بھی بن سکتا تھا۔

میں مختلف زاویوں سے درپیش صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ گرو نے خلاف توقع عین وقت پر آکر مجھے پولیس ٹریپ سے بچالیا تھا، اُس نے میرا ہاتھ پکڑا تو پولیس والے اندھے ہو گئے۔ سرچ لائٹ کی تیز روشنیاں بھی میری تلاش میں ناکام ہو گئیں۔ وہ بے خبر ہوتا تو سامنے کیوں آتا؟ ''عین ممکن ہے کہ اس وقت بھی وہ کہیں اطمینان سے بیٹھا میری بوکھلاہٹ کا تماشہ دیکھ رہا ہو.....'' میں نے سوچا۔ ''وہ پریتم لال کا دوست ہونے کے ناطے میری مدد کر رہا تھا، مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا، میری حفاظت کے لئے اُس نے یقیناً کچھ انتظامات ضرور کئے ہوں گے۔ اگر وہ مجھے ہاتھ تھام کر دوسروں کی نظروں سے اوجھل کر سکتا تھا تو سروجنی کے اپارٹمنٹ کے راستے میں ایسی رُکاوٹیں بھی کھڑی کر سکتا تھا جن کا عبور کرنا میرے دشمنوں کے لئے آسان نہ ہوتا۔''

میں خیالات میں غرق تھا کہ معاً ایک سوال بجلی بن کر میرے ذہن میں کوندا..... ''دُرگا کی آواز نے اگر اکیس روز تک مجھے مفلوج رکھنے کی خاطر تمام راستے بند کر دیئے تھے تو پھر گرو پر اس کا اطلاق کیوں نہیں ہوا؟ کیا گرو کو کسی خاص وجہ سے چھوٹ دی گئی تھی؟ اس رعایت کی پشت پر کیا مصلحت کارفرما تھی.....؟''

''تم کیا سوچ رہے ہو مہاراج.....؟'' مرلی نے پوچھا۔ ''کس بات کی چنتا تمہیں پریشان کر رہی ہے.....؟''

''میری ایک بات مانے گا بالک.....؟'' میں نے مرلی کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میں نے پوری مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔

''تم حکم دو مہاراج.....''

''تو اپنے کسی واقف کار پولیس آفیسر کو فون کر کے یہاں بلا لے۔'' میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو مہاراج.....؟'' سروجنی نے احتجاج کیا۔ ''کیا تمہیں مجھ پر

یا مرلی پر بھروسا نہیں ہے.....؟''

''بھروسا نہ ہوتا تو اس وقت میں یہاں نہ ہوتا.....''

''پھر..... تم پولیس کو بلانے کی بات کیوں کر رہے ہو.....؟''

''تو نہیں سمجھ سکے گی سروجنی.....'' میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا کہا مان لے، اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔''

''دو چار دن اور رُک جاؤ مہاراج، اس کے بعد کوئی آخری فیصلہ کرنا۔'' مرلی نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اس سمے دُرگا کی آواز نے پنڈت پجاریوں کو اشتعال دلا رکھا ہے، وہ پاگل ہو رہے ہیں۔ تمہاری ایک جھلک دیکھ کر اُن کا جنون اور بھڑک اُٹھے گا۔ وہ مارنے اور مرجانے پر تلے بیٹھے ہیں، کسی کی بات نہیں سنیں گے، ذرا آگ سرد ہو جائے، پھر کچھ سوچنا.....''

''مجھے اپنے سے زیادہ تم دونوں کا خیال ہے۔'' میں نے اُنہیں ایک امکانی پہلو سے آگاہ کرنا چاہا۔ ''جہاں سوال زندگی اور موت کا آجائے وہاں انسان زندگی کو موت پر ترجیح دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، یہی مجبوری اُسے زبان کھولنے پر آمادہ کرتی ہے۔ فرض کرو، وہ پرتھوی پر یلغار کر دیں؟ اُس کے گلے پر خنجر رکھ کر سچ اُگلنے کو کہیں؟ تاج ہوٹل کا مینجر بھی میری یا تمہاری خاطر دیدہ و دانستہ موت کے کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگائے گا، سچ جان لینے کے بعد وہ اور بپھر جائیں گے، تمہارے اس پُرسکون آشیانے کی ایک ایک تیلی اُن کی دیوانگی سے جل کر راکھ ہو جائے گی۔ وہ پوری عمارت کو کھنڈر بنا دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ تم نے اگر مجھے حوالات تک پہنچا دیا تو تمہاری وفاداری پر کوئی حرف بھی نہیں آئے گا، میں بھی محفوظ ہو جاؤں گا۔ لیکن..... تمہیں میری ایک شرط ماننی ہو گی۔''

''وہ کیا.....؟'' مرلی نے بڑی مُردہ آواز میں دریافت کیا۔

''یہ لاٹھی میرے ساتھ رہنے دی جائے.....''

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے.....؟'' مرلی کسمسانے لگا۔

''تم ایک طرف ہو جاؤ مرلی.....'' سروجنی بپھر کر بولی۔ ''یہ اپارٹمنٹ میرے نام ہے، میری راج سبھا میں کیول میرا حکم چلے گا، تمہیں میرے اور مہاراج کے درمیان بولنے کا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔''

''شانت رہو سروجنی.....'' میں نے اُس کے بگڑتے تیور دیکھ کر سپاٹ لہجے میں کہا۔
''میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے اندر سمندر کی بپھری ہوئی لہریں سر اُبھار رہی ہیں۔ لیکن تو ابھی نادان ہے، کل کیا ہونے والا ہے؟ تو نہیں جانتی۔ میری بات مان لے، مجھے یہاں سے چلا جانے دے۔''

''میں جانتی ہوں مہاراج کہ تم مہان شکتیوں کے مالک ہو، میرے مقابلے میں تمہارا تجربہ بھی زیادہ ہے۔ تم بھوش میں جھانک سکتے ہو، تمہاری آگیا کا پالن کرنا میرا دھرم ہے۔ میں وچن دیتی ہوں کہ جیون میں پھر کبھی تم سے کوئی بنتی نہیں کروں گی۔ لیکن آج تمہیں اپنی پجارن کا کہا ماننا ہوگا۔ آج تم نے نراش کر دیا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا.....''

''سروجنی.....'' میں نے کچھ کہنا چاہا، اُس نے میری بات کاٹ دی۔

''نہیں مہاراج.....نہیں۔'' اُس نے ہاتھ جوڑ لئے، میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ ''آج اپنی داسی کو کوئی حکم نہ دو، مجھے میرے من کی آشا پوری کر لینے دو۔ میں جی بھر کر تمہاری بھگتی کر لوں، تمہاری آرتی اُتار لوں، پھر تم جو کہو گے میں مان لوں گی۔''

''سروجنی کی بات مان لو مہاراج، میں بھی تم سے یہی پرارتھنا کروں گا۔'' مرلی کے لہجے میں بھی التجا تھی۔

میں شش و پنج میں گرفتار ہو گیا۔ انکا کے علاوہ میری کلدیپ نے بھی بارہا یہی کہا تھا کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کیا کروں۔ گرو نے بھی تاکید کی تھی کہ اکیس روز تک ہاتھ پیر مارنے کی غلطی نہ کروں، سیّد مجذوب بھی اشاروں کنایوں میں مجھے زندگی کے باریک فلسفوں اور معارفت کی باتیں سمجھانے کی کوشش کرتا، اُس کی دقیق باتیں میرے سر سے گزر جاتیں، میں وضاحتوں کی درخواست کرتا تو وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو جاتا، میں ہاتھ ملتا رہ جاتا۔

سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی مل جانے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا، بڑے غور و خوض کے بعد مرلی کے فلیٹ سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ سروجنی میرے پیروں کی زنجیر بن رہی تھی، کوئی اور موقع ہوتا تو میں اُس کی درخواست کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتا، اُس کے جسم کے گداز میں، نشیب و فراز میں گم ہو جاتا۔

''اپنا ارادہ بدل دو مہاراج.....میری خاطر۔'' سروجنی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا، پھر

میرے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔ مرلی بھی اُس کی دیکھا دیکھی قریب آ گیا..... مجھے وقتی طور پر سروجنی کا فیصلہ قبول کر پڑا۔

''ٹھیک ہے.....'' میں نے اُس کی گھنیری زلفوں میں اُنگلیاں پھنسا کر کہا۔ ''میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں.....''

سروجنی نے اپنا چہرہ اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا، پھر دوبارہ بے اختیار میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ مرلی کے چہرے پر بھی اطمینان جھلکنے لگا.....!

❁❁❁

ایک ہفتہ گزر گیا.....

میں سروجنی کے اپارٹمنٹ تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ہر وقت میری پذیرائی میں لگی رہتی۔ مرلی کی زبانی مجھے حالات کا علم ہوتا رہتا، بمبئی کا سارا کاروبار دو روز تک ٹھپ رہا۔ پھر پولیس کمشنر اور کچھ پنڈت پجاریوں کے سمجھانے بجھانے پر سادھوؤں اور پجاریوں نے سڑکوں سے اپنا دھرنا اُٹھا لیا، زندگی کے کاروبار معمول پر آنے لگے۔ لیکن مرلی کی اطلاع کے مطابق پولیس نے میری تلاش جاری رکھی تھی، جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔

تاج ہوٹل کے مینجر نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں نے ہوٹل چھوڑتے وقت اپنے سارے واجبات ادا کر دیئے تھے، میں ہوٹل چھوڑ کر کہاں گیا.....؟ اس کے بارے میں اُسے کوئی علم نہیں تھا۔ پرتھوی کے کسی بیان دینے کی نوبت نہیں آئی، روی شنکر کے مشورے پر مرلی نے اُس کچھ دنوں کے لئے بمبئی سے باہر بھیج دیا تھا۔

خطرہ بظاہر ٹل گیا تھا لیکن بہت ساری باتیں وضاحت طلب رہ گئیں تھیں۔ مجھے بڑی شدت سے انکارانی کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ اُس نے ابھی تک پلٹ کر میری خبر نہیں لی تھی۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی مل جانے کے بعد مجھے اپنے تحفظ کا یقین آ گیا تھا۔ میں اس اعتماد کی کوئی وضاحت نہیں کر سکتا مگر کوئی بات ایسی ضرور تھی جس نے مجھے ہر فکر سے بے نیاز کر دیا تھا۔ شاید سیّد کی رُوحانی قوتوں کا فیض تھا جس نے مجھے سنبھال رکھا تھا۔

سروجنی شب و روز میری دلجوئی میں لگی رہتی۔ ہر طرح سے میرا خیال رکھتی، رات گئے تک میرے بستر سے لگی دبیز قالین پر بیٹھی رہتی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اُس نے سادھنا کو میرے کمرے میں آنے جانے سے منع کر رکھا تھا۔ میں نے ایک بار دبی زبان میں سروجنی سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ کہیں سادھنا کی زبان دوسروں کے سامنے پھسل نہ جائے، جواب میں سروجنی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ سادھنا میرے بارے میں

زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ میں نے اس یقین کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔

اُس روز بھی سروجنی نصف رات گئے تک میرے پاس بیٹھی دنیا جہاں کی باتیں کرتی رہی۔ مرلی بھی قریب ہی بیٹھا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ فون مرلی نے اُٹھا لیا، پھر ایک دو جملے ادا کرنے کے بعد اُس نے رانگ نمبر کہہ کر ریسیور واپس رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات اُبھرتے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ اُس کی اضطرابی کیفیت بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

''کس کا فون تھا.....؟'' میں نے لاپرواہی سے دریافت کیا۔

''مہاراج.....'' مرلی نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے کسمسا کر پوچھا۔ ''کیا آپ کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو میرے اپارٹمنٹ میں آپ کی موجودگی کے راز سے واقف ہو.....؟''

''کیا مطلب.....؟'' سروجنی چونک اُٹھی۔ ''فون کرنے والے نے کیا کہا تھا؟'' اُس نے مرلی سے پوچھا۔ میرے ذہن میں بھی خدشات سرسرانے لگے۔

''اُس نے کیول اتنا کہا تھا کہ اپنے مہمان کا پوری طرح دھیان رکھنا۔ سیوا میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔ اُس سے کہنا کہ پنکھ سمیٹے رکھے۔''

''کوئی نام نہیں بتایا تھا.....؟'' سروجنی کسی ناگن کی طرح بل کھانے لگی۔

''نہیں.....'' مرلی نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرے رانگ نمبر کہنے کے بعد اُس نے قہقہہ لگا کر لائن منقطع کر دی تھی۔''

''کون ہو سکتا ہے.....؟'' سروجنی نے خود کلامی کا انداز اختیار کیا، اُس کی کشادہ پیشانی پر اُبھرنے والی سلوٹیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔

''گرو.....'' میرے ذہن میں پرتاپ کا تصور اُبھرا۔ مرلی نے جو جملے ادا کئے تھے اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ گرو میری طرف سے بے خبر نہیں ہے۔

''اگر ایسا ہوا تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' سروجنی نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے زہریلے انداز میں کہا۔ ''اُس کے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈال دُوں گی۔''

''تمہارے ذہن میں کس کا نام اُبھر رہا ہے؟'' مرلی نے چونک کر پوچھا۔

''لنکا ڈھانے والا کوئی گھر کا بھیدی ہی ہوسکتا ہے۔'' سروجنی کے تیور خطرناک ہونے لگے۔

''نہیں سروجنی.....نہیں۔'' میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بے قابو ہونے سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔ ''تیرے من میں جس کا نام اُبھر رہا ہے وہ نردوش ہے، میں سمجھ گیا کہ فون کس نے کیا تھا.....''

''وہ کون ہے مہاراج؟'' مرلی اور سروجنی نے یک زبان ہوکر سوال کیا۔

''میں اُس کا شبھ نام نہیں لے سکتا، صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ بڑی مہان شکتیوں کا مالک ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ آنکھ بند کر کے دھرتی کے کسی کونے میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ ساگر کی گہرائیوں میں غوطہ لگا سکتا ہے۔ وہ میرا دوست بھی ہے۔ نہ ہوتا تو میرا اتنا دھیان کبھی نہ رکھتا.....''

میں نے وہ وضاحت سادھنا کو سروجنی کے ممکنہ عتاب سے بچانے کی خاطر ضروری سمجھی۔ ''گھر کے بھیدی'' کے اشارے پر میں سمجھ گیا تھا کہ سادھنا کو شبہ کی نظروں سے شناخت کیا جا رہا ہے۔ میری بات سن کر سروجنی کا غصہ ختم ہوگیا، مرلی نے بھی مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلے گئے تو میں نے روشنیاں بجھا کر آنکھیں بند کرلیں۔ میں تھکا ہوا تھا اس لئے جلدی سوگیا۔

رات کے دوپہر گزر جانے کے بعد میں واش رُوم جانے کی ضرورت کے پیش نظر بیدار ہوا تو میرے کانوں میں کسی کے ہلکے ہلکے خراٹے لینے کی آواز گونجی.....وہ آواز میرے لئے غیر مانوس نہیں تھی۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی، میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا، انکارانی میرے سر پر اپنا نازک بدن سمیٹے، ہاتھوں کے تکیے پر سر رکھے بائیں کروٹ لیٹی چھوٹے چھوٹے خراٹے نشر کر رہی تھی، اُس کے چہرے پر تھکن کے گہرے تاثرات موجود تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے کئی راتیں جاگنے کے بعد دو گھڑی سونے کی فرصت ملی ہو۔ وہ کسی نوجوان بیوہ کی طرح لٹی لٹی اور سوگوار سی نظر آ رہی تھی۔ اُس کے پتلے پتلے نرم و نازک سے تراشیدہ ہونٹ جو ہمیشہ مسکراتے رہنے کے عادی تھے اس وقت بڑے پھیکے پھیکے سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں اُسے پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ شاید میرے ناروا سلوک

نے اُس پر کوئی گہرا اثر چھوڑا تھا، بڑی بجھی بجھی لگ رہی تھی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انکارانی میرے دُکھ درد کی ساتھی تھی، میری ہم راز تھی، میری محبوبہ دلنواز تھی۔ مجھے بڑی شدت سے اُس کی واپسی کا انتظار تھا، وہ آ گئی تھی لیکن بے سدھ پڑی سو رہی تھی، میں نے اُسے جگانا مناسب نہیں سمجھا، والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

مجھے یقین تھا کہ میری خاطر انکا کے شب و روز کتنی مصروفیت میں گزرے ہوں گے۔ میرے تحفظ کی خاطر وہ اِدھر اُدھر چکراتی پھری ہوگی۔ کبھی کسی پجاری کے سر پر کبھی روی شنکر کا ذہن پلٹنے کی خاطر اُسے زور لگانا پڑا ہوگا، کبھی ان فیصلوں کو تبدیل کرانے کی خاطر جدوجہد کرنی پڑی ہوگی جو میرے خلاف صادر ہوئے ہوں گے۔ وہ سروجنی کے سر سے بھی دُور نہیں رہ سکتی تھی، میری خاطر اُس نے سادھنا کے دل و دماغ کو بھی ضرور کریدا ہوگا۔ چوکھی لڑتے وقت ایک ذرا سی غفلت بازی پلٹ دیتی ہے۔ انکا نے یقیناً کئی راتوں تک اپنی پلکیں نہیں جھپکی ہوں گی، اُسے پریتم لال نے میرے حوالے کیا تھا۔ پریتم لال نے مجھے خودکشی سے روک کر کلدیپ کے مشن کو پورا کرنے کا وعدہ لیا تھا۔ اُس نے انکارانی کو بھی میرے مستقبل کے بارے میں بہت ساری باتیں سمجھائی ہوں گی، مشورے دیئے ہوں گے، ساری اُونچ نیچ سے آگاہ کیا ہوگا۔

میں انکا کے معصوم اور سوگوار چہرے پر نظریں جمائے اپنے خیالات میں مستغرق تھا جب اُس نے اچانک ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ شاید نیند میں بھی وہ میرے خیال سے غافل نہیں تھی، کسی خدشے کے معمولی سے احساس نے اُس کی نیند اچاٹ کر دی۔ اُس نے تھکن دُور کرنے کی خاطر بدن اکڑا کر طویل انگڑائی لی، پھر آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔

''تم آ گئیں.....؟'' میں نے اُسے بڑے پیار سے مخاطب کیا۔ ''میں کئی دنوں سے تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ تمہارے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا۔''

جواب میں انکارانی کے ہونٹوں پر ایک اُداس تبسم مچل اُٹھا، وہ ابھی تک مجھ سے شاکی تھی۔ اُس کی خفگی بجا تھی۔

''بہت زیادہ ناراض ہو.....؟'' میں بڑے لاڈ سے بولا۔ ''معافی کی کوئی گنجائش ہے؟''

''جمیل.....'' وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ ''کبھی کبھی تمہاری باتیں میرے وجود میں نشتر بن کر اُتر جاتی ہیں۔''

''مجھے احساس ہے۔ لیکن غصے اور دیوانگی میں زبان پر قابو نہیں رہتا.....'' میں نے اعتراف کرلیا۔

''دل سے کہہ رہے ہو.....؟'' اُس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

''تمہاری آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار مچل رہا ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''کچھ دیر اور آرام کرلو۔''

''اتنی محبت کا اظہار مت کرو جمیل، تمہاری یہی باتیں مجھے تڑپا دیتی ہیں۔''

''اتنے دنوں کہاں رہیں.....؟'' میں نے پیار سے پوچھا۔

''کہاں ہوسکتی تھی.....؟'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تمہارے دشمنوں کے راستے کاٹنے میں مصروف تھی۔''

''گرو پرتاپ کو جانتی ہو.....؟''

''تم بڑے خوش قسمت ہو جمیل کہ گرو پرتاپ تمہاری مدد پر آمادہ ہوگیا۔ پریتم لال مہاراج کے بہت سارے احسانات ہیں اُس پر، شاید وہ اُنہی احسانوں کا بدلا چکا رہا ہے۔ ورنہ.....''

''ورنہ کیا.....؟'' میں نے انکا کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے وضاحت چاہی۔

''بڑا دوغلا اور کمینہ خصلت آدمی ہے۔ اُس کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا۔'' انکا نے کسمسا کر کہا۔ ''وہ درمیان میں نہ آجاتا تو روی شنکر کے آدمی تمہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔''

''کیا تمہاری ساری قوتیں بھی دُرگا نے چھین لی ہیں؟''

''نہیں.....'' انکا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں براہِ راست کسی دیوی دیوتا کے تابع نہیں ہوں، لیکن پراسرار قوتوں کے درمیان بھی کچھ درجہ بندی ہوتی ہے، ایک دوسرے کے مرتبے کا خیال ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مجھے بھی دُرگا دیوی کی آواز کا پاس ہے، میں براہِ راست تمہارے کسی کام نہیں آسکتی لیکن اتنی بے بس بھی نہیں ہوں کہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان سینہ تان کر دیوار نہ بن سکوں۔''

جواب میں، میں نے اُس کے کنچوں کے برابر سینے پر نظر ڈالی تو شوخی سے پہلو بدل کر بولی۔

''تمہیں اس وقت بھی بدمعاشی کی باتیں سوجھ رہی ہیں۔''

''تمہارا سب سے پرانا اور سچا عاشق ہوں میری جان۔'' انکا کی شوخی کو محسوس کر کے میں بھی ترنگ میں آگیا۔ بڑے ظلم سہے ہیں تمہارے۔ کیا مجھے اتنا حق بھی نہیں دو گی کہ میں تمہارے نشیلے اعضاء سے ہی دل بہلا سکوں؟''

''حالات ابھی سازگار نہیں ہوئے ہیں جمیل صاحب۔'' انکا سنجیدگی سے بولی۔ ''پنڈت نول کشور نے چندرا کی طرف پھر اپنے ہرکارے دوڑا دیئے ہیں۔ کالی داس اور اوم پرکاش کی موت اُن کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے، میرا خیال ہے کہ اب چندرا بھی پہاڑیوں سے نیچے اُترنے سے انکار نہیں کرے گا، میں اُس کی طرف سے بھی غافل نہیں ہوں۔''

''کیا دُرگا کو اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ گرو پرتاپ نے میری مدد کی ہے.....؟'' میں چندرا کا نام سن کر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''دیوی دیوتاؤں کی نظروں سے کوئی بات اوجھل نہیں ہوتی۔ دُرگا کو معلوم ہے کہ گرو پرتاپ نے تمہیں اُس کے عتاب سے بچانے کی غلطی کی ہے۔'' انکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں تمہیں قبل از وقت نہیں بتا سکتی لیکن ایک بات طے ہے۔ گرو کو اس کی نافرمانی کی سزا ضرور ملے گی۔''

''تم نے کبھی چندرا کو دیکھا ہے.....؟''

''تمہارے دل میں پھر کھد بد شروع ہوگئی؟'' انکا نے میری کیفیت بھانپ کر کہا۔ ''فی الحال اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔ گرو پرتاپ نے اکیس روز والی بات غلط نہیں کہی تھی۔ دو ہفتے اور گزر لینے دو، پھر دل کی ساری بھڑاس نکال لینا۔''

''میرا دل ایک ہی ماحول میں رہتے رہتے گھٹنے لگا ہے۔'' میں نے اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔ ''چندرا اور پنڈت نول کشور کھلے میدان میں اپنے اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے ہیں، میں یہاں ایک اپارٹمنٹ میں بند بیٹھا ہوں۔''

''تم یہاں بھی اپنی دل بستگی کا سامان تلاش کر سکتے ہو.....'' انکا سر سے پھدک کر میرے کندھے پر آگئی۔ بڑی لگاوٹ سے بولی۔ ''سروجنی تمہاری داسی ہے، پجارن ہے، مندر میں تو چھوٹے موٹے پجاری بھی کسی سندر پجارن کو اپنی بانہوں میں دبوچ کر پیاس

بجھا لیتے ہیں، تم تو سروجنی کے لئے دیوتا ہو، ایک بار بھولے سے اشارہ کر کے دیکھو، وہ تمہیں خوش کرنے کی خاطر تمہارے قدموں میں بچھ جائے گی۔''

''تم میرا ذہن بٹانے کی کوشش کر رہی ہو.....؟'' میں نے انکا کا مفہوم سمجھ کر کہا تو اُس نے جھک کر میرے کانوں میں سرگوشی کی۔

''ایک راز کی بات بتاؤں تمہیں، سروجنی سادھنا سے جلتی ہے۔ اُس نے سادھنا کو تمہارے قریب پھٹکنے سے بھی منع کر رکھا ہے، کبھی ایک نظر بھر سادھنا کو دیکھو..... وہ زندگی کی لچکتی شاخ پر ایک بند کلی کی مانند مچل رہی ہے، ابھی کسی بھنورے کی پیاسی نظر اُس تک نہیں پہنچی..... تم اشارہ کرو، میں اُسے پکے پھل کی طرح تمہاری آغوش میں ڈال دُوں گی۔''

''کیا پنڈت نول کشور بمبئی نہیں آیا.....؟'' میں نے انکا کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ چندرا کا نام درمیان میں آ جانے سے میرے تن بدن میں ایک آگ سی بھڑک اُٹھی تھی، کلدیپ کے زخم پھر سے ہرے ہونے لگے۔ میں نے سوچا تھا کہ چندرا کو وندھیا چل کی پہاڑیوں سے نیچے اُترنے کی زحمت نہیں دُوں گا، خود سینہ تان کر اُس کے سر پر پہنچ کر للکاروں گا، ایک بار تو اُس کی نگاہیں بھی مجھے خلاف توقع دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ وہ حرامزادہ آخری سانس تک جمیل احمد خان کو فراموش نہ کر سکتا۔ مرنے کے بعد میرا تصور بھی اُس کی آتما کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ جس کے خلاف صف آراء ہونے کی خاطر وہ دنیا کے ہنگاموں سے دُور برفانی گپھا میں بیٹھا دیوتاؤں سے لازوال قوتوں کی بھیک مانگ رہا ہے وہ سامنے آ کر اُسے منڈل سے باہر نکل کر مقابلے کی دعوت دے گا۔ اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے، ممکن ہے اُس کی حرکت قلب بند ہو جاتی، سکتے کے عالم میں اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے منجمد ہو کر رہ جاتا۔ مگر میری حسرت دل کی دل میں ہی رہ گئی۔ لندن سے روانگی کے بعد مجھے ہوائی سفر کے دوران اشوک سے اُلجھا دیا گیا، مرلی سے چھٹکارا پا کر میں تاج ہوٹل پہنچا تو کلدیپ کی آتما نے پجارن نندنی کا جسم اپنا کر، کجرا کا نام اختیار کر کے میری توجہ پنڈت کالی داس کی طرف مبذول کرا دی۔ میں کالی داس سے بے خبر رہتا تو وہ اندھیرے میں وار کر جاتا۔ میں نے نندا کے علم اور اپنی قوتوں کو بروئے کار لا کر کالی داس کو اس طرح جہنم رسید کیا کہ سارے ہندوستان کی پولیس مل کر بھی قاتل کا سراغ نہیں تلاش کر سکتی تھی۔ کالی داس کے بعد میرے

اُلجھے ہوئے ذہن میں پنڈت اوم پرکاش کا نام کلبلانے لگا۔ میں نے اُسے بھی راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی۔ چندرا میرے ذہن سے نکل گیا۔ اب میں دُرگا کے اکیس روز کے عتاب میں گرفتار تھا..... انکا میری توجہ بٹانے کی کوشش کر رہی تھی، میں نے کچھ اور ٹھان رکھی تھی۔

''نہیں.....'' انکا نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور بڑا گھاگ اور دُور اندیش آدمی ہے، جب تک چندرا واپس نہیں آ جاتا وہ کالی کے مندر میں ہی اپنے منڈل میں دبکا بیٹھا رہے گا۔ کالی داس اور اوم پرکاش کے انجام نے اُسے اور محتاط کر دیا ہے..... وہ اوچھا وار نہیں کرے گا، سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھائے گا۔''

''بدری نرائن نے بھی امرلال کی چھاؤں میں پناہ لینے کی کوشش کی تھی۔'' میں ہونٹ کاٹنے لگا۔ ''تم اُن دونوں کا انجام دیکھ چکی ہو، چندرا اور نول کشور کا انجام اُن دونوں سے زیادہ بھیانک اور ہولناک ہوگا۔''

''مجھے اپنی ذات سے الگ مت سمجھو جمیل.....'' انکا نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ ایک ایک کر کے تمہارے راستے کی تمام رُکاوٹیں دُور ہو جائیں۔ لیکن اس کے لئے ہمیں ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرنا ہوگا، جلد بازی میں غلط قدم اُٹھا کر ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا..... تم نے جہاز پر بھی اشوک کے سلسلے میں جذباتی فیصلہ نہ کیا ہوتا تو وہ شکتی میری نظروں سے اوجھل نہ رہتی جس نے میری نگاہوں کے سامنے دُھند کی چادر تان دی تھی۔''

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، شاید وہ ابھی تک اس بات سے ناواقف تھی کہ جہاز پر گرو کی حیثیت سے کون سفر کر رہا تھا..... جہاز کے حوالے پر مجھے امریتا یاد آ گئی۔ اُس نے گرو کے ساتھ سفر کرنے کا ذکر کیا تھا لیکن میں گرو پرتاپ سے امریتا کے بارے میں بھی کچھ دریافت نہیں کر سکا۔ پے در پے پیش آنے والے واقعات نے اتنی مہلت ہی کہاں دی تھی؟

''ایک بات کہوں جمیل.....؟''

''کہو.....''

''اب تم بھی اپنی انکارانی سے اپنے دل کا بھید چھپانے لگے ہو۔''

''تم نے کیسے اندازہ لگالیا.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''تم اس وقت کیا سوچ رہے تھے، میں نہیں جان سکی۔'' انکا کے لہجے میں شکوہ تھا

''پہلے میں تمہارے اندر جھانک لیتی تھی، لیکن اب تم نے بھی درمیان میں رُکاوٹیں کھڑ کرنی شروع کردی ہیں۔''

میں انکا کی بات سن کر چونکا، میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھر

''گرو پرتاپ نہیں چاہتا ہوگا کہ انکا ہوائی سفر کے دوران امریتا اور اُس کے ہم سفر ہو کے راز سے واقف ہو۔ اُس کی اپنی کوئی مصلحت ہوگی۔ شاید اُسی نے درمیان میں کوئی پ حائل کردیا ہو.....''

''اب کیا سوچ رہے ہو جمیل.....؟''

''میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ایک جگہ بیٹھے بیٹھے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔''

''کہاں جاؤ گے.....؟''

''جہاں بھی قسمت لے جائے۔'' میں نے لمبی سانس بھری۔

''ایسی غلطی بھول کر بھی مت کرنا۔ بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔''

''مجھے ڈرانے کی کوشش کررہی ہو.....؟''

''میری مصروفیات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں سروجنی کے سر سے زیادہ دیر تک دُور نہ رہ سکتی۔ اُسے غافل کرکے مجھے باہر کی سن گن بھی لینی پڑتی ہے، تم نہیں جانتے۔ روی شنکر کچھ کمزوریاں سروجنی کی مٹھی میں ہیں، اسی لئے اُس نے مرلی کی بات مان لی، لیکن وہ مو کی تاک میں ہے، تم نے اگر اُسے موقع فراہم کردیا تو بات بہت بگڑ جائے گی۔'' انکا بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میری بات غور سے سنو جمیل۔ گرو پرتاپ تمہیں یہاں پہنچانے بعد اب دُرگا کے عتاب سے بچنے کی فکر میں مصروف ہے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن میرا خیال ہے کہ اگر اکیس دن پورے ہونے سے پیشتر تمہارے اُوپر دوبارہ کوئی آفت آ وہ بھی تمہاری مدد نہیں کرسکے گا۔''

''تم تو میرے ساتھ رہو گی.....؟'' میں نے پوچھا۔

''اپنے دل سے جواب مانگو، وہ کیا کہتا ہے؟'' اُس نے بڑی حسرت سے مجھے دیکھا

''انکارانی.....'' میں نے کچھ یاد کرتے ہوئے موضوع بدل دیا۔ ''رنجنی یاد ہے تمہیں..... اشوک کی بیوہ۔''

''اس وقت تمہیں اچانک رنجنی کی یاد کیسے آ گئی؟'' انکا نے مجھے گہری نظروں سے گھورا۔

''تم نے مجھے بتایا تھا کہ اشوک سے اُس کی شادی کو دس سال ہو چکے تھے، دو ماہ بعد رنجنی کے ہاں وہ خوشی ہونے والی ہے جس کی حسرت دل میں لئے اشوک دنیا سے منہ موڑ گیا۔''

''قسمت کی بات ہے جمیل۔'' انکا اُداس ہوگئی۔ ''تمہیں یہ سن کر اور دُکھ ہوگا کہ اشوک کے بعد اُس کے رشتے داروں نے رنجنی کو منحوس سمجھ کر اُس سے منہ پھیر لیا ہے۔ آج کل وہ اپنی بہن کے ساتھ ہے۔''

''میں اشوک کی موت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ لیکن رنجنی کی ہر ممکن مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''مجھے حکم دو، تم اُس کی کیا مدد کرنا چاہتے ہو.....؟''

''کچھ ایسے حالات پیدا کردو کہ اُس غریب کو سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا مل جائے، اُسے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، کسی کے دست نگر اور محتاج نہ رہے، سکون سے زندگی گزار سکے۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں، تم فکر مت کرو، میں رنجنی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گی۔''

میں انکا سے بڑی دیر تک باتیں کرتا رہا، وہ مجھے سروجنی، سادھنا اور روی شنکر کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتاتی رہی۔ چندرا اور پنڈت نول کشور کے علاوہ کچھ اور سرپھرے پنڈت اور پجاری بھی جنہوں نے دو چار جنتر منتر سیکھ لئے تھے، میری گھات لگائے بیٹھے تھے، اُن کے بارے میں بھی انکا نے کئی اہم اور کارآمد باتیں بتائیں۔ میں غور سے اُس کی ایک ایک بات ذہن نشین کرتا رہا۔

وہ دوبارہ میرے سر پر پاؤں پسار کر لیٹ گئی۔ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ میرا خیال تھا کہ جب وہ مجھ سے ملے گی تو رُوٹھی ہوگی، مجھ سے میری سرد مہری کی شکایت کرے گی، شکوے کرے گی۔ لیکن اُس نے مجھے معاف کردیا تھا، میری باتوں نے اُس کی تمام شکایتیں دور کردی تھیں، وہ کسی بلبل کی طرح چہک رہی تھی، میں اُس کی باتیں سن رہا تھا، اُس کی

ایک ایک ادا پر نثار ہو رہا تھا۔ بڑے دنوں بعد ہمارے درمیان خوشگوار ماحول میں چھیڑ چھ
ہو رہی تھی۔ انکا نے کروٹ لے کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے سادھنا کے بارے میں کیا سوچا.....؟''

''بڑی سفارش کر رہی ہو سادھنا کی۔'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کہیں اُ
کے کنوارے بدن میں چھلکتا ہوا خون تو پسند نہیں آ گیا؟''

''اُسے دیکھ کر دل تو للچاتا ہے لیکن ابھی اُس کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔'' انکا شو
سے بولی۔ ''ابھی تو غریب نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔''

''تم اُسے کیا دکھانا چاہتی ہو.....؟'' میرے لہجے میں شرارت اُتر آئی۔

''ہر بڑے کاروبار کا افتتاح کسی بڑے آدمی سے کرایا جاتا ہے۔ میں چاہتی ہوں
سادھنا کو جس کاروبار میں جھونکا جانے والا ہے اس کی ابتدا تمہارے مبارک ہاتھوں سے ہو۔

''میں سمجھا نہیں.....؟''

''سروجنی کسی آکٹوپس سے بھی زیادہ خطرناک اور دُور اندیش ہے، بڑی گھاگ عورت
ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے نواب اور راج منتری بھی اُس کی کسی بات کو ٹالنے سے
پیشتر اپنا آگا پیچھا ضرور دیکھ لیتے ہیں، سروجنی نے اپنی جڑیں دُور دُور تک پھیلا رکھی ہیں
کاروبار جتنا بڑا ہو اس کے لئے خام مال کی بھی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے۔'' انکا نے
سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سروجنی کا خام مال وہ حسین اور نوخیز کلیاں ہیں جو صرف کارآ
آدمیوں کی آغوش میں ہی چٹکتی ہیں، سادھنا کو سروجنی نے بلاوجہ اتنا سنبھال کر نہیں رکھ
ہے، ایک راج منتری کو جال میں پھانسنے کی خاطر سادھنا کو چارا بنایا جائے گا، جس راج
منتری کے لئے جال تیار کیا جا رہا ہے وہ پردھان منتری سے بھی زیادہ طاقتور ہے، تمہیں
سن کر دُکھ ہوگا کہ اُس کی جوان بیٹی کی عمر بھی سادھنا کے برابر ہے۔ پورے بھارت میں
اُس کا حکم کھرے سونے کے سکّے سے زیادہ چلتا ہے۔''

انکا مجھے سادھنا کے بارے میں اُکساتی رہی۔ راج منتری کی بابت تفصیل بتاتی رہی
میں خاموشی سے سنتا رہا۔ سادھنا ایسا تراشیدہ ہیرا تھا قدردان جوہری جس کے لئے اپنی
تجوریوں کے منہ کھولنے سے بھی دریغ نہ کرتے، پہلی بار دیکھنے کے بعد میرے دل میں بھی
شیطان سے کروٹیں بدلنی شروع کر دی تھیں لیکن چندرا کا ذکر درمیان میں آ جانے کے بعد

میرے ذہن میں شعلے بھڑک اُٹھے۔ شاید انکا اُنہی شعلوں کو بجھانے کی خاطر مجھے سادھنا کی
زلفوں میں اُلجھانا چاہتی تھی۔

''کیا بات ہے جمیل؟ تم نے سادھنا کے سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا۔'' انکا نے مجھے
سوالیہ نظروں سے گھورا۔ ''پہلے تو تمہاری رال بڑی جلدی ٹپکنے لگتی تھی.....''

''آج میں کسی اور کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''وہ ایک بار قابو آ جائے تو سادھنا جیسی ہزاروں حسینائیں میری بانہوں میں مچلنا اپنے لئے
کسی اعزاز سے کم نہ سمجھیں گی۔''

''سروجنی کی بات کر رہے ہو.....؟'' انکا کے لہجے میں تعجب تھا۔

''نہیں.....'' میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''کچھ دنوں پیشتر وہ مجھے رات گئے پونا
کے ریس کلب میں ملی تھی، بڑی رس بھری تھی۔ غصے میں قیامت لگ رہی تھی۔ شعلہ بدن،
غنچہ دہن، رشک چمن، حورِ یمن..... میں نے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔''

''پھر کیا ہوا..... دال گلی یا نہیں.....؟'' انکا نے شوخی سے پوچھا۔

''میرے اندر ایک اُبال آیا تھا..... وہ بام مچھلی کی طرح تڑپ کر ہاتھ سے نکل گئی۔''

''تم اتنے سیانے تو کبھی نہیں تھے جتنے بالغ اب ہو گئے ہو۔'' انکا نے پہلو بدل کر
جواب دیا۔ ''پہلے تم مجھ سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپاتے تھے، اب تم نے کترانا سیکھ
لیا ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں جمیل صاحب کہ تم سادھنا کی بات کیوں ٹال رہے ہو؟''

''اچ..... چھا۔'' میں نے قدرے محتاط ہو کر بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''اب تم نے بھی
قد نکالنا شروع کر دیا.....''

''پریتم لال مہاراج کی کچھ باتوں نے مجبور کر دیا ہے۔'' وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''ورنہ
میں اب بھی وہی انکا ہوں تم جس کے اشارے پر ناچا کرتے تھے، یاد ہے نا.....؟''

انکا کے لہجے میں طنز تھا، سمندر جیسی گہرائی تھی۔ میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اُس
کے اور پریتم لال کے درمیان میرے سلسلے میں کوئی معاہدہ ضرور ہو چکا تھا جسے وہ مجھ سے
مخفی رکھنا چاہتی تھی۔

انکا نے جو کہا وہ غلط نہیں تھا، ایک زمانہ تھا جب میں اُس کی پلکوں کی جنبش پر تھرکنے کو
مجبور تھا، اُس کی کسی بات کو رد کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھ پر حکم چلانے کی

عادی تھی۔ اُس نے میری نرگس کی ایک ذرا سی غلطی پر اُسے بھی معاف نہیں کیا۔ نرگس میری زندگی کے احاطے میں خوشبو بکھیرنے والا سب سے مہکتا پھول تھی۔ میرے پیار کی خاطر اُس نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، اپنے والد اصفہانی صاحب کی دولت اور شہرت کو ٹھکرا کر میری ہم سفر بن گئی تھی۔ وہ میرے دُکھ درد کی شریک تھی، میری غمگسار تھی، انکا کے شکنجوں سے نجات دلانے کی خاطر اُس نے بزرگانِ دین کے مزاروں پر جا کر جھولی پھیلانے کی ٹھان لی۔ انکا کو اُس کے ارادوں کی بھنک مل گئی، میں نے انکا کو جوابی انتقامی کارروائی سے باز رکھنے کی خاطر محنت ساجت کی مگر اُس نے سبق دینے کی خاطر مجھے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا۔ نرگس کی عصمت بھی داغدار ہوگئی..... میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔

ماضی کا بھیانک تصور اُبھرا تو میں کسمسانے لگا، میرے اندر چھپے آتش فشاں کا لاوا کھدکھدانے لگا۔ میری داستانِ حیات پڑھنے والے گواہ ہیں کہ میں نے واقعات کو من وعن بیان کرنے میں کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ جو گزری، وہ قلمبند کرتا چلا گیا۔ میرے بھیانک واقعات کا طویل سلسلہ کبھی ڈھکا چھپا نہیں رہا، میں چاہتا تو بہت سے واقعات حذف کر جاتا، کوئی میری ذات کی پرچھائیں کے ساتھ ساتھ نہیں چل رہا تھا، کوئی گواہ نہیں تھا میں کیسے کیسے عجیب وغریب حالات سے دوچار ہوتا رہا، میں نے اپنی زندگی کے کچھ لمحے بڑے عذاب میں گزارے تھے۔ سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرا تھا، ترنبی مجھے ٹھوکریں مارتا، میں اُس کے حکم پر روندے ہوئے خوبصورت جسموں کو ٹھکانے لگانے کا مذموم کام انجام دیتا رہا۔ میں نے کبھی کوئی پہلو چھپانے کی کوشش نہیں کی، کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا، خود کو پھنے خان بنا کر بھی نہیں پیش کیا۔ لیکن میرے اندر آگے بڑھنے کی ایک لگن ضرور موجود تھی۔ میں اپنے اندر شاہین کا دماغ، عقاب کی نظریں، لومڑی کی سی چال اور آدم خور شیر کا عزم اور حوصلہ پیدا کرنے کی تگ و دو میں لگا رہا۔ دشمنوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر زندہ رہنے کی آرزو میرے کمزور وجود میں ایک ننھے پودے کی طرح پروان چڑھتی رہی، مجھے ناکامی نہیں ہوئی، قسمت نے یاوری کی، میں چٹان بن گیا، انکا بھی ششدر رہ گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب انکا پنڈت ہرچرن کے سر پر تھی، وہ اپنے کسی آقا کے حکم کی سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتی تھی، اُس نے مجھے ہرچرن کے آگے جھکنے پر مجبور کیا، میں نے انکار کر دیا۔ وہ تلملانے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکی۔ اُس کی دُور بین نظروں نے میرے اندر چھپے ہوئے

طاقت کے خزانوں کو دیکھ لیا تھا، میں نے غصے میں آ کر پنڈت ہرچرن کو ٹھکانے لگا دیا۔ انکا دوبارہ میرے سر پر بسیرا کرنے واپس لوٹ آئی۔

بڑی طویل کہانی ہے، بڑے المناک اور ناقابل یقین واقعات ہیں۔ انکا سے کئی بار میری رفاقت کا سلسلہ ٹوٹا، کئی بار جڑا۔ وہ میرے سر کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کو آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے متعدد بار سمجھوتا کیا، کئی بار وہ تنگ کر رُوٹھ جاتی، کبھی میں بھڑک کر اُسے نظر انداز کر دیتا، لیکن ان تمام تلخ وشیریں واقعات اور حادثات کے باوجود میں تسلیم کرتا ہوں کہ برسوں پر محیط ہماری طویل رفاقت نے ہمیں ایک دوسرے کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ہمارے وجود گندھ کر رہ گئے تھے، ہم زیادہ دنوں جدا نہیں رہ سکتے تھے.....!

سانپ کے کاٹے کا ملال نہیں ہوتا لیکن کسی اپنے کی ایک بات نشتر بن کر دل میں اُتر جاتی ہے۔ چندرا اور پنڈت نول کشور کے خلاف میرے وجود میں بارود بھرا تھا، انکا نے ایسے میں ماضی کے زخم کریدنے کی غلطی کی تو بارود میں آگ لگ گئی۔ میں اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا، وہ میرے خیالات پڑھ رہی تھی۔ میں نے کچھ کہنا چاہا۔ وہ مجسم التجا بن گئی۔

''تم جو سمجھ رہے ہو میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا، اپنی انکا رانی کو غلط مت سمجھو۔ میں جانتی ہوں کہ تم یہاں سے نکلنے کی سوچ رہے ہو، سادھنا کا ذکر چھیڑ کر میں تمہاری توجہ بٹانا چاہتی تھی۔ زندگی بچانے کی خاطر کبھی کبھی مارفیا کا انجکشن بھی دینا ضروری ہوتا ہے..... میری بات کا یقین کرو جمیل..... میں نے تم سے صرف ایک شکوہ کیا تھا کہ تم نے میری بات ماننی چھوڑ دی ہے، میں پریتم لال مہاراج کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے تمہاری بیتی زندگی پر کوئی نشتر لگانے کی جسارت نہیں کی تھی۔ میں تو تمہیں صرف یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ گرو پرتاپ نے جو کہا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ اکیس روز تمہارے اُوپر بھاری ہیں، مقررہ مدت پوری ہوئے بغیر تمہارا سروجنی کے اپارٹمنٹ سے باہر جانا ٹھیک نہیں ہوگا..... پھر بھی اگر تمہیں میری بات ناگوار گزری ہے تو میں.....''

''مجھے اس وقت تنہا چھوڑ دو.....'' میں نے جھلا کر اُس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

''اس وقت تمہاری وضاحتیں میرے اعصاب کو سکون پہنچانے کی بجائے اور مشتعل کر دیں گی۔ میں سن چکا ہوں کہ پریتم لال نے تمہیں ہر قیمت پر میرا خیال رکھنے پر مامور کیا ہے، لیکن اس معاہدے میں میری کوئی مرضی شامل نہیں تھی۔ گرو پرتاپ نے جو کہا وہ بھی میرے

کان سن چکے ہیں۔لیکن میں اپنے اُوپر کسی کے حکم کا اطلاق ضروری نہیں سمجھتا۔کل کیا ہونے والا ہے تم بھی یقین سے نہیں کہہ سکتیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو،لیکن ہمیں محتاط رہ کر ہی کوئی قدم.....''

''بس کرو انکارانی.....بس کرو۔'' میں نے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں۔''اس وقت تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میری اُنگلی پکڑ کر چلنے پر مجبور نہ کرو۔''

انکا کی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ مجھے یقین آ گیا کہ اُس نے میرے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی، زندگی میں پہلی بار میں نے اُس کی آنکھوں کو برستے دیکھا تھا۔کوئی اور موقع ہوتا تو میں ان آنسوؤں کو پی جاتا، انکا کے احسانات بہرحال بے شمار تھے، میں اُنہیں یکسر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔مگر اس وقت میری ذہنی رو بہک چکی تھی، میں اپنے رویئے میں تبدیلی نہ کر سکا، انکا روتی بسورتی مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں پھر خیالات کے سمندر میں غوطے لگانے لگا۔

انکا ایک ہفتے بعد میرے سر پر آئی تھی، مجھے اُس کا انتظار تھا، مجھے اُس کی ضرورت تھی۔ لیکن ہمارے درمیان پھر دُوری ہو گئی، وہ قصوروار نہیں تھی، میں نے اُس کی بات کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی تھی، ایک ہی جگہ پڑے پڑے انسان اُکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مجھ پر اکیس روز کی پابندی کا ذہنی دباؤ نہ ہوتا تو سروجنی اور سادھنا کی رفاقت میں اکیس مہینے بھی گزارے جا سکتے تھے۔ وہاں مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی، سروجنی پجارنوں کی طرح مجھے دیوتا سمجھ کر خدمت کر رہی تھی۔ میں اُسے کوئی بھی حکم دیتا وہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ انکا کا خیال تھا کہ اُس نے سادھنا کو میرے پاس آنے سے اس لئے روک دیا ہے کہ کہیں میرے اندر کی آگ اُس کی دوشیزگی کو نہ جھلسا دے۔ میرا خیال اس کے برعکس تھا۔ میں سات روز سے سروجنی کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا، میری خاطر اُس نے بھی خود کو اپارٹمنٹ کی چہار دیواریوں میں قید کر رکھا تھا، پہلے وہ ڈال ڈال پات پات اُڑتی پھرتی ہو گی، پنجرے میں بند ہو کر پرندہ بھی پھڑ پھڑانے لگتا ہے، سروجنی بھی تڑپ رہی ہو گی۔ مے خوار کو ایک روز پینے کو نہ ملے تو اُس کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگتے ہیں، سروجنی تو بلا نوش تھی۔ اُس کی اپنی ذات بھی کسی بھری بوتل سے کم نہیں تھی، اُس کا پورا وجود نشہ تھا، وہ سیل بند بھی

نہیں تھی کہ مجھے اُس کے حصول میں دُشواری ہوتی، میں ایک اشارہ کرتا بوتل کی کاک خود بخود کھل جاتی، وہ گھر کی مالکہ تھی، پہلا حق بلاشبہ اُسی کا تھا، بعد میں وہ سادھنا کو بھی خدمت کا موقع دے سکتی تھی، لیکن جب ذہن اُلجھا ہو، گھٹن کی شدت وحشتوں اور جنون کو ہوا دے رہی ہو اُس وقت انسان کو ہری ہری نہیں سوجھتی۔ میں جس خوبصورت پنجرے میں قید تھا وہاں کے دروازے بھی بند نہیں تھے لیکن مجھے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی، اسی احساس نے میرے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا کر دی تھی، صبر کی برداشت نہیں تھی مجھ میں۔ میں ساری پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلنے کی سوچ رہا تھا، میرے دشمن آزاد فضا میں سانس لے رہے تھے، اپنی مرضی سے جی رہے تھے۔ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش دم سادھے ایک گوشے تک محدود رہوں، یہ مجھے منظور نہیں تھا۔

پہلے بھی کئی بار میں نے مصلحتوں کو نظر انداز کیا تھا، دل کے کہنے پر عمل کیا تھا، مجھے اپنی غلطیوں کی پاداش میں اذیتناک حالات سے دوچار ہونا پڑا، میری حماقت سے میرے اپنوں کو بھی نقصان ہوا لیکن مجھے کبھی اس کا ملال نہیں ہوا۔ دو فریق لڑتے ہیں تو فتح صرف ایک کی ہوتی ہے، دوسرے کو جھکنا پڑتا ہے۔ جو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، کسی پناہ گاہ میں چھپ کر بیٹھ جائے اُسے بزدل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے وجود پر کبھی بزدلی کی چھاپ نہیں لگنے دی۔ بدری نرائن جیسا کمینہ خصلت پنڈت بھی میری وحشتوں سے ڈر کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کئی بار اُس نے خود کو کالی کے مندر میں محفوظ کرنا چاہا، انکا نے مجھے مندر میں جانے سے روکا، برے نتائج سے آگاہ کیا، میں نے اُس کی نہیں سنی، دندناتا ہوا مندر میں داخل ہو گیا، پتھر کے بت اور اُن سے منسوب روایتی ہولناک اور پراسرار باتیں میرا راستہ نہیں روک سکیں۔ میں ان فرسودہ باتوں کو فکشن، پراسرار اور خوفناک کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ بدری نرائن سے آخری معرکے کے وقت اگر میری کلدیپ میری مدد کو نہ آجاتی تو میں بدری نرائن کے بعد امر لال کو بھی ڈنکے کی چوٹ پر ضرور للکارتا۔ موت سے ڈر کر بھاگنے والے دانشمند نہیں کہلاتے، خود کو فریب دینے سے موت ٹل نہیں جاتی۔ جو لمحہ، جو وقت، جو جگہ لوحِ محفوظ پر رقم کی جا چکی ہے اُسے دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی نہیں ٹال سکتیں۔ پھر موت سے کیا ڈرنا.....؟

میں ایک مسلمان گھرانے کا چشم و چراغ ہوں۔ مجھے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے

شرم بھی محسوس ہوتی ہے، میں نے کبھی مسجد میں جا کر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ زندگی اُس رب کریم کا گرانقدر عطیہ ہے، میں نے کبھی مالک دو جہاں کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ میں اسے اپنی بدبختی کہوں گا، خودغرضی کا نام دُوں گا، جو بھٹک جائے، گمراہ ہو جائے، سیاہ و سپید کے درمیان امتیاز نہ کر سکے وہ انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں، مسلمان کہلانا تو بڑی بات ہے۔ میں اس نازک فلسفے پر قلم اُٹھانے سے گریز کروں گا، میں کیا ہوں؟ مجھے کیا ہونا چاہئے تھا؟ میں کیا بن گیا؟ میں اس ضمن میں حالات اور تقدیر کے لکھے کی بہانہ بازی کر کے، کوئی عذر لنگ تلاش کر کے، کوئی دقیق فلسفہ تراش کر پہلوتہی کی کوشش نہیں کروں گا..... ''من آنم کہ من دانم'' پر بات ختم ہوئی۔ منطق بگھارنے سے کوئی بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ میں گناہگار ہوں، بھٹکا ہوا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں لیکن ایک بات یہ بھی سچ ہے کہ میں خدا کی ذات سے کبھی منکر نہیں ہوا۔ میں اُس کے اوّل و آخر ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے بھی یقین ہے کہ موت برحق ہے، اس کا ایک وقت معین ہے..... موت سے پردہ پوشی کون کر سکے گا.....؟

گروپرتاپ نے مجھے ہاتھ تھام کر روی شنکر اور اُس کے آدمیوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا، انکا کا مشورہ تھا کہ مجھے اکیس روز تک سروجنی کے اپارٹمنٹ سے باہر قدم نہیں نکالنا چاہئے۔ دُرگا کی آواز کا عتاب میری قوتوں کو مفلوج کر چکا تھا، میں نے متعدد بار ارتکاز اور مراقبے کی مشق کرنے کی کوشش کی، ہر بار مجھے ناکامی کا سامنا ہوا..... دُرگا دیوی کی وجہ سے پریتم لال کی آتما بھی میری مدد سے قاصر تھی۔ انکا بھی براہِ راست میری مدد سے گریز کرنے کی مجبوری کا اظہار کر چکی تھی۔ میرے پاس صرف سیّد مجذوب کی لاٹھی رہ گئی تھی جسے میں نے سینے سے لگا رکھا تھا، میں اس لاٹھی کے کرشموں سے بھی ناواقف تھا۔

سیّد کی لاٹھی کا خیال آیا تو میں نے لپک کر اُسے اپنی گرفت میں لے لیا، اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا.....

سیّد مجذوب سے میری پہلی ملاقات گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی میں ہوئی تھی۔ اس کا سلسلہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ جیسے جلیل القدر بزرگ سے ملتا تھا۔ حضرت گیسو درازؒ کا مزار ہونے کے سبب گلبرگہ کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ لوگ دُور دراز سے جوق در جوق اُن کے مزار پر حاضری دینے آتے تھے جہاں فیض عام کا سلسلہ جاری تھا۔

سیّد کے حوالے سے مجھے شاردا یاد آئی، وہ ایک پنڈت کی لڑکی تھی، میں نے اُسے اغواء کر کے بدری نرائن کو اُس کی کمینگی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔ بعد میں وہ مجھ سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنے گھر جانے سے انکار کر دیا، میں شاردا اور شبن خان کو ناگپور سے لے کر گلبرگہ کی طرف جا رہا تھا جب سیّد ایک اسٹیشن پر ڈبے میں آ گیا۔ میں اُس سے کئی بار متبرک لاٹھی مانگ چکا تھا، ہر بار اُس مردقلندر نے مجھے دھتکار دیا۔ لیکن اُس روز شاردا کے عوض اُس نے وہ لاٹھی مجھے دے دی۔ پریتم لال نے کہا تھا کہ اگر وہ اپنی زندگی کی تمام ریاضتوں اور اپنی کمائی ہوئی ساری قوتوں کے بدلے وہ لاٹھی حاصل کر سکتا تو بھی سودا مہنگا نہ ہوتا۔

میں سیّد مجذوب کے خیال میں گم لاٹھی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا جب مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خوابگاہ میں تنہا نہیں ہوں، کوئی اور بھی ہے۔ مجھے سروجنی کا شبہ ہوا۔ وہ اکثر راتوں میں اُٹھ کر میری خیریت دریافت کرنے آ جاتی تھی۔ میری خوابگاہ میں دو دروازے تھے، ایک باہر لاؤنج میں کھلتا تھا، دوسرا سروجنی کے ڈریسنگ رُوم میں کھلتا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ سروجنی خود اپنے ہاتھ سے بند کر کے دوسرے دروازے سے جاتی تھی۔ یہ اُس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ میں نے نظریں گھما کر اطراف کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ خوابگاہ میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی موجود تھی، میرا خیال انکارانی کی طرف گیا۔ شاید وہ کہیں آس پاس موجود ہو، میرے سر پر آنے سے ہچکچا رہی ہو۔ میرے سر سے اُترتے وقت اُس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ میرا دل پسیجنے لگا۔

''انکارانی.....'' میں نے سرگوشی کی۔ ''جو کچھ ہوا اُسے فراموش کر دو، جہاں محبت شدت اختیار کر جائے وہاں چھوٹی موٹی غلط فہمیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ یہ رنجشیں ایک دوسرے کی چاہت کا ثبوت ہوتی ہیں۔ تم اگر کہیں قریب ہو تو میرے سر پر آ جاؤ۔ میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، مجھے زیادہ دیر کے لئے تنہا مت چھوڑو، تنہائی کا احساس انسان کو ڈسنے لگتا ہے، وہ بھٹک جاتا ہے، میری بات غور سے سن لو، میں یہاں خود کو نظر بند محسوس کر رہا ہوں، اب نکل چلو یہاں سے، جو ہونا ہے اسے میں یا تم کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تم نے کہا تھا کہ گروپرتاپ کو بھی اُس کے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی، وہ بھی ضرور واقف ہوگا کہ دُرگا اُسے میری مدد کرنے کے جرم کی پاداش میں معاف نہیں کرے گی، پھر بھی وہ میری آگ میں کود

پڑا۔ اُس نے دُرگا کا پجاری ہونے کے باوجود اس کی پرواہ نہیں کی، پریتم لال کی دوستی کی خاطر خطروں کے سمندر میں چھلانگ مار دی۔ میں کیوں چوروں کی طرح چھپا بیٹھا رہوں.....؟ میری بات سن رہی ہو؟ سمجھ رہی ہو میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں.....؟''

دوسری سمت سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں تلملا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں پہلے ہی مضطرب ہوں، مجھے اور پریشان مت کرو۔'' میں نے اس بار قدرے اُونچی آواز میں کہا۔ ''میری وحشتوں کا چھپ چھپ کر تماشہ مت دیکھو۔ میرے اعصاب چٹخنے لگے ہیں، سن رہی ہو انکارانی، میں اب زیادہ دنوں برداشت نہیں کرسکتا۔ پریتم لال نے تمہیں ہر قیمت پر میری حفاظت کرنے کی ہدایت کی ہے، تم اس کی پابند ہو۔ لیکن میرے اُوپر ایسی کوئی بندش نہیں ہے، تمہیں پریتم لال کی پراسرار شکتیوں کا واسطہ، اپنے زہریلے پنجوں کو میرے سر میں چبھونے کی کوشش مت کرنا، اگر تم بھی دُرگا کے عتاب سے خوفزدہ ہو تو بے شک مجھ سے دُور رہو۔ لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو، اگر تم نے میرا راستہ روکنے کی غلطی کی تو پھر ہمارے درمیان برسوں کی رفاقت ختم ہو جائے گی۔ مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ میں کئی بار موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کی سوچ چکا ہوں۔ کبھی کلدیپ نے اپنی قسم دے کر میرے پیروں میں زنجیر پہنا دی، کبھی تم نے اپنے پنجوں کی کربناک چبھن سے مجھے گھپ اندھیروں میں دھکیل دیا، کبھی پریتم لال نے درمیان میں آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ لیکن آتش فشاں کے اُبلتے لاوے کو زیادہ عرصہ نہیں روکا جا سکتا، اس پر بند نہیں باندھے جا سکتے۔ میری دیوانگی حد کو پہنچ رہی ہے، تم میرے قدموں میں سادھنا کی دوشیزگی کی بیڑیاں ڈالنے کے خواب دیکھ رہی ہو۔ سروجنی میرے راستے کا پتھر نہیں بن سکتی۔ اگر تم کو آنا ہے تو میرے سر پر واپس آ جاؤ ورنہ آج رشتے کی تمام بندشیں ہمیشہ کے لئے ختم کردو.....''

''کس کو آوازیں دے رہا ہے؟ کیوں ریگستانی اُونٹ کی طرح پانی کے لئے بلبلا رہا ہے.....؟ بھونکنا بند کردے بدبخت.....''

کمرے میں ایک مانوس آواز گونجی۔ میں پاگل ہو گیا۔ میں نے جنونی انداز میں پلٹ کر دیکھا، وہ لاؤنج میں کھلنے والے دروازے سے ٹیک لگائے بڑی بے نیازی سے پاؤں پھیلائے بیٹھا مجھے گھور رہا تھا۔ وہ وہم نہیں ہو سکتا تھا..... میری نظروں نے سیّد مجذوب کو

پہچاننے میں دھوکہ نہیں کھایا تھا.....!

اُس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، کپڑے پھٹے ہوئے اور گرد آلود تھے۔ سر کے بال خودرو جھاڑیوں کی طرح بکھرے بکھرے تھے، انہیں برسوں سے کنگھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے تلووں میں مٹی کی تہیں جمی نظر آ رہی تھیں، ایڑیوں کی دراڑیں بھی بہت واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ جسم کا لباس بھی خستہ تھا جس میں لگے مختلف رنگوں کے پیوند اپنا رنگ پھیکا کر چکے تھے۔ لیکن اُس چہرے پر ایک جلال موجود تھا۔ اُس کی نگاہیں اُجلے، نادر و نایاب ہیروں کی مانند چمک رہی تھیں۔ بظاہر اپنی اُجڑی کیفیت میں بھی وہ بادشاہ لگ رہا تھا، ایک عجیب سی پُروقار بے نیازی سے سرشار نظر آ رہا تھا۔

سیّد مجذوب کو سامنے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنوں میں اُبال آنے لگے، میری پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا، بڑی مدتوں کے بعد اُس کی دید کی لذتوں سے فیض یاب ہوا تھا، اندیشہ تھا کہ کہیں میں آنکھیں بند کروں، وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔

''کتنے میں خریدا یہ عالیشان کابک؟'' سیّد نے دیدے نچا کر خوابگاہ پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ ''بڑے ٹھاٹھ نظر آ رہے ہیں۔''

''پیرومرشد.....'' میں نے ہاتھ جوڑ لئے۔ ''میری رہبری کرو، میں اُلجھ گیا ہوں۔''

''سر پر کنگھی کیا کر، غٹرغوں کی آواز سے پیٹ نہیں بھرتا۔''

''تم میرے محسن ہو سیّد.....'' میں نے بسورتے ہوئے کہا۔ ''میں دُرگا کی قوتوں کے شکنجے میں جکڑ گیا تھا، تم نے ہاتھ تھام کر اُس دلدل سے نہ نکالا ہوتا تو میں.....''

''نکاح پڑھوا رہا ہے؟'' سیّد دیدے نچاتے ہوئے بولا۔ ''ایجاب وقبول کے چکر میں پڑا تو گھن چکر بن جائے گا، نظر لگ جائے گی۔''

''آج مجھے مایوس مت کرنا..... مجھے راستہ نہیں مل رہا، تم میرا ہاتھ تھام لو.....''

''آنکھ مچولی کھیلنا بند کردے، اوندھا ہو جا۔''

''تم نے پھر اشارے کنایوں میں باتیں شروع کر دیں۔'' میں نے گڑگڑا کر کہا۔ ''میرا دم گھٹ رہا ہے سیّد..... میری اُنگلی پکڑ کر کسی راستے پر لگا دو۔''

''آج تیری بلبل نہیں دکھائی دی.....'' سیّد نے معنی خیز انداز میں گردن کو جنبش دی۔ ''ہو گئی پھُر.....''

''وہ بھی اب بات بات پر مجھ سے رُوٹھنے لگی ہے.....'' میں نے شکوہ کیا۔

سیّد نے میرا جواب سن کر قہقہہ لگایا۔ اُس کے قہقہے میں طنز تھا، نفرت تھی، حقارت تھی، وہ دیر تک پیٹ پکڑے قہقہہ لگاتا رہا۔ پھر یکلخت خاموش ہو کر اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے کوئی آہٹ سن رہا ہو۔ پھر ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر بڑی مدھم آواز میں بولا۔

''شش..... شش..... کوئل سو رہی ہے، جاگ گئی تو لٹو گھومنے لگے گا۔ اسی کے قدموں میں پڑا رہ، باقی سب بھول جا.....''

''تمہیں خدا کا واسطہ سیّد، آج مجھے مایوس مت کرنا.....'' میں نے انکساری سے کہا۔

''نقب لگا..... ڈبکی مار دے..... ناک دبی رکھنا'' وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ''کوئی جگنو پکڑ لے، اُس سے آنکھیں لڑایا کر.....''

''میں اس قید سے رہائی کا خواہشمند ہوں۔'' میں نے کھل کر بات کرنی چاہی۔

''رُوئی کو دھنکی لگ جانے دے..... گھانٹھیں کھل جائیں گی۔'' اُس نے بڑی رازداری سے جواب دیا، پھر داڑھی کھجلانے لگا۔

''میں تمہاری باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں، مجھ سے کھل کر بات کرو پیر و مرشد۔'' میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔

''لوٹن کبوتر کی طرح قلابازی کھانی شروع کر دے..... لاٹھی چلانا سیکھ لے۔''

''سیّد.....'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''پریتم لال کہتا تھا کہ تمہاری لاٹھی میں طاقت کے ہزاروں خزانے پوشیدہ ہیں۔ میرے لئے اور کچھ نہیں کر سکتے تو مجھے اس لاٹھی کے تمام رازوں سے ہی آگاہ کر دو۔'' میں نے منت کی۔

''پھر سٹہ کھیلنا شروع کر دیا.....؟'' اُس کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔ ''جواری، شرابی کبابی.....''

''میں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا چراغ گل کر دُوں گا۔'' میں نے اُلجھ کر کہا۔

''دُھواں بن کر اُڑ جائے گا.....'' سیّد نے مجھے چبھتی نظروں سے گھورا۔

''پھر کیا کروں.....؟'' میں جز بز ہونے لگا۔

''اُلٹا کھڑا ہو جا..... ٹھمکے لگانا بند کر دے۔''

''سیّد، تمہیں حضرت گیسو درازؒ کی قسم۔'' میں نے تنگ آ کر کہا۔ ''میری رہنمائی کر دو۔''

جواب میں سیّد کی آنکھوں میں شعلے رقص کرنے لگے، حضرت گیسو درازؒ کا نام سن کر اُس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیل گیا۔ وہ مجھے مایوس کر گیا..... لیکن نہیں۔ اُس نے اپنے ڈھکے چھپے جملوں میں میری رہنمائی کرنے کی کوشش ضرور کی ہو گی، میری بہتری منظور نہ ہوتی تو وہ آنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا؟ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا، شاید اُسے کھل کر کہنے کا اختیار نہیں تھا۔ میں ہی ناسمجھ تھا جو اُس کے رمز و اشاروں کی تہہ تک غوطہ لگانے سے قاصر تھا، اُس کی باتوں کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

میں بڑی دیر تک سیّد کی باتوں پر غور کرتا رہا، میری وحشتیں جنون کی سرحدوں کو چھونے لگیں۔ میں نے سروجنی کے اپارٹمنٹ سے جانے کی ٹھان لی۔ سروجنی والے دروازے پر دستک دینا بیکار تھا۔ وہ میرے راستے کی دیوار بن جاتی۔ میں کچھ سوچ کر آگے بڑھا، لاؤنج والے دروازے کی کنڈی کھول کر باہر آ گیا۔ سیّد کی لاٹھی میرے ساتھ تھی۔ میں باہر جانے والے راستے کی سمت قدم اُٹھانے لگا..... مجھے معلوم تھا کہ باہر کی کھلی فضا میرے لئے کس قدر زہر آلود تھی، پولیس کے شکاری کتے گلی کوچوں میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ وہ کہیں نہ کہیں، کسی گلی میں، کسی کوچے میں، کسی بازار میں مجھے ضرور دبوچ لیتے، مجھے پھر اذیتوں سے گزرنا پڑتا۔ اُن کے پاس بظاہر میرے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ مجھے آزاد فضا میں سانس لینے کی اجازت کبھی نہ دیتے۔ انکا نے بھی کہا تھا کہ میں باہر قدم نکالنے سے گریز کروں۔ اُس نے بتایا تھا کہ روی شنکر نے وقتی طور پر اپنی کچھ نجی کمزوریوں کے سبب مرلی کی بات مان لی تھی، لیکن وہ بھی کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ میں مرلی کے گھر سے باہر کہیں پکڑا جاتا تو روی شنکر کہہ سکتا تھا کہ اس نے صرف مرلی کے اپارٹمنٹ کی حدود تک چشم پوشی کی ضمانت دی تھی۔ میں بھی حالات کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ گرو پرتاپ کوئی چھوٹا موٹا پنڈت نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ دُرگا کی آواز کو نظر انداز کرنے کی جسارت کبھی نہ کرتا، انکا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ گرو پرتاپ کو بھی اس کی نافرمانی کی سزا ضرور ملے گی۔

پولیس کمشنر اور بڑے پنڈتوں نے دُرگا کے پجاریوں کو نہ سمجھا ہوتا تو شاید ابھی تک وہ بمبئی کی شاہراہوں پر دھرنا جمائے بیٹھے ہوتے۔ کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کی اوپر

تلے موت کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔ اخباروں نے ہم
ضرور بڑے بڑے اداریئے تحریر کئے ہوں گے، پولیس اور قانون کی ناکامی کی دھجیاں بکھیر
ہوں گی، ابھی تک میری گرفتاری کے مطالبے پر زور دیا جا رہا ہوگا۔ حکومت کی جانب سے
وضاحتی بیانات بھی شائع ہو رہے ہوں گے، انکا کی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ روی شنکر اگ
موقع کی تلاش میں تھا تو اُس نے اپنے اعتماد کے آدمیوں کو چوپاٹی کے ایک ایک چپے
نگرانی پر مامور کر رکھا ہوگا۔ عین ممکن تھا کہ میں عمارت سے باہر قدم نکالتے ہی دھر لیا جاتا
میری گرفتاری کے بعد سروجنی بھی سوائے پھڑ پھڑانے کے اور کیا کر سکتی تھی۔ بات کسی ایک
آدمی کی ہوتی تو شاید اُس کے گداز بدن کے نشیب و فراز میری سفارش کے کام آ جا
لیکن وہ جمیل احمد خان کے سلسلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ہندوستان کے تما
پنڈت پجاریوں کو جمیل احمد خان کی تلاش تھی، وہ ایک عرصے سے میری گھات لگائے بیٹھ
تھے۔ پنڈت نول کشور ہردوار میں بیٹھا اپنے چیلوں کے ذہنوں میں میرے خلاف زہر بھر
تھا۔ بدری نرائن اور امر لال کی موت کا فسانہ ابھی تک اُن کے خیالوں میں گونج رہا ہوگا
چندرا نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ مجھ سے اپنے باپ کا انتقام نہیں لے گا کسی صنف
نازک کے بدن کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ بدری نرائن کے واقف کاروں نے بھی اُس کی چتا کی
راکھ ایک لٹیا میں محفوظ کر رکھی تھی۔ اُنہوں نے بھی کالی کے مندروں میں بیٹھ کر دیوی
دیوتاؤں کو وچن دیا تھا کہ میرا جنازہ قبر میں اُتارنے کے بعد ہی بدری نرائن کی راکھ کی
آخری رسومات کی ادائیگی کے فرض سے سبکدوش ہوں گے۔

سروجنی، انکارانی کے زیر اثر تھی۔ اُسی کی فراہم کردہ معلومات کی وجہ سے میں نے مر
کو بے دام غلام بنا لیا تھا۔ ورنہ بات کب کی بگڑ چکی ہوتی۔

میں بچہ نہیں تھا کہ وقت کی نزاکت اور حالات کی سنگینی کو نہ سمجھ پاتا۔ لیکن مقدر کے لکھے
کو مٹانا بھی میرے اختیار میں نہیں تھا، میں تمام مصلحتوں سے واقف تھا لیکن کسی اندرو
وحشت نے مجھے بیٹھے بٹھائے ورغلا دیا تھا..... یہ وحشتیں، جنون کی یہ باتیں نہ ہوتیں تو یہ
چوڑی کہانیاں اور افسانوی سلسلے کبھی جنم نہ لیتے، بات ایک لائن میں ختم ہو جاتی..... ''ایک
تھا راجہ، ایک تھی رانی، دونوں مر گئے ختم کہانی''..... آگے تمام شد لکھ دیا جاتا۔ کیا ضرورت
تھی یہ بتانے کی کہ راجہ کون تھا؟ کہاں پلا بڑھا تھا؟ کیسے پروان چڑھا تھا؟ راج گدی تک

پہنچنے کی خاطر اُسے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے تھے؟ رانی کس ماحول کی پروردہ تھی؟ راجہ کے دل
میں اُترنے کی خاطر کن حالات اور واقعات نے اُس کی قسمت کی یاوری کی تھی؟ دونوں کی
شادی کے سلسلے میں کیا کیا پیچیدگیاں اور دُشواریاں پیش آئی تھیں؟ پھر راجہ کا من موہ لینے
کے بعد رانی نے سارے راج پاٹ اور سنگھاسن پر کس طرح قبضہ جمایا تھا.....؟ وہ نور جہاں
کس طرح بن گئی.....؟ اکبر نے راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے کی خاطر جودھا بائی سے
شادی کر لی لیکن جہانگیر کی محبت پر پہرے بٹھا دیئے گئے، انارکلی کو دیوار میں کیوں چنوا دیا
گیا تھا؟ کوئی نہ کوئی راز تو ہوگا؟ وہ راز کھل جاتا تو ایک اور کہانی وجود میں آ جاتی، یہ سلسلہ
کبھی ختم نہ ہوتا، بات سے بات نکلتی رہتی، فسانوں میں جوڑ و پیوند لگتے چلے جاتے۔ لیکن
جب قدرت کا اشارہ ہو جاتا تو تمام ادیبوں اور مصنفوں کے قلم رُک جاتے، سارے کلی
پھندنوں کا ذخیرہ ختم ہو جاتا..... تر کی تمام ہو جاتی.....!!

میرے سلسلے میں بھی مقدر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ میں اس اشارے کو کس طرح ٹال سکتا
تھا.....؟

میں سینہ تانے قدم بڑھاتا اپارٹمنٹ کے خارجی دروازے پر پہنچا تو مضبوط اور مقفل
دروازے نے مزاحمت کی کوشش کی۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو دروازے پر ٹکا کر آہستہ سے
دباؤ ڈالا تو دروازہ اپنی جگہ سے ہل گیا، قفل ایک کھٹکے کی آواز سے کھل گیا۔ میں نے دروازہ
کھول کر باہر قدم نکالنے کی کوشش کی۔

''ہینڈز اپ.....'' کسی نے پشت سے للکارا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا، مرلی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس ریوالور تانے کھڑا تھا۔ شاید
دروازے کی چرچراہٹ اور قفل کے کھٹکے کی آواز نے اُسے بیدار کر دیا تھا۔ مجھے پہچان کر
اُس نے ریوالور نیچا کر لیا، تیزی سے میرے قریب آ کر حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''مہاراج..... تم اس سمے کہاں جا رہے ہو.....؟''

''مرلی.....'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میں نے تم سے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ
مجھے جیل پہنچا دو۔ تم نہیں سمجھ سکو گے، لیکن میں جانتا ہوں اب تمہارا اپارٹمنٹ بھی میرے
لئے محفوظ نہیں رہا، گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے، میں ایسا نہیں چاہتا۔''

''مجھے بتاؤ مہاراج، تم کو کس بات کا خطرہ ہے.....؟''

''وقت مت ضائع کرو، میری بات مان لو۔ اسی میں سب کی بھلائی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن سروجنی.....''

''میں اُسے بعد میں سمجھا لوں گا..... جلدی کرو، میرے پاس سمے کم ہے۔''

''ایک منٹ ٹھہرو مہاراج، میں لباس بدل لوں۔'' مرلی نے درخواست کی۔ لیکن
نے اُسے منع کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ لباس بعد میں تبدیل کرے گا، پہلے سروجنی کو بیدا
کے میرے جانے کی اطلاع دے گا۔ سروجنی کے علاوہ انکا کو بھی میرے جانے کی بھنک
جاتی تو بات بگڑ جاتی۔ وہ میرے سر پر آ کر اپنے پنجوں کے نشتر لگاتی، میں پھر سے بے
ہو جاتا۔

''لباس کی فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''تم اسی لباس میں باہر کا راؤنڈ لینے نکلے
اتفاق سے تم نے مجھے مشتبہ حالت میں دیکھ کر پیچھا کیا۔ میں نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن
کامیاب نہ ہو سکا۔ سمجھ رہے ہو میری بات؟ یہ کہانی زیادہ موثر ثابت ہو گی..... جلدی کرو
مرلی ہچکچا رہا تھا۔ پھر اُس کی نظریں دروازے کی ہلی ہوئی چولوں پر پڑیں تو اُس
آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تم سامنے نہ آ جاتے تو میں پورا دروازہ اُکھاڑ کر ایک طرف رکھ دیتا۔'' میں جھلا
بولا۔ ''میری بات مان لو ورنہ وقت گزرنے کے بعد ایک بھاگے ہوئے مجرم کو
اپارٹمنٹ میں پناہ دینے کے جرم میں تمہاری وردی بھی اُتر جائے گی۔''

مرلی نے بالآخر میری بات مان لی۔ میں نے اُسے خوابگاہ میں جانے کا موقع نہیں
وہ بھی دروازے کا انجام دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا، اسی لباس میں میرے ساتھ نیچے آ
گیراج سے گاڑی نکالی، مجھے لے کر تھانے کی سمت روانہ ہو گیا۔ لیکن اُس کے چہرے
ابھی تک اُلجھن اور پریشانی کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ اُسے مجھ سے زیادہ سروجنی کا
لاحق تھا۔

''ایک بات کا دھیان رکھنا۔'' میں نے اُسے یاد دلایا۔ ''میری لاٹھی مجھ سے
جائے، تم کوئی بھی بہانہ کر سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ماتحت تمہارا حکم ماننے سے
نہیں کرے گا۔''

''حالات بدل چکے ہیں مہاراج.....'' مرلی نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''ماتحت سا

ہوتے ہیں تو دُم ہلاتے رہتے ہیں، اکیلے میں افسروں کی ماں بہن ایک کرنے سے بھی
دریغ نہیں کرتے.....''

''انہیں کسی طرح سمجھا دینا۔'' میں نے دوبارہ زور دے کر کہا۔ ''لاٹھی مجھ سے لے لی
گئی تو میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔''

''اس لاٹھی میں ایسی کیا بات ہے؟'' اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''واپسی میں ایک بار پھر اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے کو غور سے دیکھنا۔'' میں نے
سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہیں خود ہی اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔''

رات سنسان اور ویران تھی، سڑکوں پر برائے نام گاڑیاں نظر آ رہی تھیں، پولیس کی ایک
سائرن کا رڈور سے شور مچاتی ہماری جانب لپکی لیکن قریب آ کر اُنہوں نے مرلی کی گاڑی
شناخت کی تو خاموشی سے آگے نکل گئی۔

''دیکھ رہے ہو مرلی؟'' میں سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''ایک ہفتہ گزر گیا، لیکن ابھی میری
تلاش جاری ہے۔''

''ہو سکتا ہے تمہارا اندازہ درست ہو۔ لیکن رات کے وقت جرائم پیشہ افراد کی وجہ سے
پولیس زیادہ چوکس رہتی ہے، آج کل دہشت گردی کی وارداتوں میں بھی اضافہ ہونے لگا
ہے۔''

''روی شنکر سے بگاڑ مت کرنا۔ لیکن اُسے اپنے من کے کسی بھید سے بھی آگاہ مت
کرنا۔'' میں نے اُس کی بات نظر انداز کر کے کہا تو وہ چونکا۔

''میں سمجھا نہیں مہاراج.....؟''

''وہ اوپر سے جتنا شانت نظر آتا ہے، اندر سے اتنا ہی کھوٹا بھی ہے۔'' میں نے معنی خیز
لہجے میں کہا۔ ''میں دیکھ چکا ہوں کہ اُس کے سادہ لباس والے روز بروز اپنا گھیرا تنگ کر
رہے تھے، کسی نہ کسی بہانے اُس کے آدمی تمہارے گھر میں آ جاتے۔ میں تمہارے اپارٹمنٹ
میں گرفتار ہوتا تو تم بھی لپیٹ میں آ جاتے۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔''

تھانہ قریب آنے لگا تو مرلی نے میری ہدایت پر میرے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے
باندھ دیئے۔ ایسا کرتے ہوئے اُس کی حالت قابل دید تھی۔ میں اُس کے دل کی کیفیت
سمجھ رہا تھا۔

''میری کوئی چنتا مت کرنا بالک.....'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''میں دو ہفتے سے زیادہ پولیس کا مہمان نہیں رہوں گا، ابھی ستارے گردش میں ہیں، لیکن سمے گزرتے دیر بھی نہیں لگتی۔''

مرلی اثبات میں گردن ہلاتا رہا، تھانے کے دروازے پر کھڑے سپاہی نے جھپٹ کر پھاٹک کھول دیا۔ مرلی ڈریسنگ گاؤں میں نیچے اُترا تو کئی سپاہی موقع کی نزاکت بھانپ کر اندر کی طرف بھاگے، تھانے کا انچارج انسپکٹر بلبیر وردی ٹھیک کرتا ہوا باہر آ گیا۔ اُسے شاید سوتے سے بیدار کیا گیا تھا، نیند کا خمار ابھی تک اُس کی نظروں سے جھانک رہا تھا۔ مرلی کے قریب آ کر اُس نے بڑا زوردار سلیوٹ مارا، پھر حیرت سے بولا۔

''سر.....آپ اس سمے.....اس لباس میں.....؟''

میں ابھی تک گاڑی میں بیٹھا تھا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میری گود میں پڑی تھی۔ مرلی بلبیر سے کچھ کہا تو وہ اُچھل پڑا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا، پل بھر میں مسلح سپاہیوں نے گاڑی کو گھیرے میں لے لیا۔ مرلی، بلبیر کو دکھانے کی خاطر سینہ تان کر آگے بڑھا، گاڑی کا دروازہ کھول کر اُس نے مجھے نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ اُس کی کیفیت بتا رہی تھی کہ اس وقت وہ بڑے مشکل مراحل طے کر رہا تھا۔ میں آہستہ سے نیچے اُترا اور دانستہ طور پر لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ سیّد کی لاٹھی گود سے پھسل کر زمین پر جا گری۔

''خبردار.....'' بلبیر نے اپنا سروس ریوالور مجھ پر تان لیا۔ ''اگر چالاکی دکھانے کی حماقت کی تو پورا شریر چھلنی کر دُوں گا۔''

''جب میں نے اسے للکارا تو یہ بھاگا تھا، لیکن پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے لنگڑا رہا ہے، اسی لئے مجھے زیادہ دُشواری نہیں ہوئی۔'' مرلی نے میرے لڑکھڑانے کا مقصد سمجھ کر کہا۔ ''لاٹھی شاید اس نے.....''

''یو ڈونٹ وری سر.....'' بلبیر درمیان میں بول پڑا۔ ''میں اس کو اسی لاٹھی کا ایسا جلاب دُوں گا کہ سارا کھایا پیا اُگل دے گا۔''

جواب میں مرلی نے مسلح سپاہیوں کو میری طرف سے ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا، پھر بلبیر کو ساتھ لے کر تھوڑے فاصلے پر چلا گیا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ بلبیر ایک سخت گیر طبیعت کا خبیث پولیس آفیسر ہے۔ مرلی شاید اُسے میرے سلسلے میں

سمجھانے کی خاطر ایک طرف لے گیا تھا۔ میں پولیس کے درمیان گھرا خاموش کھڑا رہا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مرلی اور بلبیر دونوں بات کرتے ہوئے میرے قریب آ گئے۔ بلبیر مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میری ایک بات دھیان سے سن لو جمیل احمد خان.....'' مرلی نے مجھے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ ''جب تک تمہیں جیل کسٹڈی میں نہ دیا جائے زیادہ اُچھل کود دکھانے کی حماقت نہ کرنا۔ میں نے انسپکٹر بلبیر کو تمہارے بارے میں ضروری ہدایت کر دی ہے۔ تم نے بہتر چالاک بننے کی غلطی کی تو ہم تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنانے میں دیر نہیں لگائیں گے..... سمجھ رہے ہو میری بات.....؟''

میں نے جواب میں ہونٹ چبانا شروع کر دیئے۔ مرلی زیادہ دیر نہیں رُکا، اُس کے جانے کے بعد پولیس کے ارکان بلبیر کے اشارے پر مجھے گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے۔ مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل کر قفل لگا دیا گیا۔ دو رائفل بردار پوزیشن لے کر کھڑے ہو گئے۔ بلبیر، سیّد کی لاٹھی ہاتھ میں لئے اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، پھر بڑی حقارت سے بولا۔

''مرلی کہہ رہا تھا کہ میں یہ لاٹھی تیرے پاس رہنے دُوں۔ کیا کرے گا اس لاٹھی سے؟''

''میرے گھٹنوں میں تکلیف ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ ''یہ لاٹھی میری ضرورت ہے۔''

''فکر مت کر.....ہم تیری ساری ضرورتیں پوری کر دیں گے، لیکن ایک شرط پر۔'' بلبیر کی خوفناک نظروں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ ''تو ہمیں سب کچھ بتا دے.....سو فیصدی سچ سچ.....ہچر مچر کرے گا تو یہی لاٹھی.....'' وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر بیہودہ اشارے کرنے لگا۔ اُس کے تیور خطرناک تھے، مرلی نے یقیناً اُس سے میرے سلسلے میں نرم رویہ اختیار کرنے کی بات کی ہوگی، اُسے کسی طرح رضامند کر لیا ہوگا کہ سیّد کی لاٹھی کو میرے پاس رہنے دیا جائے۔ لیکن مرلی کے جاتے ہی بلبیر نے اپنا اصلی رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، خاموش کھڑا بلبیر کو نگاہوں نگاہوں میں تولتا رہا۔

''کیا دیکھ رہا ہے؟'' اُس نے بڑے بازاری انداز میں پوچھا۔ ''کیا پہلے اپنے باپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا؟''

''تم.....'' میں نے برداشت کا مظاہرہ کیا۔ ''تم مجھ سے کیا اُگلوانا چاہتے ہو.....؟''

''پنڈت کالی داس کیسے مرا تھا.....؟''

''مجھے نہیں معلوم.....'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''پنڈت اوم پرکاش کا نام سنا ہے کبھی.....؟''

''نہیں.....'' میں بولا۔ ''میں مسلمان ہوں، پنڈت پجاریوں سے میرا کیا لین دین؟''

''ایک ہفتے سے کہاں چھپا بیٹھا تھا.....؟'' بلبیر نے پھنکارتے ہوئے دریافت کیا

''بمبئی کی ساری پولیس مل کر بھی تجھے نہیں تلاش کر سکی اور ڈپٹی مرلی نے تجھے چوہے کی طرح پکڑ لیا..... اصل چکر کیا ہے؟ سیدھی طرح اُگل دے ورنہ تیری کھاٹ کھڑی کر دُوں گا۔ صبح تک تیرا حلیہ اتنا بگڑ چکا ہوگا کہ مرلی بھی نہ پہچان سکے گا۔''

''مجھے ایک سادہ کاغذ اور قلم لا دو.....'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں دستخط کے ساتھ ساتھ انگوٹھا بھی لگا دُوں گا، تم جو چاہے لکھ لینا.....''

بلبیر اس طرح بھڑک اُٹھا جیسے پٹرول کے کنوئیں میں کسی نے جلتی ہوئی تیلی اُچھال دی ہو۔

''بھڑوے..... حرامی..... سور کی اولاد.....'' وہ حلق کے بل چلایا۔ ''انسپکٹر بلبیر کا مذاق اُڑانے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''آپ اپنی زبان کیوں خراب کرتے ہو صاحب؟'' ایک ہٹے کٹے سنتری نے بلبیر سے کہا۔ ''مجھے ایک موقع دو، میں ابھی اس مُسلے کو ٹھونک بجا کر لکڑی کی طرح سیدھا کر دُوں گا، اس کی زبان فرفر چلنے لگے گی..... یہ کیکر کے بیج آسانی سے زبان نہیں کھولتے.....''

بلبیر نے کوئی جواب نہیں دیا، غضبناک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔

''میں تجھے دو منٹ کی مہلت دیتا ہوں..... سچ سچ بتا دے کہ تیری اور ڈپٹی مرلی کی سانٹھ گانٹھ ہے؟''

''تم بار بار کس ڈپٹی کی بات کر رہے ہو.....؟'' میں نے انجان بننے کی کوشش کی

''میں مرلی کا نام تمہاری زبان سے پہلی بار سن رہا ہوں۔''

بلبیر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔

''نرائن..... پرشوتم..... جوکھیا..... شیکھر، تم چاروں مل کر اس حرامی کی دھنائی شروع کر دو۔'' اُس نے اپنے اِردگرد موجود سپاہیوں میں سے چار کا انتخاب کیا۔ ''اتنا مارو سالے کو

نٹی نکل پڑے کنجر کے اولاد کی.....''

بلبیر، سیّد کی لاٹھی ہاتھ میں لئے کھڑا غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ اُس کے حکم کی پیروی میں لاک اپ کا قفل کھول دیا گیا۔ چار سپاہی اندر گھس کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، انہوں نے مجھے زمین پر گرانے میں دیر نہیں لگائی، میں نے مزاحمت کی کوشش نہیں کی، البتہ سر بچانے کی خاطر دونوں ہاتھ چلانے لگا۔ وہ میرے جسم پر جوتوں سے ٹھوکریں مار رہے تھے، سب تجربہ کار تھے، انسان کی ایک ایک رگ، ایک ایک جوڑ سے واقفیت رکھتے تھے۔ میں زمین پر پڑا بلبلاتا رہا۔ پچھاڑیں کھاتا رہا، بلبیر دُور کھڑا مجھے مغلظات اور فحش گالیوں سے نوازتا رہا۔ میری حالت غیر ہونے لگی۔ ایک سپاہی کی ٹھوکر میرے بائیں ہاتھ کی کہنی پر لگی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پریتم لال کی پراسرار شکتی سے جڑا ہوا مصنوعی ہاتھ پھر ٹوٹ گیا، میری چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ چاروں سپاہی مشینی انداز میں مجھے لاتوں اور گھونسوں سے نواز رہے تھے..... میں ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپ رہا تھا۔

''شیکھر.....'' بلبیر نے چیخ کر اُس ہٹے کٹے سپاہی کو مخاطب کیا جس نے میری کہنی پر شدید ضرب لگائی تھی۔ ''بہت آوازیں نکال رہا ہے یہ مُسلا..... اس حرامی کے منہ پر پیشاب کر دے، پھر بھی آواز نکالے تو گلا دبا دینا..... مر جائے تو اس کی لاش اُٹھا کر ڈپٹی کے اپارٹمنٹ کے باہر چھوڑ آنا۔ اُس ماں کے خصم نے بھی میرا حق مار کر ترقی حاصل کی تھی۔''

بلبیر نے غصے کے عالم میں مرلی کے ساتھ ساتھ سروجنی کی آوارگی کے قصے بھی بڑے فحش انداز میں سنانے شروع کر دیئے۔ سپاہی اُس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے جب فون کی گھنٹی بجی۔ بلبیر نے پلٹ کر میز پر رکھے فون سیٹ کی جانب دیکھا، پھر ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا تو ایک سپاہی نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر اتنی شدت سے دبایا کہ آواز کے ساتھ ساتھ میرا دم بھی گھٹنے لگا۔ بلبیر نے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا، اُس نے بڑی دبنگ آواز میں ''ہیلو'' کہا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتے ہی ہکلانے لگا۔

''جی..... یس سر..... میں انسپکٹر بلبیر بول رہا ہوں..... جی سر..... جی سر..... آپ کی انفارمیشن ٹھیک ہے سر..... جی سر..... میں سن رہا ہوں..... جی سر..... او کے سر، میں حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگاؤں گا..... مم، میں سمجھ رہا ہوں سر..... کسی کو کان و کان خبر نہیں ہوگی..... رائٹ..... رائٹ سر.....''

ریسیور رکھ کر وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا لاک اپ کے قریب آیا۔ شیکھر بدستور میرے منہ پر پورا زور دیئے چڑھا بیٹھا تھا۔

''شیکھر.....'' اُس نے سرد لہجے میں حکم دیا۔ ''اس حرامی کو زیور پہنا کر میری پرائیویٹ کار میں لے جا کر بٹھا دے۔ سالے کا تھوڑا سا میک اپ بھی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ اس کی بہن کے سسرال سے بلاوا آیا ہے.....''

وقتی طور پر مجھے بے رحم جلادوں سے نجات مل گئی، مجھے ہتھکڑی پہنا کر لاک اپ سے نکالا گیا۔ چار سنگین بردار مسلح سپاہی میرے اِردگرد پوری طرح چوکس نظر آ رہے تھے۔ مجھے تھانے کے عقبی حصے میں کھڑی ایک کار میں پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ شیکھر نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر مجھ پر ریوالور تان لیا۔ وہ مجھے کہیں اور لے جا رہے تھے۔ کہاں.....؟ مجھے علم نہیں تھا۔ دو منٹ بعد بلبیر نے آ کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا.....!

شیکھر شاید بلبیر کے اعتماد کا آدمی تھا، اس کے سوا کسی اور کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ممکن ہے مسلح سپاہی کسی اور گاڑی میں بیٹھے ساتھ ساتھ چل رہے ہوں، مجھے اس کا بھی علم نہیں تھا۔ میرے ذہن میں بلبیر کی غلیظ گالیاں گونج رہی تھیں۔ مجھے انکارانی بڑی شدت سے یاد آ رہی تھی۔ وہ میرے سر پر ہوتی تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔ وہ بھی دُرگا کی آواز کی وجہ سے اکیس روز تک براہِ راست میری مدد نہیں کر سکتی تھی، لیکن دوسروں کو تگنی کا ناچ ضرور نچا سکتی تھی۔ میں نے اُسے سروجنی کے گھر سے رخصت ہونے کی اطلاع بھی نہیں دی، وہ اس وقت سروجنی کے بالوں کی سیج پر لیٹی خراٹے لے رہی ہوگی اور میں جلد بازی میں اُٹھائے ہوئے قدم کی سزا بھگت رہا تھا۔ دُرگا کے عتاب سے رہائی میں ابھی دو ہفتے باقی تھے۔ میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ بلبیر کا حساب چکتا کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لوں گا۔

گاڑی کا سفر بیس منٹ تک جاری رہا۔ راستے میں بلبیر اور شیکھر کے درمیان مختصر سے دو ایک جملوں کا تبادلہ ہوا۔ بلبیر نے اُس سے کہا تھا کہ وہ اُس کے اعتماد کو کبھی دھوکہ دینے کی غلطی نہ کرے، جواب میں شیکھر نے اُسے یقین دلایا کہ وہ مرتے دم تک اُس کا وفادار رہے گا، گردن کٹوا دے گا لیکن زبان نہیں کھولے گا۔

بیس منٹ بعد گاڑی روک دی گئی، شیکھر نے پچھلا دروازہ کھول کر مجھے باہر نکالا، وہ

ایک پرانے طرز کی دو منزلہ عمارت تھی، میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ جان سکا۔ شیکھر نے ایک کریمی نظروں پر پٹی باندھ دی۔ میرے بائیں ہاتھ کی کہنی میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ شیکھر نے اُسی بازو کو تھام کر مجھے دھکا دے کر آگے بڑھایا۔ میں نے کئی جگہ ٹھوکریں کھائیں، گرتے گرتے بچا۔ اس کیفیت میں بھی میں لنگڑا لنگڑا کر چلتا رہا۔ میں اُنہیں باور کرانا چاہتا تھا کہ مرلی نے لاٹھی کی ضرورت کو میرے لنگڑے پن سے غلط منسوب نہیں کیا تھا۔

کئی موڑ درمیان میں آئے، مجھے سیڑھیاں بھی طے کرنی پڑیں۔ میری سیدھی کہنی کئی جگہ چکنی دیوار اور لکڑی کے دروازوں سے بھی ٹکرائی۔ پھر ایک جگہ مجھے روک دیا گیا، ہاتھوں کو پشت پر کر کے مجھے ہتھکڑیاں پہنائی گئی تھیں اس لئے مجھے زیادہ اُلجھن ہو رہی تھی۔

''تم اب باہر جا کر گاڑی میں میرا انتظار کرو۔'' بلبیر کی مدھم آواز اُبھری۔ ''ایک بار پھر تنبیہ کر رہا ہوں کہ اپنی زبان بند ہی رکھنا۔''

قدموں کی آواز اُبھر کر دُور ہوتی چلی گئی۔ شیکھر نے شاید اشارے میں جواب دیا تھا، مجھے اُس کی آواز نہیں سنائی دی۔

''جمیل احمد خان.....'' ایک لمحہ بعد بلبیر نے میرا بازو تھام کر سرد لہجے میں کہا۔ ''تمہاری زندگی کے آخری لمحے قریب آ رہے ہیں۔ تم چاہو تو اپنی زبان سے سچ اُگل کر بچ بھی سکتے ہو.....''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، بلبیر نے بھی دوبارہ کوئی بات نہیں کی، میرا ہاتھ تھامے خاموش کھڑا رہا۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چاروں طرف روشنیاں پھیل گئی ہوں۔ میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا، بلبیر نے دوسرے ہاتھ سے میری آنکھوں کی پٹی ایک جھٹکے سے ہٹا دی تھی۔

میں ایک مختصر سے کمرے میں کھڑا تھا جہاں ایک کرسی کے علاوہ فرنیچر نام کی کوئی دوسری شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ پہلی نظر میں مجھے وہ کمرہ کوئی ٹارچر سیل ہی محسوس ہوا جسے خطرناک مجرموں کی زبان کھلوانے کی خاطر کام میں لایا جاتا ہوگا۔ میں ابھی ماحول کا جائزہ لے رہا تھا کہ سامنے کا بند دروازہ کھلا اور میں حیرت بھری نظروں سے اُس شخص کو دیکھنے لگا جو شب خوابی کے لباس کے اُوپر ایک قیمتی گاؤن پہنے میرے سامنے کھڑا تھا..... وہ ڈی آئی جی روی

شنکر کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

بلبیر نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا، اٹینشن پوزیشن میں آ کر زوردار سیلوٹ کیا، پھر اشارہ پا کر اسی برق رفتاری سے اباؤٹ ٹرن ہوا اور لفٹ رائٹ کرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ کمرے میں روی شنکر اور میں رہ گئے، کچھ دیر تک اُس کی عقابی نظریں میرے چہرے پر منڈلاتی رہیں، پھر اُس نے بڑے سلجھے ہوئے لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''تمہاری گرفتاری کس طرح عمل میں آئی.....؟''

''مجرم اور قانون کی آنکھ مچولی کا سلسلہ ازل سے قائم ہے، ابد تک یوں ہی چلتا رہے گا۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''کبھی مجرم قانون کی نظروں میں دُھول جھونک کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، کبھی قانون حاوی ہو کر مجرم کی گردن دبوچ لیتا ہے۔ آج قانون کی خوش قسمتی اور میری بدنصیبی کا دن تھا۔ میں فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا، تمہارے ایک آفیسر نے ریوالور تان کر گرفتار کر لیا۔''

''تم شاید مرلی کی بات کر رہے ہو.....؟'' ڈی آئی جی نے نفسیاتی انداز میں میری زبان کھلوانی چاہی، میں اُس کی ریاکاری تاڑ گیا۔ انکارانی بتا چکی تھی کہ روی شنکر نے مصلحتاً آنکھیں بند کر لی تھیں، وہ کسی موقع کی تلاش میں تھا۔

''میں اس.....نام سے واقف نہیں ہوں۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''مجھے اپنا دشمن مت سمجھو۔'' اُس نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔ ''دشمن ہوتا تو ملاقات کے لئے تم کو اپنے دفتر بھی طلب کر سکتا تھا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، روی شنکر کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔

''انسپکٹر بلبیر نے تمہارے ساتھ غالباً کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔'' اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''جرم ثابت ہوئے بغیر کسی مشتبہ یا مشکوک آدمی پر تشدد کرنا پولیس کے ضابطہ اختیار میں نہیں آتا۔''

''مسٹر روی شنکر.....'' میں نے زہرخند سے پوچھا۔ ''تم کو میری گرفتاری کی اطلاع کیسے مل گئی؟''

''میں ڈی آئی جی ہوں.....'' اُس نے پینترا بدل کر جواب دیا۔ ''ہمارے اپنے بھی کچھ ذرائع ہوتے ہیں۔''

''مجھے اس وقت یہاں کس مقصد سے بلایا گیا ہے.....؟''

''تم جانتے ہو کہ پنڈت کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کے قتل نے پنڈت پجاریوں کو آپے سے باہر کر دیا ہے۔ اگر پولیس کمشنر اور.....''

''میں کسی پنڈت اور پجاری کو نہیں جانتا۔'' میں نے اُس کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔

''ہو سکتا ہے تم درست کہہ رہے ہو۔ لیکن پولیس کو بہرحال تمہاری ذات پر شبہ ہے۔''

روی شنکر کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ اُبھری، دبی زبان میں بولا۔ ''ابھی تم اعتراف کر چکے ہو کہ تمہیں فرار ہوتے ہوئے کسی نے گرفتار کیا تھا.....''

''اب اگر میں یہ کہہ دُوں کہ میں بے گناہ ہوں، پولیس بلاوجہ مجھے پریشان کر رہی ہے، تو کیا تم یقین کر لو گے؟'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''تم مجھے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ اور مہذب شخص معلوم ہوتے ہو۔ پھر تم نے جرم کا راستہ کیوں اختیار کیا.....؟'' اُس کے تیور میں نمایاں تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔

''میں کھل کر ایک بات کہوں.....سنو گے؟''

''کہو.....''

''تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو.....'' میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ روی شنکر کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''کسی کی باتوں نے شاید تمہیں بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔'' اُس کے لہجے میں ترشی اُتر آئی۔ ''میرے پاس تمہارا پرانا ریکارڈ بھی موجود ہے، نہ ہوتا تب بھی میرا ایک اشارہ تمہارے لئے بہت کافی ہے.....سمجھ رہے ہو میری بات؟''

''کیا قبول کرانا چاہتے ہو تم.....؟'' اُس نے خشک آواز میں دریافت کیا۔

''تم پہلی فلائٹ سے لندن واپس چلے جاؤ۔'' وہ مٹھی بھینچ کر بولا۔ ''یہ سنہری موقع تمہیں دوبارہ نہیں ملے گا، شرط یہ ہے کہ تم اس ملک میں کبھی واپس نہیں آؤ گے۔''

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دُوں تو.....؟''

''وقت ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی بھر پچھتاؤ گے جمیل احمد خان۔'' اُس نے جھلا کر کہا۔

''زندگی چاہتے ہو تو میری بات مان لو۔''

''پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے.....؟''

اس بار روی شنکر نے جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہوں میں چنگاریاں چٹخنے لگیں، مجھے حقارت سے گھورتے ہوئے اُس نے جھلا کر اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کیا، دوسرے ہی لمحے انسپکٹر بلبیر لفٹ رائٹ کرتا سامنے آ گیا۔

''سر.....'' اُس نے قدم جوڑ کر روی شنکر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا حکم ہے؟''

''اسے انڈر گراؤنڈ کر دو.....'' روی شنکر کے لہجے میں سفاکی تھی۔ ''کوشش کرو کہ یہ تیس روز کے اندر میری بات مان لے، انکار کی صورت میں تمہیں میری طرف سے مکمل اختیار ہو گا.....ایک بات اور.....کسی سے خوفزدہ یا مرعوب ہونے کی کوشش مت کرنا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

روی شنکر جس دروازے سے آیا تھا، اُسی سے واپس چلا گیا۔ میری آنکھوں پر پھر پٹی باندھ دی گئی.....!!

وہ رات میرے لئے بڑی اذیت ناک تھی۔ روی شنکر کے حکم کے بعد انسپکٹر بلبیر کو گویا میری موت کا پروانہ حاصل ہو گیا تھا۔ مجھے بمبئی کے کسی دُور دراز علاقے میں لے جا کر ایک زمین دوز تہہ خانے میں ڈال دیا گیا جہاں ایذا رسانی کے تمام جدید سامان موجود تھے۔ جس کمرے میں مجھے رکھا گیا، وہاں صرف شیکھر میری نگرانی پر موجود تھا۔ کمانڈ بلبیر کے ہاتھ میں تھی۔ اس عقوبت خانے کے باہر یقیناً سخت پہرہ رہا ہو گا.....!!

میرے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ ایک ہاتھ میں ہتھکڑی پہنائی گئی۔ اس کا دوسرا حصہ دیوار میں لگے مضبوط کنڈے میں ڈال دیا گیا۔ میں پختہ فرش پر پڑا تھا، اپنی جگہ سے بمشکل ایک دو فٹ تک حرکت کر سکتا تھا۔ کمرے کی چھت سے مدھم پاور کا ایک بلب لٹک رہا تھا۔ در و دیوار پر جا بجا خون کے چھینٹے سیاہی اختیار کر کے زبانِ حال سے اس ظلم و ستم کی کہانی سناتے نظر آ رہے تھے جو مجھ سے پہلے دوسروں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ ماحول گھٹا گھٹا اور وحشت ناک تھا۔ نہ جانے کتنی بدنصیب رُوحیں اب بھی وہاں اپنے ادھڑے ہوئے جسم کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں گی۔ میں ابھی گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک کربناک چیخ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اس کے ساتھ ایک گرج دار آواز اُبھری۔

''دس منٹ اور باقی رہ گئے ہیں مادر بہ خطا۔ اب بھی زبان کھول دے۔ ورنہ ہم تجھے بھی بغیر ٹکٹ کے لمبے سفر پر روانہ کر دیں گے۔ اس کے بعد تیری جوان لگائی کو اُٹھا لائیں گے۔ کچھ دن اُس کے ساتھ موج مستی کریں گے۔ پھر.....''

''مم.....میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' کوئی دردناک آواز میں رحم کی درخواست کرنے لگا۔ ''میں نردوش ہوں۔ بھگوان کے لئے.....''

''کھال ادھیڑ دو حرامی کی۔'' کوئی تحکمانہ انداز میں چیخا۔ ''اپنی گندی زبان سے بھگوان کا نام لے رہا ہے۔''

کربناک چیخوں کی آوازیں اور تیز ہو گئیں.....بلبیر سینہ تانے کھڑا میرے چہرے کے

تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اشارہ کیا تو شیکھر نے کمرے کے واحد دروازے کو بند کر دیا۔ چیخوں کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئیں۔

''سنا تو نے؟ برابر کے ڈرائنگ رُوم میں ہمارے کارندے اپنے مہمان کا کیسا سواگت کر رہے ہیں؟'' بلبیر کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''بڑے صاحب نے صرف تین روز کی مہلت دی ہے تجھے۔'' اُس نے حقارت سے کہا۔ ''کیا ارادے ہیں؟ سیدھی طرح جائے گا لندن یا مالش کرانے کا ارادہ ہے؟''

''میں لندن نہیں جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''تم اپنے ارمان پورے کر لو..... لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو بلبیر، تم اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہو۔ تم نے صرف میرا نام سنا ہے، میرے بارے میں تفصیل سے آگاہ ہوتے تو اس وقت میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے۔''

''ابھی تک مرلی کے کھونٹے پر اکڑ رہا ہے.....؟'' بلبیر نے فحش کلامی شروع کر دی۔

''سروجنی اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اُس کا سارا جوس نکل چکا ہے۔ اب صرف پھوک باقی رہ گیا ہے سالی میں۔ مرلی کب تک اُس کتیا کے بل بوتے پر چلے گا..... اور تو.....'' اُس نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ ''تو مجھے تڑی لگا رہا ہے، بلبیر کو..... اپنے اصلی باپ کو؟''

''بلبیر.....'' میں پوری قوت سے چیخا۔ ''تم اپنی اوقات سے بڑھ رہے ہو۔ میرے ماں باپ کی شان میں گستاخی کرنے سے باز آ جاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ صرف رات رات کی بات ہے۔ صبح ہونے کے بعد تم.....''

''مالک پر بھونک رہا ہے..... کتے.....'' بلبیر نے اچانک بھرپور ٹھوکر میرے منہ پر ماری، میرے دانت ہل گئے۔ ہونٹ پھٹ گیا۔ خون کے قطرے میرے لباس کو رنگین کرنے لگے۔ میں تڑپ کر رہ گیا۔

شیکھر کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ برابر والے کمرے سے تشدد کی آوازیں پھر سنائی دینے لگیں۔ بلبیر نے دوسری ٹھوکر ماری۔ میں نے بچنے کی کوشش کی لیکن بلبلا کر رہ گیا۔

''صبح کیا ہو گا.....؟ بول.....'' بلبیر نے تیسری ٹھوکر میرے سینے پر مارنے کی کوشش کی۔ میں جھک گیا، اُس کے جوتے کی ٹو میرے سیدھے بازو سے ٹکرائی، درد کی لہر پورے

جسم میں دوڑ گئی۔ وہ بدستور گرجتا رہا۔ ''کیا ہو گا صبح؟..... اب چپ کیوں ہو گیا.....''

''تم.....'' میرے اندر جنون نے سر اُبھارنا شروع کر دیا۔ یہی جنون مجھے مرلی اور سروجنی کے اپارٹمنٹ سے باہر کھینچ لایا تھا۔ میں شاید پاگل ہو گیا تھا جو میں نے کسی کا مشورہ قبول نہیں کیا، ایک محفوظ پناہ گاہ سے باہر آ گیا اور انجام کار کسی زیر زمین عقوبت خانے میں زنجیروں میں بندھا بلبیر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ لیکن میرے خون کا رنگ، اس کی سرخی اور گرمی ابھی باقی تھی۔ میں نے بلبیر کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم میرے جسم پر نہیں، اپنی چتا کی بھڑکتی آگ کو ٹھوکریں مار رہے ہو۔ تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔ رات رات تم اپنے دل کی بھڑاس نکال لو، صبح میری باری ہو گی۔''

''پاگل بننے کی اداکاری کر رہا ہے۔'' اُس نے غضبناک ہو کر اپنی بیلٹ کھول لی اور بے تحاشہ میری چمڑی اُدھیڑنے لگا۔ میں نے نچلا ہونٹ پوری شدت سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ وہ متواتر میرے جسم پر ضربیں لگاتا رہا، میرے اندر کا آتش فشاں کھولتا رہا۔ میں نے حلق سے کوئی آواز نہیں نکالی، جسم کو گٹھڑی بنا کر لوٹنے لگا۔

شیکھر واپس آیا تو سیّد کی لاٹھی اُس کے ہاتھ میں دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے میری کوئی مراد پوری ہو گئی۔ میں ساری تکلیف بھول کر اُس متبرک لاٹھی کو عقیدت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

''تم ایک طرف ہو جاؤ صاحب.....'' شیکھر نے آستین چڑھالی۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ یہ سالا کتنے پانی میں ہے۔''

''جب تک یہ..... تھوک کر نہ چاٹے، زمین پر ناگ رگڑ کر ڈی آئی جی صاحب کی بات ماننے کا اقرار نہ کرے اس پر لاٹھی برساتے رہنا۔ تھک جانا تو اُوپر سے کسی اور کو بلا لینا۔ میں کچھ دیر آرام کر کے واپس آتا ہوں۔''

بلبیر حکم دے کر غصے میں تلملاتا چلا گیا۔ شیکھر نے دروازہ بند کر لیا۔ اُس کے تیور بلبیر سے زیادہ خطرناک نظر آ رہے تھے۔

''کیا فیصلہ کیا نواب صاحب؟'' شیکھر نے لاٹھی فضا میں بلند کرتے ہوئے زہر خند سے دریافت کیا۔ ''ہماری درخواست منظور کرو گے یا تمہارا یہ سیوک تمہاری بخیہ ادھیڑنی شروع کر دے۔''

میں نے شیکھر کی بات کا جواب نہیں دیا، حسرت بھری نظروں سے سیّد کی لاٹھی کو دیکھ
دل ہی دل میں کہا۔ ''یہ بھی میرے لئے اعزاز ہوگا سیّد کہ تم اپنی لاٹھی سے مجھے رُوئی
طرح دھنکی لگادو۔ میں اُف نہیں کروں گا۔''

''دیدے پھاڑے کیا گھور رہا ہے لید کے بھُنگے؟'' شیکھر اپنی اصلیت پر اُتر آ
''سیدھی طرح جواب دے۔ نہیں تو یہی لاٹھی نیچے سے چڑھا کر اُوپر سے نکال دُوں گا۔

''تم میرے اوپر ہاتھ اُٹھا کر اچھا نہیں کرو گے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا

''تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں..... بہتر ہے کہ مجھ سے دُور رہو.....''

شیکھر یکلخت آپے سے باہر ہوگیا۔ وہ شاید لٹھ بازی کے فن سے واقف تھا۔ اُس۔
پینترا بدل کر پہلا وار میرے کولہے پر کیا۔ میری ہڈیاں کڑکڑانے لگیں۔ میں نے دوہا
ہونٹ بھینچ لئے۔ اُس نے ہوا میں لہرا کر میرے سر کا نشانہ لیا، میں نے آنکھیں بند کرلیں
مجھے یقین تھا کہ میرا سر پھٹ جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مجھے ہلکا سا احساس ہوا کہ جیسے
کوئی ہلکی پھلکی شے میرے سر کو چھو کر گزر گئی ہو۔ اسی لمحے خوشبو کا ایک جھونکا میری ناک سے
ٹکرایا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

شیکھر کسی ماہر لٹھ باز کی طرح اُچھل اُچھل کر، پینترے بدل بدل کر مجھ پر لاٹھی کے وا
کر رہا تھا۔ ہر بار مجھے ایسا لگتا جیسے پھولوں سے لدی کوئی نرم شاخ میرے جسم سے اٹکھیلیا
کر رہی ہو۔ میں ہونٹ بھینچے پڑا رہا، میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ سیّد مجذو
کہیں آس پاس موجود تھا، یا پھر اُس نے کہیں دُور رہ کر بھی میری آواز سن لی تھی۔ مجھ
لاٹھی کی صرف ایک کاری ضرب لگی تھی، پھر قدرت کا معجزہ میرا محافظ بن گیا۔

''نہیں سیّد..... نہیں۔'' میں نے دل کی گہرائیوں سے سیّد کو آواز دی۔ ''تم نے رُوئی
دھنکی لگانے کی بات کی تھی۔ صرف ایک ضرب کافی نہیں ہے۔ تم میرا پورا جسم ادھیڑنے
بات کرو۔ میں اُف نہیں کروں گا۔ میرے دل میں زندہ رہنے کی کوئی آرزو بھی نہیں ہے
میرے دل کی کیفیت، میرے حالات سے واقف ہو۔ تم سے زیادہ کون سمجھ سکے گا، میں
نندا کے کہنے پر اہنسا کا راستہ اختیار کیا۔ کترا کر گزرنے کو زندگی کا شعار بنانے کی کوشش
لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ بدری نرائن اور اُس کے سرپھرے چیلے مجھے بار بار گھیرتے رہے، اُنہو
نے میرے اُوپر سکون کا ایک ایک لمحہ تنگ کر دیا۔ مجھے زبردستی دوبارہ میدان میں گھ

لائے۔ میں نے تم سے بھی کئی بار درخواست کی کہ میرا ہاتھ تھام لو۔ تم اشاروں اشاروں میں
مجھے نہ جانے کیا کیا سمجھاتے رہے۔ میں نے تمہارے قریب آنے کی کوشش کی، تم بار بار
نزدیک آ کر دُور چلے گئے۔ تمہاری کوئی مصلحت رہی ہوگی۔ اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں
مرنے کو تیار ہوں۔ تم خدا کے نیک بندے ہو۔ ہو سکے تو میری مشکل آسان کردو۔''

میں سیّد کو اپنی رُوداد سناتا رہا، شیکھر مجھ پر لاٹھی برساتا رہا۔ کچھ دیر بعد اُس نے اچانک
ہاتھ روک لئے۔ شاید اُس پر یکلخت حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ دُور کھڑا مجھے
آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔ اُس نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی، لیکن نہ میرا سر پھٹا، نہ میں
نے احتجاج کیا، نہ میرے چیخنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ یہ سب کچھ اُس کے لئے یقیناً
حیرت انگیز اور ناقابل یقین رہا ہوگا۔

''تم..... تم کیا بلا ہو.....؟'' اُس نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔ اُس کے لہجے میں پہلے
جیسی گھن گرج نہیں تھی۔

''رُک کیوں گئے.....؟'' میں نے اُسے حقارت سے گھورا۔ ''مجھ پر لاٹھی برساتے
رہو۔ بلبیر تم کو یہی حکم دے کر گیا ہے۔ تم نے بھی میرے جسم کی ایک ایک بخیہ ادھیڑنے کی
بات کی تھی۔ ہاتھ کیوں کھینچ لئے؟ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔ تم
نے یہی دعویٰ کیا تھا، اور بھی کچھ لغو باتیں کی تھیں۔ میرے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے ہیں، میں
بے بس ہوں، تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔ تم نے تو بڑوں بڑوں کے کس بل نکالے ہوں
گے۔ میرے سلسلے میں اتنی جلدی ہمت ہار گئے.....؟''

''نہیں.....'' شیکھر نے کچھ توقف سے کہا۔ ''تم وہ نہیں جو نظر آتے ہو۔''

''پھر..... کون ہوں میں؟'' مجھے اُس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ کچھ دیر پیشتر وہ بڑی ڈینگیں
مار رہا تھا، اب سہما سہما کھڑا تھا۔

''مجھے بچا لو مہاراج.....'' شیکھر ہاتھ باندھ کر گڑگڑانے لگا۔ ''انسپکٹر بلبیر بڑا ظالم افسر
ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میں نے جان بوجھ کر تمہارے ساتھ رعایت کی ہے۔ لیکن تم جانتے
ہو کہ میں نمک حرام نہیں ہوں۔''

''ریوالور نکال کر مجھے گولی مارنے کی حسرت اور پوری کرلو..... بلبیر کے عتاب سے بھی
محفوظ رہو گے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''میں ایسا نہیں کرسکتا۔'' اُس نے کسمسا کر کہا۔ ''بڑے صاحب نے تمہیں تین دن مہلت دی ہے.....''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے شیکھر سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''بلبیر آئے تو اُس سے دینا کہ میں نے لندن جانے پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔''

''تم.....تم.....تم سچ کہہ رہے ہو.....؟'' شیکھر کے چہرے پر زندگی کے آثار دو نمایاں ہونے لگے۔

''سچ اور جھوٹ کے چکر میں مت پڑو۔'' میں نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''زند بچانے کی فکر کرو۔''

اُس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا، پھر اپنا ارادہ ترک کر دیا، دُور بیٹھ کر مجھے دیکھتا .....دو گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی تو شیکھر بڑی پھرتی سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُ نے لپک کر دروازہ کھولا، آنے والا انسپکٹر بلبیر کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اُس نے سادہ لبا پہن رکھا تھا، کچھ دیر خاموش کھڑا مجھے نفرت بھری نظروں سے گھورتا رہا، پھر شیکھر سے بولا

''کیا رہا.....؟''

''شیکھر نے جیون میں کبھی ہار ماننی نہیں سیکھی صاحب۔'' اُس نے میری طرف مسک نظروں سے دیکھتے ہوئے بلبیر کو بڑے دبنگ لہجے میں جواب دیا۔ ''لاٹھی سے صرف اگر کمر اور کولہے سہلائے تھے کہ چیں بول گیا۔ لندن تو کیا اب یہ آپ کے حکم سے نرک بھی چھلانگ لگانے سے انکار نہیں کرے گا۔''

''کیوں مہاشے...'' بلبیر نے فاتحانہ نظروں سے مجھے گھورا۔ ''نکل گئی نا ساری ہیکڑ پہلے تو مجھے صبح ہونے کی تڑی دے رہا تھا۔ بڑے اُونچے سُروں میں بول رہا تھا..... جلدی نانی مرگئی۔''

میں نے خاموشی اختیار رکھی۔ مجھے صبح ہونے کے بعد انکارانی کی واپسی کا انتظار تھا۔

''چپ کیوں ہے؟ کیا سروجنی کی یاد ستا رہی ہے؟'' اُس نے حقارت سے کہا ''لندن جائے گا تو اس ویشیا کو بھول جائے گا۔ وہاں تیری بہت ساری بہنیں تیرا سواگ کرنے کو.....''

''بلبیر.....'' میں اس بار ضبط نہ کر سکا، چیخ اُٹھا۔ ''اپنی گندی زبان بند کر لے، ورنہ

میری نظروں سے۔''

''ارے.....'' بلبیر نے بڑے سفاک لہجے میں اپنے غصے کا اظہار کیا۔ ''شیکھر، سن رہا ہے تو..... یہ حرام کا جنا پھر بولنے لگا۔ اس کے بعد انسپکٹر دیوانہ ہو گیا۔ اُس نے پھر میرے اوپر گھونسوں اور جوتوں کی ٹھوکروں کی بارش شروع کر دی۔ میرے سینے پر چڑھ کر وحشیوں کی طرح اُچھلنے لگا۔ میں نے حلق سے کوئی آواز نہیں نکالی لیکن میرا جوڑ جوڑ چیخ رہا تھا۔ بلبیر کی زبان سے میرے بزرگوں کی شان میں بڑے نازیبا جملے ادا ہو رہے تھے۔ میں خون کے گھونٹ پی کر برداشت کرتا رہا۔ پھر اچانک جوتے کی ایک شدید ضرب میری کنپٹی پر ایسی لگی کہ میری نگاہوں کے سامنے کئی سورج طلوع ہو کر غروب ہوتے چلے گئے۔ میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا.....!

صبح میری آنکھ کھلی تو سارا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا تھا۔ میں نے ذرا کروٹ لینی چاہی تو کراہ اُٹھا۔ اسی لمحے ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی.....

''جمیل، تمہاری یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی۔ تم اگر ہر قیمت پر سروجنی کے پارٹمنٹ سے نکلنا چاہتے تھے تو کم از کم مجھ کو تو آگاہ کر دیا ہوتا۔''

میری انکارانی میرے سر پر موجود تھی۔ اُس کا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ مجھے جس کا انتظار تھا، وہ آ گئی تھی۔ اُس کے لہجے میں تاسف تھا۔ میں نے نظریں گھما کر دیکھا، کمرے میں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ بلبیر اور شیکھر شاید مجھے مُردہ سمجھ کر چلے گئے تھے۔

''تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو.....؟'' میں نے عالم تصور میں اُسے مخاطب کیا۔

''یہ وقت شکوہ شکایت کا نہیں ہے۔'' اُس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ ''بلبیر نے تمہارے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، اس کی سزا اُسے ضرور ملے گی۔ ''مگر تم بھی تو میرا کہا نہیں مانتے۔ من مانی کرنے لگتے ہو۔''

''جو ہو چکا اُسے بھول جاؤ۔'' میں نے بحث ختم کرنے کی خاطر کہا۔ ''قسمت میں جو لکھا ہے اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔''

''تم اتنی جلدی مایوسی کی بات کیوں شروع کر دیتے ہو؟ کیا اب تمہیں اپنی انکا پر بھی عتماد نہیں رہا؟''

''زخموں کو مت کریدو انکا رانی.....'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تم میری مجبوریوں سے واقف ہو۔ اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ میں اتنے دنوں سے بمبئی میں ہوں اور ابھی تک اپنی تزئین کی صورت بھی نہیں دیکھ سکا۔ چہرہ گرد آلود ہو، دل میں طوفان اُٹھ رہے ہوں، زخم رِس رہا ہو تو محفلیں سجانا اچھا نہیں لگتا۔ اور..... کل وہ بھی آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ رُوئی کو ایک بار دھنکی لگ جانے دے، سب گرہیں کھل جائیں گی۔ اُس نے نقب لگانے کی بات بھی کی تھی۔ میں اُسی کے اشارے پر وہاں سے چلا آیا۔ میں سیّد کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے گھٹی گھٹی آواز میں انکا کو بیہوشی سے قبل تک کی تفصیل سناتے ہوئے کہا۔ ''ان کا فیصلہ ہے کہ میں تین روز کے اندر اندر لندن واپس چلا جاؤں۔ انکار کی صورت میں روڈ شنکر ہندوستان میں میرا وجود گوارا نہیں کرے گا۔ اُس نے انسپکٹر بلبیر کو حکم دے رکھا ہے کہ مجھے مار کر میری لاش کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا جائے۔''

''تم اپنے ذہن پر کوئی بوجھ مت ڈالو۔'' انکا نے میرے بالوں پر ٹہلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اب آ گئی ہوں۔ سب کچھ میرے اوپر چھوڑ دو۔''

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، بلبیر اور شیکھر کے علاوہ دو سادہ لباس والے اور بھی نظر آئے۔ دونوں چہرے بشرے سے بے حد خطرناک نظر آ رہے تھے۔ انسپکٹر بلبیر کے ہاتھوں میں ہنٹر موجود تھا، میری آنکھیں کھلی دیکھ کر بڑی نفرت سے بولا۔

''حرامی..... تو ابھی تک مرا نہیں؟''

''اسے اب شما کر دو صاحب.....'' شیکھر دبی زبان میں بولا۔ ''میں اسے سمجھاتا ہوں، یہ لندن جانے پر تیار ہو جائے گا۔''

''نہیں.....'' بلبیر دھاڑنے لگا۔ ''اب یہ نہیں، اس کی ارتھی لندن جائے گی۔''

''تم خاموش کیوں ہو جمیل.....؟'' انکا تلملانے لگی۔ ''اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ اسے سزا ضرور ملے گی۔ اس کے پرلوک سدھارنے سے پیشتر اپنے دل کی حسرت پوری کر لو.....''

''انسپکٹر.....'' انکا کے اُکسانے پر میں نے بلبیر کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''بہت ہو چکا، اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ ورنہ تمہارا انجام خطرناک ہوگا۔''

بلبیر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس نے ہنٹر کھول کر ہوا میں لہرایا، انکا میرے سر

اتر گئی۔ اس کے بعد جو ہوا وہ خود بلبیر کے لئے بھی تعجب خیز تھا۔ نئے آنے والے سادہ لباس والوں میں سے ایک نے ریوالور نکال کر بلبیر پر تان لیا، سفاک لہجے میں بولا۔

''اس کا فیصلہ بعد میں کرنا انسپکٹر، پہلے میری ایک بات سن لو۔''

''تم.....'' بلبیر نے پلٹ کر اُسے غور سے دیکھا۔ ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہاری زندگی کے دن بھی اب پورے ہو چکے ہیں.....''

شیکھر اور دوسرے سادہ لباس والے کی نظریں بھی ریوالور والے کی جانب اُٹھ گئیں۔ میں جانتا تھا، انکا ایک وقت میں صرف ایک ذہن کو کنٹرول کر سکتی تھی۔ وہ اس وقت ریوالور والے کے سر پر تھی جس کی نگاہوں میں شعلے لپک رہے تھے۔

''تمہارے پاس اب زیادہ سوچنے اور سمجھنے کا سمے باقی نہیں رہا انسپکٹر۔'' اُس نے مرسراتے لہجے میں کہا۔ ''تم نے شاید مجھے ابھی تک پہچانا نہیں۔ میرا نام اجیت نہیں جتندر ہے۔ بات آٹھ سال پرانی ہے۔ تمہیں شاید یاد بھی نہ رہی ہو، میں بتاتا ہوں۔ تم میری تلاش میں میرے گاؤں گئے تھے، تمہارے پاس میری گرفتاری کا وارنٹ تھا، تمہارے کالے قانون کا مجرم میں تھا۔ میری جوان بہن رادھیکا نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا لیکن تم اُسے زبردستی اٹھا لائے۔ دو سال تک تم اور تمہارے ساتھی اُس مجبور کی عزت سے کھیلتے رہے۔ پھر ایک رات وہ تمہاری ہی تحویل میں قتل کر دی گئی۔ تمہارا شک اپنے ساتھی ونود پر تھا، لیکن ایسا نہیں تھا۔'' ریوالور والے نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے کرب سے کہا۔ ''اُس غریب کو میری گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ میں اُسے نہ مارتا تو تم لوگ اُسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہتے۔ اس کے بعد میں تمہارا اعتماد جیتنے کی خاطر بھیس بدل کر اجیت کے رُوپ میں تمہارے قریب ہوتا گیا۔ مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی۔ میں رادھیکا کا انتقام تمہاری بہن سے لینا چاہتا تھا۔ مگر مجھے معلوم ہوا کہ تمہاری کوئی بہن نہیں۔ تم نے شادی بھی نہیں کی ورنہ کچھ آنسو تمہاری دھرم پتنی کے شریر سے پونچھ لیتا..... آج مجھے وہ موقع مل گیا جس کی تلاش تھی۔ تم سمجھ گئے میں کیا کہہ رہا ہوں.....؟''

''بلبیر موت سے نہیں ڈرتا کمینے.....'' انسپکٹر آپے سے باہر ہونے لگا۔ ''تو مجھے مارنے کے بعد خود بھی زندہ نہیں رہے گا۔ میرے آدمی تیرے جسم کو ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں گے۔ جیون پیارا ہے تو ریوالور پھینک کر میرے پیر پکڑ لے۔ میں تجھے آخری موقع دے رہا

ہوں۔''

جواب میں ریوالور نے ایک شعلہ اُگلا اور بلبیر کی اُلٹی ران سے خون بھل بھل بہنے لگا۔ شنکھر نے دروازے کی طرف بھاگنے کی حماقت کی، وہ بھی مارا گیا۔ دوسرا سادہ لباس والا خاموش کھڑا رہا۔ انسپکٹر پاؤں پکڑ کر لڑھکتا اتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا۔

''گھبراؤ مت انسپکٹر، میں تمہیں آسان موت نہیں ماروں گا۔'' جتندر نے زہر خند کہا۔ پھر دوسرا فائر کیا، بلبیر کی سیدھی ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی چٹخ کر کرچیوں میں تقسیم گئی۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی مانند زمین پر پچھاڑیں کھانے لگا۔ اُس کی چیخ آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔

''اب یہاں سے نکل چلو، ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔'' دوسرے سا لباس والے نے جتندر سے کہا۔

''گھبراؤ مت، ہم ساتھ ساتھ ہی چلیں گے۔ پہلے تم، بعد میں، میں۔'' جتندر نے ج کے اختتام کے ساتھ ہی تیسرا فائر کیا، اُس کا ساتھی بھی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ مر کے بعد بھی اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی نظر آ رہی تھی۔ چوتھی گولی نے خود جتن کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا..... کمرے میں تین لاشیں پڑی تھیں۔ انسپکٹر ڈوبتی ہ آواز میں اپنے آدمیوں کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ بازی پل بھر میں پلٹ گئی۔ انکا دو میرے سر پر آ گئی۔

''تم نے میری خاطر تین آدمیوں کو لڑھکا دیا.....'' میں نے انکارانی کو پیار بھری نظر سے دیکھا۔

''کھیل تو اب شروع ہو گا جمیل صاحب۔'' اُس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''تمہیں اندازہ جائے گا کہ پریتم لال مہاراج کے سر پر رہ کر میرا سے برباد نہیں ہوا، اُس مہان منش تمہارے کارن مجھے بھی کچھ شکتیاں دان کی تھیں۔ یہ بھی کہا تھا کہ جب تک گھٹا ٹوپ اند نہ پھیل جائے میں ان شکتیوں کا استعمال نہ کروں۔ بلبیر، روی شنکر کا خاص آدمی ہے بلبیر کے زخمی ہونے اور تین آدمیوں کے قتل کی خبر سن کر پاگل ہو جائے گا۔ بات پھیلے طوفان اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ پنڈت پجاریوں کے دلوں میں سلگنے والی چنگاریاں بھڑکیں گی۔ ہر طرف آگ لگ جائے گی۔''

میں بات کو طول نہیں دُوں گا۔ تفصیل لکھنے بیٹھ گیا تو زندگی کی ساری نقدی خرچ ہو جائے گی، کہانی ادھوری رہ جائے گی۔ بہر حال انکا نے جو کہا وہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ عقوبت خانے کے محافظ مشورہ کرنے کی خاطر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ بلبیر کو زخمی حالت میں ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ پھر مجھے اُسی حوالات میں ڈال دیا گیا جہاں پہلے بند کیا گیا تھا۔ انسپکٹر بلبیر کی جگہ نیا انسپکٹر آ گیا۔ میری گرفتاری کے کیس کو باقاعدگی کی شکل دینے کی خاطر عدالت میں پیش کر کے دس روز کا ریمانڈ حاصل کیا گیا تو بات ڈھکی چھپی نہ رہ سکی۔ میرے دشمنوں کو بھنک مل گئی۔ سینکڑوں پنڈت پجاریوں نے اُس حوالات کو گھیر لیا جہاں مجھے سرکاری مہمان بنایا گیا تھا۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا، مجھے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ قانون میں ایسی کوئی شق موجود نہیں تھی کہ کسی مجرم کو عوام کے سیلاب میں دھکیل دیا جائے۔ روی شنکر کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس بات پر عمل کرنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ لیکن مرلی اُس کے راستے کی دیوار بن کر درمیان میں حائل ہو گیا۔ بڑے بڑے سرکاری افسران اور راج منتری سر جوڑ کے بیٹھے، مندروں سے جوان پجارنیں بھی چیونٹیوں کی طرح نکل نکل کر دھرنا دینے والوں کے ساتھ شامل ہونے لگیں تو تماش بینوں کا ہجوم بھی بڑھنے لگا۔ حکومت کو مجبوراً فوج طلب کرنی پڑی۔ پنڈت پجاریوں پر لاٹھی چارج ہوا، آنسو گیس کے گولے داغے گئے، تب کہیں جا کر حالات کچھ قابو میں آئے۔ تھانے کے علاقے میں باقاعدہ کرفیو لگا دیا گیا، کسی کو بھی بغیر تحریری حکم نامے کے تھانے میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔

انکارانی کی مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔ وہ دن بھر میری خاطر جوڑ توڑ میں لگی رہتی۔ رات کو تھکی ماندی واپس آتی تو مجھے دن بھر کی رُوداد سنانے بیٹھ جاتی۔ میں تھانے میں بڑے سکون سے تھا۔ نئے انسپکٹر یا اُس کے عملے کے افراد نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کرنے کی غلطی نہیں دہرائی۔ ابھی تک وہ عقوبت خانے میں ہونے والے تین قتل کی اصل وجہ بھی دریافت نہیں کر سکے تھے۔ جو بیان انسپکٹر بلبیر نے دیا، اس میں کئی جھول تھے۔ انسپکٹر نے جتندر کی کہانی توڑ مروڑ کر صرف یہ کہا کہ اُس کا ذہن بس اچانک ہی پلٹ گیا۔ اُس نے زبان سے کوئی جملہ ادا کئے بغیر ہی ریوالور نکال کر فائرنگ شروع کر دی، بعد میں خود کو بھی گولی مار لی۔ ممکن ہے روی شنکر کے سامنے اکیلے میں اُس نے حقیقت اُگل دی ہو۔ لیکن ریکارڈ پر جو بیان موجود تھا وہ ناکافی سمجھا گیا۔ روی شنکر بڑے مضبوط اعصاب کا مالک

ثابت ہوا۔ اُس نے عقوبت خانے کا ذکر کہیں بھی درمیان میں نہیں آنے دیا بلکہ دُوراندیشی سے کام لیتے ہوئے مرلی کو انکوائری آفیسر بنا دیا۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف وہ مرلی کو باور کرانا چاہتا تھا کہ ساری شرارت انسپکٹر بلبیر کی تھی۔ دوسری طرف وہ مرلی ہی کے ہاتھوں مجھے مروانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اتنی گہری چال چلتے ہوئے اُس نے کہ خود مرلی بھی گھبرایا گھبرایا اِدھر سے اُدھر پھر رہا تھا۔ اُس نے اپنے ذرائع سے یہ کوشش بھی کی کہ انکوائری کا کام کسی اور کو سونپ دیا جائے لیکن روی شنکر نے اپنی سفارش میں جس انداز میں مرلی کی ذہانت اور کارکردگی کا اظہار کیا تھا وہ مرلی کے آڑے آ گئی۔

چار روز افراتفری اور ہنگاموں میں گزر گئے۔ پانچویں رات انکا رانی واپس آئی تو اُس کے چہرے پر بڑی گہری سنجیدگی مسلط تھی۔

''خیریت.....؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''آج میرے پاس تمہارے لئے کچھ اچھی خبریں نہیں ہیں۔'' اُس نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''جو بھی ہے کہہ ڈالو.....'' میں زہرخند سے بولا۔ ''وقت نے مجھے ڈھیٹ بنا دیا ہے۔ میں ہمت نہیں ہاروں گا۔''

''روی شنکر بڑی گھٹیا حرکتوں کے بارے میں غور کر رہا ہے۔ اُس نے کئی منصوبے بنانے شروع کر دیئے ہیں۔''

''اُس کی جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں؟'' میں نے انکا کو لاجواب کرنے کی کوشش کی۔

''کیا مجھے باعزت طور پر رہا کر کے خود کو پنڈت پجاریوں کے حوالے کر دیتیں؟ دُرگا کے چرنوں میں اپنی بھینٹ پیش کرنے پر آمادہ ہو جاتیں؟''

انکا پیچ و تاب کھانے لگی۔ میرا جواب اُسے پسند نہیں آیا تھا۔

''پھر رُوٹھ گئیں.....؟''

''تم دل جلانے والی بات ہی کیوں کرتے ہو.....؟''

''کیوں؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔ ''کیا اب مجھے تمہیں چھیڑنے کا اختیار نہیں رہا؟''

''سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔'' وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ''کچھ دن اور رہ گئے ہیں، اس کے بعد تمہاری چھنی ہوئی قوتیں تمہیں دوبارہ مل جائیں گی۔ تم دُرگا کے مندر

جانے کی غلطی نہ کرتے تو.....''

''تم روی شنکر کے منصوبوں کی بات کر رہی تھیں۔'' میں نے اُس کا جملہ کاٹا۔

''ہاں.....'' وہ میرے تیور بھانپ کر بولی۔ ''روی شنکر تم کو کسی قیمت پر بھی موت کے گھاٹ اُتارنے کا خواہشمند ہے۔ اُس نے خاص طور پر اجودھیا کے ایک نامی گرامی پنڈت کو بھی تمہاری خاطر بمبئی آنے کی دعوت دی ہے، ایک منصوبہ یہ بھی اُس کے ذہن میں ہے کہ عدالت جاتے ہوئے تمہاری گاڑی کو بم کے دھماکے سے اُڑا دیا جائے۔ اس کا الزام اُن انتہا پسند پنڈت پجاریوں کے سر بڑی آسانی سے تھوپا جا سکتا ہے جو بار بار تمہاری سرِعام پھانسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ تمہیں خوراک میں زہر بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس کی ذمہ داری بھی کسی اور کے سر ڈالی جا سکتی ہے، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' انکا نے بات جاری رکھی۔

''مرلی کا کانٹا بھی نکالنے کی بات ہو رہی ہے۔ مرلی نے سروجنی کی وجہ سے ترقی حاصل کرنے میں جن افسران کا حق مارا تھا، روی شنکر اُن کے ساتھ بھی گٹھ جوڑ کر رہا ہے۔ ایک اہم خبر اور ہے..... چندرا اپنا جاپ ختم کر کے منڈل سے باہر آ گیا۔ پنڈت نول کشور نے اُسے ہردوار بلایا ہے، وہیں بیٹھ کر صلاح مشورے ہوں گے۔''

چندرا کا نام سن کر میرے اندر پھر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ زخم ہرے ہونے لگے۔ کھرنڈ اُکھڑنے لگے۔ مجھے موت سے خوف نہیں تھا۔ پہلے بھی متعدد بار میں نے دنیا سے منہ موڑنے کی کوشش کی تھی، کبھی کلدیپ کی باتوں نے راستہ روک لیا، کبھی انکا نے اپنے بچنوں کے نشتر چبھو کر میرے ذہن کو ماؤف کر دیا، کبھی پریتم لال آڑے آ گیا۔ موت برحق ہے، کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ لیکن چندرا اور پنڈت نول کشور کو کیفر کردار تک پہنچائے بغیر مجھے موت گوارا نہیں تھی۔ اُنہوں نے بجھتی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے کر بھڑکانے کی غلطی کی تھی۔ میں اُنہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں زندہ جلانے کا خواہشمند تھا۔ ایسی اذیت ناک موت مارنا چاہتا تھا کہ پھر کوئی دوسرا پنڈت یا پجاری جمیل احمد خان کا نام بھی زبان تک لانے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔ میں نے اُٹھنے کی کوشش کی تو پاؤں میں پڑی زنجیریں مجھے بے بسی کا احساس دلانے لگیں۔ وہ مجھ سے خوفزدہ تھے۔ وہ کم ظرف لوگ تھے جنہوں نے مجھے حوالات کی آہنی سلاخوں کے اندر ڈالنے کے باوجود زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ مرد ہوتے تو للکار کر سامنا کرتے، کنجروں کی طرح پشت سے چھرا گھونپنے کا منصوبہ کبھی نہ بناتے۔

''جمیل.....'' انکا میرے تاثرات بھانپ کر کسمسانے لگی۔ ''میں آئندہ اپنی زبان پر رکھوں گی۔ پھر مجھ سے کوئی شکوہ یا گلہ نہ کرنا۔''

''تم صرف ایک قوت ہو، علامت ہو، کردار ہو..... تم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہو اپنے کسی آقا کے اشارے پر اس کے دشمن کو تہس نہس کر سکتی ہو، خود کسی کا خون نہیں کر سکتیں۔ تمہیں جانوروں یا چرند پرند میں بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارے اعضاء انسانوں سے ضرور ملتے جلتے ہیں لیکن تم انسانی احساسات اور جذبات کی قدر و قیمت سے ناواقف ہو..... واقف ہوتیں تو مجھے اُسی دن مر جانے دیا ہوتا جب میں اپنی کلدیپ کی لاش ہاتھوں میں اُٹھائے میسور کی کسی بلند پہاڑی سے چھلانگ لگانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ وہ مون کلدیپ سے میرے عشق کی معراج ہوتی۔ لیکن تم نے میرا ذہن معطل کر دیا۔ میں اپنی حسرتیں پوری نہ کر سکا۔ کلدیپ کی رُوح آج بھی میرے انتظار میں بھٹک رہی ہے۔ پرتھ لال نے تمہیں نئی شکتیاں دان کر دیں، تمہارا قد پہلے سے زیادہ بلند ہو گیا۔ لیکن میں بڑے خسارے میں رہا۔ اب تم زبان بند رکھنے کی بات کر رہی ہو، مجھے منظور ہے۔ میں تاریکی میں رہ کر بھی نامساعد حالات کا.....''

''بس کرو جمیل..... خاموش ہو جاؤ۔'' انکا رانی تڑپ اُٹھی۔ ''اپنی انکا رانی کو غلط مت سمجھو۔ میں نے تم سے روی شنکر کی خباثتوں کی بات کی تھی، تمہیں حالات سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں نے ہار تسلیم کر لی ہے، تم نے میرے بارے میں جو کچھ کہا میں اس پر بحث نہیں کروں گی لیکن ایک بات کا یقین کر لو..... اگر میں مجسم عورت کا رُوپ اختیار کر سکتی تو تم صرف میرے ہوتے..... کوئی دوسری عورت تمہاری سمت نظر بھی نہ اُٹھا سکتی۔ ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھ سے احساسات اور جذبات کی باتیں مت کرو۔ مجھے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر انسانی خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ خون پینے والی ان نازک باتوں کو نہیں سمجھ سکتے جو تم مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے سر سے دُور رہ کر میں مضطرب رہتی ہوں۔ مجھے کہیں سکون و آرام نہیں ملتا۔ تمہارے بغیر میں بڑی بے چین رہتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ آج بھی ہندوستان کے کونے کونے میں بڑے بڑے گیانی دھیانی پنڈت اور پجاری میرے حصول کے لئے زندگی داؤ پر لگانے کو فخر سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نے خود تمہارے سر کا انتخاب کیا تھا۔ تم مجھے اچھے لگتے تھے

..... کیوں؟ میں اس جذبے کو کوئی خوبصورت نام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ میں پریتم لال مہاراج کی شکر گزار ہوں، اُس مہان پنڈت نے مجھے وشواس دلایا ہے کہ جب تک اس کی آتما مجھ سے منہ نہ موڑ لے، کوئی دوسرا مجھے حاصل نہیں کر سکے گا۔'' انکا جذباتی انداز میں بولتی رہی..... ''تم مجھے آج بھی کمزور مت سمجھو..... میں دُرگا کی پابند نہیں ہوں، روی شنکر جیسے ہزاروں کمینے مل کر بھی لاکھوں منصوبے بنائیں لیکن میری زندگی میں وہ اپنے سپنے کبھی پورے نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں کل کیا ہونے والا ہے۔ کچھ بندشوں کے سبب زبان کھولنے سے قاصر ہوں، مگر اتنا جان لو..... میری زندگی میں وہ تمہارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔''

''جبھی اُنہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔'' میری زبان سے روانی میں نکل گیا۔ انکا کا چہرہ تمتمانے لگا۔

''تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتے جو میں سمجھ رہی ہوں۔ میں نے ان زنجیروں کو توڑ دیا تو وہ بھڑوں کی طرح تم سے لپٹ جائیں گے، تمہیں بھنبھوڑ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ میں ایک وقت میں کس کس کو قابو کروں گی؟ کچھ دن اور صبر کر لو، اس کے بعد گن گن کر دل کے ارمان پورے کر لینا۔''

میں خاموش رہا۔ مرلی نے تھانے میں قدم رکھا تو سپاہی بھی محتاط ہو گئے۔ مرلی نے کسی سے بات نہیں کی۔ سیلوٹ کے جواب میں سر کو جنبش دیتا سیدھا میری طرف چلا آیا۔ اُس کے اشارے پر لاک اپ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بلبیر کی جگہ جس انسپکٹر کو سونپی گئی تھی وہ بھی دُور کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا۔ حوالات کا دروازہ کھلتے ہی دو مسلح سپاہیوں نے رائفلوں کا رُخ میری طرف کر کے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے اپنی بڑائی کا احساس گدگدانے لگا۔ وہ میرے پابہ زنجیر ہونے کے باوجود مجھ سے خائف تھے۔ انکا مرلی کو دیکھ کر کچھ دیر ستانے کی خاطر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

''مہاراج.....'' مرلی نے قریب آ کر بڑی مدھم آواز میں کہا۔ ''حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں موجود تمام افراد کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں اُنہیں یہی تاثر دیتا رہا جیسے مجھے پولیس کی کارروائی کا کوئی خوف لاحق نہیں

ہے۔''

''تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں انسپکٹر بلبیر پر بھروسہ نہ کروں۔'' مرلی نے بدستور دل
زبان میں کہا۔ وہ ڈی آئی جی سے مل گیا ہے۔ لاٹھی والی بات بھی بتا دی۔''

لاٹھی کا ذکر نکلا تو میں کلبلانے لگا۔ عقوبت خانے سے نکلنے کے بعد مجھے علم نہیں تھا کہ
سیّد کی لاٹھی کس کی تحویل میں ہے۔ مرلی نے میری بے چینی کو بھانپ لیا۔

''تم چنتا مت کرو، میں کوشش کروں گا کہ تمہاری لاٹھی تمہیں واپس مل جائے۔ وہ اسی
تھانے میں رکھی ہے۔''

میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ دل ہی دل میں سیّد مجذوب کو یاد کرنے لگا۔

''میں تمہارا بیان لینے کی خاطر آیا ہوں۔'' اس بار مرلی نے بلند آواز میں کہا۔

''تم بھی پوچھو.....'' میں نے سرد رویہ اختیار کیا۔ ''کیا جاننا چاہتے ہو.....؟''

''انسپکٹر بلبیر پر کس نے گولیاں چلائی تھیں؟ باقی تین قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''تم سب مل کر مجھے پھانسنا چاہتے ہو؟'' میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''کاغذات میں
لکھ دو کہ میں نے پولیس کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر ایک ریوالور جھپٹ لیا تھا۔ تین کو
مارے گئے، ایک سور زندہ بچ گیا..... زبردستی میرا انگوٹھا بھی لگوا لو۔ اس کے سوا اور کیا
چاہتے ہو؟''

مرلی میری ہیجانی باتوں سے کسمسانے لگا۔ نیا انسپکٹر تیزی سے قدم مارتا حوالات کے
اندر آ گیا۔ میرے جملوں کے شعلوں کی تپش اُس کے چہرے پر کپکپا رہی تھی۔

''سر.....'' اُس نے مرلی کو مخاطب کیا۔ ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ مجھے
دس منٹ کا موقع دیں۔ اس کی زبان ابھی فرفر چلنے لگے گی۔''

''نہیں.....'' مرلی نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''حالات کے پیش نظر ہم فی الحال تھرڈ
ڈگری کا فارمولا نہیں آزما سکتے۔''

''لیکن یہ جو بکواس کر رہا ہے۔'' انسپکٹر نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔ اُس کی خونخوار
نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''تو بھی اوقات سے بڑھنے لگا۔'' میں نے انسپکٹر کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''میری لاٹھی
واپس کر دے۔ ورنہ وردی اُتارنے کو تیار ہو جا۔''

''شٹ اَپ.....'' انسپکٹر اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ اندر کے
سارے افراد ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ مرلی کے تیور بدلنے لگے۔ وہ انسپکٹر کو کچھ سخت
الفاظ کہنے کے لئے پلٹا، میں نے اُسے موقع نہیں دیا۔

''اچ..... چھا۔'' میں نے انسپکٹر کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔
''تو نے بھی بلبیر کی طرح بھونکنا شروع کر دیا۔ تماشہ دیکھنا چاہتا ہے تو پھر دھیان سے سن۔''
میں نے گرجدار آواز میں حکم دیا۔ ''یہیں کھڑے کھڑے اپنی وردی اُتار کر پھینک دے۔
لنگوٹی میں بھاگتا ہوا جا، میری لاٹھی اُٹھا لا۔ انکار کرے گا تو جلا کر خاک کر دُوں گا.....''

انکارانی میرے سر سے رینگ گئی۔ سب ہی کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ مرلی بھی
ششدر رہ گیا۔ انسپکٹر نے میرے حکم کی تعمیل میں کسی سعادت مند شاگرد کی طرح اپنی وردی
اُتارنی شروع کر دی۔ جسم پر لنگوٹی اور بنیان رہ گئی تو وہ دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ لوہے کی
الماری کھول کر اُس نے سیّد کی لاٹھی نکالی، پھر تیزی سے بھاگتا ہوا میرے سامنے آ گیا۔
لاٹھی میرے قدموں میں رکھنے کے بعد ہاتھ باندھ کر بڑی انکساری سے بولا۔

''کوئی اور حکم دو مہاراج، میں اب تمہاری کسی آگیا کا پالن کرنے میں دیر نہیں کروں
گا۔ مجھے شما کر دو، میری پاپی نظریں تمہیں پہچاننے میں دھوکہ کھا گئی تھیں۔''

مرلی نے پہلی بار اپنی نظروں سے میرا شعبدہ دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی حیرت سے
پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کمرے میں باقی عملے کے افراد بھی بُت بن کر رہ گئے۔ میں نے جان
بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ روی شنکر کے جاسوس اُسے بھی اپنے چشم دید اور
حیرت انگیز تجربے سے گزرنے کی رُوداد سنا دیں۔ مجھے مرلی کی مجبوریوں کو بھی تحفظ دینا
مقصود تھا۔ تفتیشی افسر بن جانے کے بعد وہ غریب بلاوجہ مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا۔ میں نے
اُسے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مخاطب کیا۔

''جا بالک..... واپس چلا جا، اوپر والوں کو بتا دے کہ میرے ساتھ کھیل تماشے نہ
کریں۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو کسی کو بھاگے راستہ نہیں ملے گا۔ سب کی پتلونیں گندی ہو جائیں
گی.....''

''ٹھیک ہے مہاراج..... میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ بڑے افسروں کو ضرور بتاؤں گا۔''
مرلی نے ڈرتے ڈرتے کہا، پھر فائل ہاتھ میں دبائے قدم اُٹھاتا واپس چلا گیا۔

''مہاراج، زنجیروں کے کارن تمہارے ہاتھ پیر میں تکلیف ہو رہی ہو گی۔ میں انہیں کھولے دیتا ہوں۔'' مرلی کے جانے کے بعد انسپکٹر نے انکساری سے کہا۔ پھر وہ آگے بڑھا، میں نے ہاتھ اُٹھا کر دھتکار دیا۔

''میّا مرتی نظر آئی تو اب ٹھٹھول کر رہا ہے۔'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''وردی پہن لے، جنگلے کو تالا لگا کر چوکیدار کی کرسی سنبھال لے۔''

وہ وردی پہن کر لاک اپ کو تالا لگا کر چلا گیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر سینے سے لگا لی۔ انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔ اُس کے چہرے سے بشاشت ٹپک رہی تھی، مسکرا کر بولی۔

''اسی طرح دُور اندیشی سے کام لینے کی عادت ڈالو..... یہاں بھی روی شنکر کے ایک اعتماد کے آدمی ضرور ہوں گے۔ انسپکٹر کی کہانی سن کر اُسے بھی سوچنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہی اُس کی طرف سے تمہارا بلاوا آ جائے، وہ سودے بازی کی کوشش کرنا چاہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس پنڈت کی قوت بھی آزما کر دیکھ لے جو اجودھیا سے ایک دو روز میں بمبئی پہنچنے والا ہے۔''

''تم نے اشوک کی بیوہ کے لئے کیا، کیا.....؟'' میں نے اُس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

میں نے اُس کے لئے رہائش اور پیسوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب اُسے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔''

''تزئین اور سید غوث کی کیا خبر ہے.....؟'' میں نے سرد آہ بھر کر سوال کیا۔

''دونوں خوش ہیں..... کہو تو اُن کو تمہاری خبر کر دُوں؟''

''نہیں انکا رانی.....'' میں تڑپ کر بولا۔ ''ذرا حالات سازگار ہو لینے دو، میں خود ہی وہاں جا کر اپنی تزئین کو گلے لگاؤں گا۔''

''تم آرام کرو جمیل، میں ذرا روی شنکر اور ایک دو دوسرے افسروں کے دل کا بھید لے کر واپس آتی ہوں۔''

انکا سر سے اُتر گئی۔ میں کچھ دیر سیّد کی لاٹھی سینے سے لگائے بیٹھا رہا، پھر اسی کو تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ کمرے میں انسپکٹر کے علاوہ عملے کے دوسرے تمام افراد بھی سہمے سہمے نظر آ رہے

تھے۔ انکا کے ایک ہی کرشمے نے اُن کے کس بل نکال دیئے..... سب ہی کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا.....!!

دوسرے دن مرلی نہیں آیا۔ تھانے کا عملہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی محتاط رہا۔ بلبیر کی جگہ تعینات ہونے والے انسپکٹر کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ انکا مجھے مزے لے لے کر سناتی رہی کہ نئے انسپکٹر کی وردی اُتروانے والے قصے نے روی شنکر کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مرلی نے خاص طور پر ڈی آئی جی سے مل کر ان حالات کا چشم دید قصہ سنایا تھا۔

''ہر طرف کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ روی شنکر نے خاص طور پر اجودھیا والے پنڈت کو آج شام تک بمبئی پہنچنے کی درخواست کی ہے۔'' انکا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''جمیل، میری درخواست ہے کہ تم اُس پنڈت کے سامنے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا۔ وہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کا مانا ہوا عالم ہے۔ پہلے اُس نے پنڈت نول کشور کے شیطانی ٹولے میں شمولیت سے انکار کر دیا تھا لیکن دُرگا کی آواز کے بعد شاید وہ بھی تمہارے خلاف محاذ آرا ہو جائے۔ گرو پرتاپ بھی اس پنڈت کی عزت کرتا ہے۔ ہمیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا ہو گا۔''

''پریشان مت ہو انکا رانی۔'' میں نے پہلو بدل کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ پھر سیّد مجذوب کی لاٹھی دیکھ کر بولا۔ ''جب تک یہ میرے پاس ہے دشمن میرے خلاف کوئی بڑی کامیابی نہیں حاصل کر سکیں گے۔ مجھے اس بات کا یقین نہ ہوتا تو شاید میں مرلی کے اپارٹمنٹ سے باہر نہ آتا۔ اب میں نے خود کو آگ اور خون کے حوالے کر دیا ہے۔ میں بدترین حالات میں بھی حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سیّد مجذوب میرے اضطراب سے بے خبر نہیں ہو گا۔ وہ بھی دیکھ رہا ہو گا کہ ہندوستان کی وسیع و عریض زمین پر میرے لئے سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا نہیں رہ گیا۔ ہر طرف آگ کے الاؤ بھڑک رہے ہیں، دُشمنوں کے بس میں ہوتا تو میں کب کا جل کر راکھ ہو چکا ہوتا۔ وہ مجھے اذیت ناک سزا دینے کے خواہشمند ہیں۔ بڑے نادان لوگ ہیں، یہ بھی نہیں جانتے کہ انسان کے لئے سب سے بڑی سزا موت ہے۔ جو موت کو ہر دم گلے لگانے کو تیار ہو وہ پنڈت پجاریوں سے کیا ڈرے گا؟ سیّد کی نظرِ عنایت کے علاوہ تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔''

''مجھے تمہارے ارادے کچھ زیادہ اچھے نظر نہیں آتے۔'' انکا نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''ابھی تم سمجھداری کی بات کر رہے ہو، وہ سامنے ہوتے ہیں تو ایک دم بھڑک اُٹھتے ہو میری بھی نہیں سنتے.....''

انکا سے میری چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ اُس روز کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں رات کا کھانا کھانے کے بعد جلدی سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ تھانے کا عملہ مجھ سے دُور دُور ہی رہا۔ اب اُنہوں نے میرے اُوپر رائفل تاننے یا حقارت کی نظروں سے گھورنے کی حماقتیں ترک کر دی تھیں۔ بھیگی بلی بنے اِدھر اُدھر بیٹھے رہتے۔ وہ میری وحشت اور طاقت کا تماشہ دیکھنے کے بعد خائف ہو گئے تھے۔ کیسی عجیب اور مضحکہ خیز بات تھی۔ قانون کے مسلح محافظ ایک قیدی سے نظریں چرا رہے تھے جو حوالات میں زنجیروں سے جکڑا پڑا تھا۔

رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے ہاتھ پکڑ کر سوتے سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہو۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو گرو پرتاپ میرے برابر پختہ فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا موجود نہیں تھی۔

''وہ راجکماری چلی گئی۔'' گرو نے لہراتے ہوئے کہا۔ ''میرے بڑے بھاگیہ جو آج اُس سندری کے درشن ہو گئے۔ بڑی آشا تھی اُسے دیکھنے کی۔''

میں نے گھوم کر دیکھا، نائٹ ڈیوٹی کا عملہ جاگ رہا تھا۔ حوالات کے بیرونی دروازے پر وزنی تالا بھی موجود تھا..... گرو کو اندر آنے کی اجازت کس نے دی.....؟

''کوئی چنتا مت کر.....'' گرو بے پروائی سے بولا۔ ''میں نے اُن کی نگاہوں کے سامنے پردے ڈال دیئے ہیں۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ میں ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ دو گھڑی بیٹھ کر چلا جاؤں گا۔ میرا کہا سنا معاف کر دینا۔''

''کیا مطلب.....'' میں چونکا۔ ''تم کہا سنا معاف کرنے کی بات کیوں کر رہے ہو؟''

''تیری سندری نے تجھے بتایا تو تھا کہ میں بھی دُرگا کے سراپ سے نہیں بچ سکوں گا۔'' وہ زہر خند سے بولا۔ ''میرا سمے پورا ہو چکا بالک، دیوی کا بلاوا آ گیا ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔ پرنتو تو بیاکل نہ ہو..... آخر میں وجے تیری ہی ہوگی۔''

''درمیان میں کیا ہوگا.....؟'' میں نے اُسے کریدنے کی کوشش کی۔

''وہ تجھے گھیرنے کے کارن اُچھل کود سے باز نہیں آئیں گے۔'' گرو بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روی شنکر نے پنڈت پربھو دیال کو تجھے قابو کرنے کے

بلایا ہے۔ وہ بڑا مہان پنڈت ہے۔ کالی کا بڑا اچیتا بھی ہے لیکن.....'' گرو پرتاپ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اُس کی زبان پکڑ لی ہو۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے گرو.....؟ پنڈت پربھو دیال کے بارے میں کیا بتانا چاہتے تھے.....؟''

''میرے پاس سمے کم ہے بالک، کیول اتنا سمجھ لے کہ دنیا دکھاوے کے لئے زمین پر متھا مارنے والے کچھ پراپت نہیں کر پاتے۔ من اُجلا ہو، جیون دان کرنے والے پر وشواش ہو تو شریر پر نظر آنے والی گند سے بڑے بڑے بلوان بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں گرو؟ تم کس کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اُس مہا پرش کی جس کی شکتی اپرم پار ہے۔'' گرو نے جھومتے ہوئے کہا۔ پھر کسمسا کر بولا۔ ''میں اب چلوں گا۔ تجھے آخری بار دیکھنے کو من چاہا تو چلا آیا۔ ورنہ میں دُور رہ کر بھی تجھ سے غافل نہیں تھا۔''

''گرو.....'' میں نے مدھم آواز میں پوچھا۔ ''کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں؟''

''اپنا دھیان رکھنا.....'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''اُس سندری کی بات غور سے سنا کر جو تیرے سر پر ڈیرا ڈال چکی ہے۔ بڑی نٹ کھٹ، بڑی چنچل ہے.....''

''ایک بات پوچھوں گرو؟'' میرے دل میں امریتا کا خیال اُبھرا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ گرو اور اُس کا کیا رشتہ تھا؟ ''وہ کون تھی؟ لندن سے واپسی پر اچانک اپنی سیٹ چھوڑ کر میرے پاس کیوں آ گئی؟ کیا چاہتی تھی؟''

''امریتا کے بارے میں جاننا چاہتا ہے؟'' گرو نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اُس نے تجھ سے غلط نہیں کہا تھا کہ آزمائی ہوئی چیزوں کو بار بار نہیں آزمایا جاتا۔''

''لیکن..... میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا.....'' میں نے پورے یقین سے جواب دیا۔

''میں تیری نہیں..... امریتا کی بات کر رہا ہوں.....'' گرو کا لہجہ معنی خیز تھا۔ میں نے اُس کی مبہم بات کی وضاحت طلب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اُس کے جانے کے بعد انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

''یہ گرو تم سے کیا کہنے آیا تھا.....؟'' انکا نے پوچھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ میرے اور گرو کے درمیان ہونے والی بات نہیں سن سکی۔ شاید گرو نے میرے اور انکا کے درمیان بھی

وقتی طور پر کوئی دیوار حائل کر دی تھی۔

''وہ..... مجھ سے آخری بار ملنے آیا تھا۔'' میں نے لمبی سانس لے کر افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''کہہ رہا تھا کہ دیوی کا بلاوا آ گیا ہے۔''

انکا مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے گھورنے لگی۔ میں نے جماہی لے کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں.....!

رات سکون سے بیت گئی۔ صبح انکا پھر حالات کی سن گن لینے چلی گئی۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد فارغ ہوا تو مرلی آ گیا۔ اُس کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات اُس کے اندر کی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا تو میں نے مسکرا کر کہا۔

''میرے بیان کے بغیر تمہاری انکوائری مکمل نہیں ہو گی۔ تم جو چاہو لکھ لو، میں دستخط کر دُوں گا۔ تمہارے اور سروجنی کے کچھ احسانات ہیں مجھ پر۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم دونوں کو کوئی پریشانی لاحق ہو۔''

''میں اس وقت بیان نہیں، آپ کو لینے آیا ہوں.....'' اُس کے لہجے میں کوئی اُلجھن کھٹک رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو.....؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

''روی شنکر نے آپ کو ہیڈ آفس بلوایا ہے۔'' مرلی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''اجودھیا سے ایک بڑے پنڈت کو بھی بلایا گیا ہے۔ روی شنکر کو میں نے انسپکٹر کی وردی اُترنے والی بات بتا دی۔ اُس کے مخبروں نے پہلے ہی سے تفصیل سنا رکھی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے پھر سودے بازی کرنا چاہے گا۔''

''پنڈت پربھو دیال کو کیوں بلایا گیا ہے.....؟'' میں نے زہر خند سے دریافت کیا۔ مرلی کسمسانے لگا۔

''آپ کو اُس کا نام کیسے معلوم ہوا.....؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے اور بھی بہت کچھ معلوم ہے۔'' میں نے گول مول انداز اختیار کیا۔ ''روی شنکر اگر خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں.....''

میں مرلی کے ساتھ جانے کو تیار ہوا تو انکا سر پر واپس آ گئی۔ اُس کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ میں نے فوری طور پر اُسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا، مرلی کے ساتھ

حوالات سے باہر قدم نکالا تو چار سنتری رائفل تانے فرائض کی خانہ پُری کی خاطر آگے بڑھے۔ مرلی نے اُنہیں اشارے سے روک دیا۔ ڈیوٹی آفیسر بھی دُور دُور ہی رہا۔ مجھے مرلی کے بے حد اصرار پر سیّد کی لاٹھی تھانے میں ہی چھوڑنی پڑی۔

تھانے کے باہر ایک بکتر بند گاڑی موجود تھی، اس کے پیچھے مسلح سپاہیوں کی ٹولی ایک ٹرک نما بڑی وین میں موجود تھی۔ مرلی مجھے لے کر بکتر بند گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ پولیس کمانڈو بھی موجود تھے۔ مرلی نے ان دونوں کو نیچے اُترنے کا حکم دیا تو ایک ٹانئے کے لئے وہ ہچکچائے، لیکن مرلی کے حکم سے انکار نہیں کر سکے۔

گاڑی حرکت میں آئی تو مرلی نے انگریزی زبان میں بات شروع کر دی۔ اُس نے اپنی آواز کو اتنا بلند نہیں ہونے دیا کہ ڈرائیور کے کانوں تک پہنچ جائے۔

''مہاراج..... مجھے زہر کے گھونٹ پی کر روی شنکر کے حکم کی پیروی کرنی پڑ رہی ہے۔ سروجنی بھی آپ کے لئے پریشان ہے۔ صبح کہہ رہی تھی کہ میں استعفیٰ لکھ کر ڈی آئی جی کے منہ پر مار دُوں۔ لیکن موجود حالات میں.....''

''میں تمہاری مجبوری سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ ''سکون سے تماشہ دیکھتے رہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ انکا پشت پر ہاتھ باندھے میرے سر پر ٹہل رہی تھی۔ بار بار نظریں اُٹھا کر کچھ دیکھنے لگتی، پھر دوبارہ چہل قدمی شروع کر دیتی۔ میں مرلی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ انکا سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ تھانے سے روانگی کے پندرہ منٹ بعد انکا نے مجھے پہلی بار مخاطب کیا۔

''جمیل، مرلی سے کہو کہ ڈرائیور کو راستہ بدلنے کی ہدایت کرے۔ اگلے چوراہے سے گاڑی سیدھے کی بجائے اُلٹے ہاتھ موڑ لی جائے۔ سیدھے ہاتھ پر خطرہ ہے۔ میں پولیس وین کے ڈرائیور کے سر پر جا رہی ہوں۔ روی شنکر بھی کیا یاد کرے گا کہ اُس کا پالا کس سے پڑا ہے۔''

انکا اپنا جملہ مکمل کر کے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں نے فوری طور پر مرلی کی بات کاٹ کر اُسے گاڑی اُلٹے ہاتھ مُڑوانے کا مشورہ دیا تو وہ چونکا۔

''مہاراج.....'' اُس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن میں نے اُس کی بات پھر کاٹ دی۔

''سمے کم ہے مرلی..... ڈرائیور کو حکم دو کہ چورستے سے گاڑی بائیں ہاتھ موڑ لے۔'' میر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''سیدھے ہاتھ والے راستے پر موت کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ روی شنکر میرے علاوہ تمہاری بھی جان کا دشمن ہے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی آنکھیں کھلی رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔''

مرلی نے ڈرائیور کو گاڑی کا راستہ بدلنے کی ہدایت کی تو وہ اپنی نشست پر کسمسانے لگا۔ لیکن مرلی کے حکم کی خلاف ورزی کی ہمت نہ کر سکا۔ بکتر بند گاڑی نے طے شدہ راستہ بدلا۔ وائرلیس سسٹم جاگ اُٹھا۔ کسی کی کھرکھراتی ہوئی آواز اُبھری..... ''نمبر ون، تم نے گاڑی لیفٹ ہینڈ پر کیوں موڑ دی؟ سیدھے ہاتھ کی طرف واپس جاؤ.....''

''ڈپٹی صاحب نے لیفٹ ہینڈ چلنے کا حکم دیا ہے.....'' ڈرائیور نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔''

''بحث مت کرو.....'' تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ ''جو روٹ بڑے صاحب نے طے کر دیا ہے اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ گاڑی واپس موڑو۔''

''تم اسی راستے پر چلتے رہو۔'' مرلی نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ پھر اپنا واکی ٹاکی آن کرتے ہوئے بولا۔ ''میں ڈی ایس پی رمیش کھنا بول رہا ہوں۔ مجھے انفارمیشن ملی ہے کہ سیدھے ہاتھ پر جانا خطرناک ہے۔ اس لئے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے..... اوور۔''

''سر.....'' دوسری جانب سے احتراماً کہا گیا۔ پھر بولنے والے نے مرلی کو اطلاع دی کہ پولیس وین طے شدہ راستے پر ہی نکل گئی ہے۔

''اُس سے فوراً رابطہ قائم کر کے میرے پیچھے پیچھے آنے کا حکم دو۔'' مرلی نے جھلا کر کہا۔ ''کیا وین کا ڈرائیور اندھا تھا جو اُسے بکتر بند گاڑی نظر نہیں آئی؟ اُسے کنٹیکٹ کرکے مجھے انفارم کرو..... اوور اینڈ آل۔''

مرلی کے چہرے پر تشویش کے تاثرات پھیل کر گہرے ہونے لگے۔ بدلتی ہوئی سچویشن نے اُس کے اضطراب میں اضافہ کر دیا۔ میں جانتا تھا اُس نے واکی ٹاکی پر جو ہدایت جاری کی تھی اس کی تعمیل ممکن نہیں ہوگی۔ انکا کی سر پر موجودگی کے سبب پولیس وین کا ڈرائیور کسی دوسرے کے احکامات پر عمل کرنے سے قاصر تھا۔ مرلی نے بے چینی سے رہ رہ کر پہلو بدلنا شروع کر دیا۔ بکتر بند گاڑی کا ڈرائیور بھی بار بار عقب نما شیشے کی طرف دیکھنے لگا۔

خاموش بیٹھا دل ہی دل میں مسکراتا رہا..... سات آٹھ منٹ گزر گئے، دوسری جانب سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ مرلی نے دوبارہ واکی ٹاکی آن کرنے کی کوشش کی لیکن اسی لمحے کہیں دُور سے اتنے خوفناک دھماکے کی آواز اُبھری کہ بکتر بند گاڑی بھی لہرا کر رہ گئی۔ باہر یقیناً افراتفری پھیل گئی ہوگی۔ قرب و جوار کی عمارتیں بھی ہل کر رہ گئی ہوں گی۔ شیشے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں گے۔ کئی بے گناہ افراد بھی زندگی سے ہاتھ دھو چکے ہوں گے۔ پولیس وین کے تو پرخچے اُڑ گئے ہوں گے، قرب و جوار کی اور بہت ساری گاڑیاں بھی ضرور لپیٹ میں آئی ہوں گی۔ روی شنکر تک خبر پہنچے گی تو وہ بھی بلبلانے لگے گا۔ اجودھیا سے خاص طور پر بلائے جانے والا پنڈت پربھودیال بھی سوچ وچار میں پڑ جائے گا۔

''سر.....'' بکتر بند گاڑی کے ڈرائیور نے سہمی سہمی آواز میں مرلی سے کہا۔ ''بھگوان کی دیا سے ہم بال بال بچ گئے۔ آپ کی انفارمیشن نے مجھ غریب کی جان بھی بچالی.....''

مرلی کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ وائرلیس سسٹم پھر جاگ اُٹھا۔ ایک کھرکھراتی ہوئی آواز اُبھری۔ ''نمبر ون..... تم تیزی سے ہیڈ آفس پہنچنے کی کوشش کرو۔ ڈی آئی جی کا حکم ہے..... ڈپٹی صاحب تو خیریت سے ہیں.....؟''

''ہاں.....'' ڈرائیور نے مُردہ آواز میں پوچھا۔ ''ہماری وین کا کیا بنا.....؟''

''صاحب سے کہو کہ بڑے صاحب سے واکی ٹاکی پر بات کریں.....'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ پھر رابطہ ختم کر دیا گیا۔ مرلی نے واکی ٹاکی پر روی شنکر سے رابطہ قائم کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''میں نے پنڈت پربھودیال کا شگون خراب کر دیا۔'' وہ سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''حادثے کی خبر سن کر وہ بھی ضرور تلملائے گا، غصے میں اپنا گنجا سر کھجلا رہا ہوگا۔ روی شنکر کی پتلون بھی ڈھیلی پڑ گئی ہوگی.....''

''سڑک پر ہر طرف خون ہی خون ہوگا۔'' میں نے انکا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے چھیڑ خانی کی۔ ''تم اتنی جلدی کیسے واپس لوٹ آئیں؟''

''مجھے سسکتے کراہتے لوگوں کا خون پینے کی عادت نہیں ہے۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''تم ذرا اطمینان کا سانس لو تو ہم دونوں مل جل کر جشن منائیں گے۔''

میں نے روی شنکر اور مرلی کے درمیان ہونے والی گفتگو پر توجہ نہیں دی، انکا سے چھیڑ

چھاڑ کرتا رہا۔ وہ بھی میرا دل بہلاتی رہی۔ کچھ دیر بعد مرلی نے وا کی ٹاکی بند کر کے مجھے بڑی انکساری سے مخاطب کیا۔

''مہاراج، تم نے آج میرے اُوپر جو ابکار کیا ہے وہ میں سارا جیون نہیں بھولوں گا۔''

''تم بھول رہے ہو مرلی، اس گاڑی میں تم تنہا نہیں ہو، میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔'' میں سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نے اگر بروقت خطرے کی بو نہ سونگھی ہوتی تو تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی پرلوک سدھار جاتا۔''

''ایک بات پوچھوں مہاراج.....؟''

''پوچھو.....''

''یہ دھماکے والی سازش کس نے کی تھی؟''

''ہم دونوں کے متر (دوست) روی شنکر مہاراج کی۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا، پھر خلاء میں گھورتے ہوئے بولا۔ ''اب اُس کا برا وقت بھی قریب آ رہا ہے۔''

میں مرلی پر اپنی پراسرار قوتوں کی دھاک جماتا رہا، وہ مسمسی صورت بنائے بیٹھا بڑی سعادت مندی سے میری باتیں سنتا رہا۔ کچھ دیر بعد بکتر بند گاڑی پولیس ہیڈ آفس پہنچ کر رُکی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں دروازہ کھلنے پر گاڑی سے نیچے اُترا تو پولیس کے مسلح سپاہیوں نے لپک کر مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مرلی میرے ساتھ ساتھ تھا۔ میں ابھی تک زنجیروں کی قید سے آزاد نہیں کیا گیا تھا پھر بھی دشمن مجھے کوئی موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ پولیس ہیڈ آفس کے احاطے میں کئی افسران بھی موجود تھے۔ سبھی کے چہرے دُھواں دُھواں ہو رہے تھے۔ پولیس وین کی تباہی اور دھماکے کے سبب رواں دواں زندگی میں جو خلل پڑ آ گیا تھا اس نے سب کو بوکھلا دیا تھا۔

مجھے مرلی کے ساتھ ہی اُس کمرۂ خاص میں قدم رکھنا پڑا جہاں روی شنکر کے علاوہ دو قد کا ایک ہٹا کٹا پنڈت بھی موجود تھا۔ اُس کے تیور مجھے دیکھتے ہی خطرناک ہو گئے۔ اُس کی نگاہوں میں بلا کا اعتماد موجود تھا۔ ہاتھوں میں موٹے موٹے دانوں کی مالا لئے کوئی جپ رہا تھا، کمرے میں میرے داخل ہوتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ روی شنکر نے بھی اُس کی پیروی کی۔ میں نے محسوس کیا کہ انکا پنڈت کو دیکھ کر میرے بالوں میں دبک گئی تھی۔

میں پابہ زنجیر ہونے کے باوجود سینہ تان کر آگے بڑھتا رہا۔ پھر مرلی نے مجھے رُکنے کا اشارہ کیا تو میں پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا۔ روی شنکر کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت کا احساس جھلک رہا تھا۔ ایک لمحے تک وہ مجھے تیز نظروں سے گھورتا رہا، پھر اُس نے میرے بجائے مرلی کو مخاطب کیا۔

''تمہیں خطرے کی اطلاع کب ہوئی تھی؟'' ڈی آئی جی نے سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

''اسے میں نے بتایا تھا۔'' مرلی کو سٹپٹاتا دیکھ کر میں نے روی شنکر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''میری نظروں نے تمہاری بکتر بند گاڑی میں ہونے کے باوجود دیکھ لیا تھا کہ سیدھے ہاتھ پر خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں۔''

''تمہاری انکوائری رپورٹ کہاں تک پہنچی؟'' روی شنکر نے میری بات نظر انداز کر کے پھر مرلی کی طرف دیکھا۔

''میں نے کوئی بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔'' میں نے دوبارہ مداخلت کی۔ ''انسپکٹر بلبیر اُس وقت زندہ تھا جب عقوبت خانے میں تین لاشیں ڈھیر ہوئی تھیں۔ اُس سے یہ پوچھو کہ وہ کیسے بچ گیا.....؟'' میرے لہجے میں تلخی تھی۔ میں روی شنکر اور پنڈت پربھو دیال دونوں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں ان سے خائف نہیں ہوں۔ پنڈت کی اُنگلیاں مالا کے دانوں پر تیز تیز چلنے لگیں۔ وہ گرگٹ کی طرح رہ رہ کر رنگ بدل رہا تھا۔

''انسپکٹر بلبیر ابھی تک پرانے بیان پر اڑا ہوا ہے۔'' مرلی نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ کوئی اہم بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں دوسرے ذرائع سے معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ ایک ہفتے بعد اپنی رپورٹ پیش کروں گا۔''

''اوکے.....'' روی شنکر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم باہر بیٹھو، ہمیں جمیل احمد خان سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

مرلی نے ایڑیاں جوڑ کر سیلوٹ کیا، پلٹ کر میری طرف دیکھا پھر قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا۔

''جمیل.....'' مجھے انکا کی سرگوشی سنائی دی۔ ''صبر سے کام لینا۔ ''دُرگا کی بددُعا کا وقت پورا ہونے میں کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔ میں نے پنڈت پربھو دیال کو پہلی بار دیکھا ہے، یہ بدری نرائن کے مقابلے میں زیادہ پہنچا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس سے اُلجھنے کی غلطی نہ کرنا۔''

''لک چھپ کر کیوں بیٹھی ہے سندری؟'' پنڈت نے پہلی بار زبان کھولی۔ اُس کے لہجے میں تلوار کی کاٹ تھی۔ سانپ کا زہر گھلا ہوا تھا۔ وہ انکا سے مخاطب تھا۔ ''سامنے آجا، میں بھی آج تیرے درشن کرلوں۔''

''تم..... کس سے باتیں کررہے ہو مہاراج؟'' روی شنکر نے حیرت کا اظہار کیا۔

''پنڈت پجاریوں کے گیان دھیان کی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' پربھو دیال نے سیدھا ہاتھ اُٹھا کر روی شنکر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میرے سر پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ ''میں تیری سندرتا، تیری مہان شکتی اور تیرے کھیل تماشوں کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ آ..... سامنے آجا، مجھے بھی اپنی چھب دکھا دے۔ میری اِچھا پوری کردے، پھر بھلے چلی جانا۔''

''یہ مکروفریب کی باتیں کررہا ہے۔'' انکا کی مدھم آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''اُس نے مجھے دیکھ لیا تو پھر اس پر میرا کوئی داؤ اثر نہیں کرے گا۔ میں جارہی ہوں۔ تم احتیاط سے کام لینا۔''

انکا میرے سر سے رینگ کر اُتر گئی۔ پنڈت بل کھانے لگا۔ میں نے پہل نہیں کی، خاموش کھڑا روی شنکر اور پنڈت کو باری باری دیکھتا رہا۔ کمرے میں کچھ دیر گہرا سکوت طاری رہا، پھر روی شنکر مجھ سے مخاطب ہوا۔

''میں ایک بار پھر تم کو بھارت کی سرحدوں سے نکل جانے کی پیش کش کررہا ہوں.....''

اُس کا لہجہ بڑا سرد اور کھردرا تھا۔

''میں اپنے فیصلوں میں ترمیم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

''نیچے واپس آجا مورکھ.....'' پنڈت پربھو دیال نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ اُس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ مجھے اپنا وجود لرزتا محسوس ہوا۔ میں نے جلدی سے اپنی توجہ دوسری طرف کرلی۔ ایک لمحے کی دیر ہوجاتی تو پنڈت کی پراسرار قوتیں مجھے اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہوجاتیں۔ مجھے سیّد کی لاٹھی کا خیال آیا، وہ میرے پاس ہوتی تو شاید پربھو دیال بھی اُسے دیکھ کر مجھے زیر کرنے سے پہلے دس بار غور کرنا ضروری سمجھتا۔ مجھے نظریں بچاتا دیکھ کر پنڈت نے ''جے کالی'' کا نعرہ بلند کیا، پھر الفاظ چباتے ہوئے بولا۔

''سنا ہے تو نے تھانے میں کسی انسپکٹر کی وردی اُتروادی تھی، ہمیں بھی کوئی چمتکار دکھادے۔ زمین پر ٹھوکر مار کر شعلے بھڑکا، میرے شریر کے کپڑے بھی اُتروانے کے لئے کوئی داؤ پیچ کر..... نظریں ملا کر بات کر.....''

پنڈت مجھے بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا رانی کہیں آس پاس ہی موجود ایک ایک بات سن رہی ہوگی۔ اُس نے کہا تھا کہ پربھو دیال، بدری نرائن سے زیادہ قوتوں کا مالک ہے۔ میں بدری نرائن کو کتوں کی موت مار چکا تھا۔ کلدیپ نے امرلال کے جسم کے کئی ٹکڑے کردیئے تھے۔ تب اور بات تھی، کلدیپ میرے ساتھ تھی۔ اس وقت میں تنہا کھڑا تھا۔ دُرگا نے اکیس دنوں کے لئے میری قوتیں سلب کرلی تھیں۔ انکا کا مشورہ تھا کہ میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دُوں۔ پنڈت مجھے اشتعال دلانے کی کوشش کررہا تھا۔

''چپ کیوں ہے.....؟'' پربھو دیال نے حقارت سے کہا۔ ''اُونچے سُروں میں بات کر، نوجوان چھوکریوں کی طرح نظریں کیوں چرا رہا ہے.....؟''

''پنڈت.....'' میں چپ نہ رہ سکا۔ ''میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تم درمیان میں نہ آؤ تو بہتر ہوگا۔''

''کیوں؟'' وہ کمینگی پر اُتر آیا۔ ''مجھے دیکھ کر ٹٹی خشک ہوگئی؟ ڈیڑھ بالشت کی چھمیا سر سے اُتر گئی تو نامرد بن گیا۔ اُس کی موجودگی میں دوسروں کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا ہے..... پہاڑ کے نیچے آیا تو بلبلانے لگا؟''

''زبان کو لگام دو پربھو دیال.....'' میں نے تلملا کر جواب دیا۔ ''تم بھی دُرگا کے دیئے ہوئے سراپ کی وجہ سے اُونچی آواز میں بول رہے ہو۔ میرے ہاتھ پیر بندھے ہیں اور تم اپنی مردانگی کی ڈینگیں مار رہے ہو۔ میری وحشتوں اور جنون کے قصے تم نے بھی ضرور سنے ہوں گے۔ نہیں سنے تو گرو پرتاپ سے جاکر پوچھ لو.....''

''بھول جا اُس مورکھ کو جس نے تیرے کارن اپنا جیون بھینٹ کردیا۔'' پنڈت جھلا کر بولا۔ ''وہ مہان شکتی کا مالک تھا لیکن بھول سے دُرگا سے پنجہ لڑانے کی غلطی کر بیٹھا۔ تو نے نہیں دیکھا، میں جانتا ہوں کہ اُس کا انت کتنا بھیانک ہوا۔ اُسے دُرگا کے چرنوں میں پجاریوں نے بوٹیاں نوچ نوچ کر ختم کردیا۔ اُس کی آتما اور شریر کا بندھن ٹوٹ گیا۔ آخری سانس تک اُس مہاپرش نے جیون کی بھکشا بھی نہیں مانگی۔ بڑا مورکھ تھا، تجھ جیسے پاپی کے

لئے جان دے دی.....''

''پنڈت.....'' میں نے استہزائیہ انداز اختیار کیا۔ ''تم نہیں جانتے کہ گرو نے میری خاطر قربانی کیوں دی..... جان لیتے تو اجودھیا سے چل کر یہاں تک آنے کی غلطی کبھی نہ کرتے۔''

میرا جواب سن کر روی شنکر کسمسانے لگا۔ پربھو دیال کی آنکھوں میں بھی شعلے بھڑکنے لگے۔ اُس نے اپنے سینے کا ایک بال توڑ کر بڑی قوت سے میری جانب اُچھالا۔ میں توازن برقرار نہ رکھ سکا، تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ زنجیریں چبھیں تو اذیت سے کراہ کر رہ گیا۔ روی شنکر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''روی کی بات مان لے پاپی.....'' پنڈت نے نفرت سے کہا۔ ''اس دیش سے دفع ہو جا..... سن رہا ہے میری بات، اسی میں تیری مکتی ہے۔''

''میرے فیصلے میں لچک پیدا کرنے میں تمہیں کبھی کامیابی نہیں ہوگی پربھو دیال.....'' میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم نے تھوڑی بہت قوتیں حاصل کر رکھی ہیں مگر شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ تم سے پہلے تمہارے جیسے بہت سارے پنڈت پجاری میرا راستہ کھوٹا کرنے کی حماقت کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے بھی جذبات اور دھرم کے نام پر اندھے ہو کر اپنی اوقات سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ ایک ایک کر کے سب پرلوک سدھار گئے۔ تمہاری دُرگا بھی صرف پندرہ بیس روز کے لئے میرے اوپر حاوی ہو سکی، اُس کے اختیار میں ہوتا تو گرو پرتاپ سے پہلے مجھے نرک میں جھونکنے کی.....''

''چپ ہو جا مورکھ، پاپی..... اپنی زبان کو تالا لگا لے۔'' پنڈت آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس نے دوسرا وار کیا۔ اُلٹا پاؤں اُٹھا کر زمین پر مارا، میرے چاروں طرف آگ بھڑکنے لگی۔ شعلے مجھے جلا کر خاک کر دینے کی خاطر میری سمت بڑھ رہے تھے جب کسی نے میرا بازو تھام لیا۔ میں نے بوکھلا کر نگاہوں کا زاویہ بدلا۔ میں سمجھا کہ پنڈت کے جنتر منتر کے بیر میرا ہاتھ تھام کر آگ میں جھونکنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن میری نظر سیّد مجذوب پر پڑی تو میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔

''مجھے یقین تھا پیر و مرشد.....'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''میرے صبر کی انتہا تمہیں میری

جانب ضرور متوجہ کر لے گی۔ تمہارے اشارے پر رُوئی کو دھنکی بھی لگ چکی، میں نے اُس وقت بھی اُف نہیں کی، اب کہو تو اپنے وجود کو شعلوں میں جھونک دُوں۔''

''دولتی جھاڑ کر کھڑا ہو جا..... آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر رینکنا شروع کر دے۔'' سیّد نے اپنے جسم کا تھوڑا سا میل اُتار کر میرے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے کہا، پھر یکلخت نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بھڑکتے ہوئے شعلے تیزی سے بلند ہو کر میری طرف لپک رہے تھے۔ پنڈت پربھو دیال کے ہونٹ بدستور متحرک تھے۔ وہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کی خاطر کسی خطرناک جان لیوا منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ روی شنکر بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ میں نے سیّد مجذوب کے میل کو زبان کے ذریعے حلق کے نیچے اُتار لیا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کا رقص پلک جھپکتے میں ختم ہو گیا۔ پنڈت اور روی شنکر کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ مجھے اپنے اندر پرانی توانائی کروٹ لیتی محسوس ہوئی۔ میں نے ہاتھوں کو جھٹکا دیا، ہتھکڑیاں کانچ کی چوڑیوں کی طرح ٹوٹ کر ایک طرف جا پڑیں۔ میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ دُرگا کا عتاب سیّد کے جسم کے میل سے ختم ہو گیا تھا..... میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پیروں کی زنجیروں کو کچے دھاگوں کی طرح توڑ کر ایک طرف اُچھال دیا۔ مسکراتا ہوا کھڑا ہوا تو روی شنکر دم بخود رہ گیا۔ پنڈت نے غصے میں بپھر کر اپنا اُلٹا ہاتھ فضا میں بلند کیا، میں نے دم سادھ لیا۔ مجھے سیّد کی ذات پر اعتماد تھا۔ پربھو دیال پینترا بدل بدل کر حملے کرتا رہا، اپنے ترکش کے سارے تیر ایک ایک کر کے آزماتا رہا۔ اُسے ناکامی ہوئی تو بل کھانے لگا۔

''میں نے تم سے کہا تھا پنڈت کہ اپنی وِدیا سے میرے بارے میں جان لیتے تو میرے مقابلے پر آنے کی غلطی کبھی نہ کرتے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے اپنے دل کے سارے ارمان نکال لئے۔ اب میری باری ہے۔ کہو تو تمہیں بھی آنکھ کے ایک اشارے سے گرو پرتاپ کے پاس بھیج دُوں، لیکن نہیں.....'' میں زہر خند سے بولا۔ ''میں تمہیں ماروں گا نہیں۔ تم زندہ رہو گے تاکہ اپنی زبان سے چندرا اور نول کشور کو بتا سکو کہ انہوں نے میرے خلاف پنڈت پجاریوں کے دلوں میں زہر گھول کر ٹھیک نہیں کیا۔''

پنڈت پربھو دیال اپنی جگہ کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا، نگاہوں نگاہوں میں مجھے تولتا رہا۔ میں نے روی شنکر کی سمت دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''تمہیں یاد ہے روی شنکر؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو.....''

''مم..... میں قانون کی خانہ پُری کرنے پر مجبور ہوں۔'' اُس نے بڑی مُردہ آواز میں جواب دیا۔

''ضرور کرو خانہ پُری۔'' میں نے حقارت سے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''میں تمہیں منع نہیں کرتا۔ لیکن اپنے کارندوں کو اب اپنی ہی زبان میں سمجھا دینا کہ مجھ سے چھیڑ خانی نہ کریں۔ ایک بات اور دھیان سے سن لو، ڈی ایس پی رمیش کھنا (مرلی) یا سروجنی نے اپنی خوشی سے مجھے اپنے گھر میں پناہ نہیں دی تھی۔ وہ بھی میری طاقت کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت تم بے بس نظر آ رہے ہو۔ اُن دونوں کے خلاف کوئی گھٹیا قدم اُٹھانے کا ارادہ بھول کر بھی مت کرنا..... سنا تم نے؟ میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

روی شنکر کچھ جواب دینا چاہتا تھا، لیکن اُسے موقع نہیں ملا۔ پنڈت پربھو دیال کو اپنی شکست منظور نہیں تھی۔ اُس نے آخری حربے کے طور پر اپنے گلے میں پڑی ہوئی مالا اُتار کر زور سے میری طرف پھینکی۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ مالا کے دانے دیوار سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ پنڈت نے میرے سمجھانے کے باوجود کمینگی کا ثبوت دیا تھا۔ میں اپنے غ پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے نندا کا سکھایا ہوا عمل شروع کر دیا۔

''مجھے شما کر دو جمیل احمد خاں.....'' پنڈت گڑگڑانے لگا۔ ''میں تمہاری شکتی کا اندا نہیں کر سکا تھا۔ بھول ہو گئی مجھ سے۔''

میں نے جواب میں اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ پھر یہ میری تیز نگاہوں کا اثر تھا، میر مدتوں کی شب و روز ریاضتوں کا کرشمہ تھا، میرے ارتکاز اور مراقبوں کی مسلسل مشقتوں نتیجہ تھا کہ پنڈت پربھو دیال کے قدم اُکھڑ گئے۔ وہ چکرا کر نیچے گرا، پھر دیکھتے ہی دیکھ اُس کا جسم جھلس کر کوئلے کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ روی شنکر نے پنڈت کا بھیانک انج دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگا۔

انکارانی میرے سر پر واپس آ کر خوشی میں دیوانہ وار رقص کرنے لگی.....!!

بازی پلٹ گئی۔ سیّد مجذوب جیت گیا۔ دُرگا کی شکتی کا سراپ پل بھر میں دم توڑ گیا۔ روی شنکر نے میری طاقت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ وہ کمینگی سے انکساری پر اُتر آیا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو محتاط رہنے کا اشارہ کر دیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ انکا بھی حیران رہ گئی۔ مجھے دوبارہ تھانے کے لاک اپ میں پہنچا دیا گیا۔ اس بار اُنہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میرے پاس ہی رہی۔ انکا بار بار ایک ہی رٹ لگا رہی تھی۔

''جمیل، میں نے زمانے کی کئی کروٹوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ بڑے بڑے سورماؤں سے پالا پڑا ہے، پراسرار قوتوں کے بارے میں اتنا تم نہیں جانتے جتنا میں جانتی ہوں۔ دنیا میں آج بھی ایسی آبادیاں موجود ہیں جہاں تک تمہارے سائنس دان اور کھوجیوں کی رسائی نہیں ہو سکی۔ وہاں دیوتاؤں نے اپنے ماننے والوں کے لئے ایک منڈل کھینچ دیا ہے جس کے اندر اُن کے پجاریوں کے سوا کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔ زمین سے آسمان تک اس حصار کے اندر جو شے بھی داخل ہوتی ہے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ تمہاری مہذب دنیا کے لوگ اس بات کو نہیں مانتے لیکن آئے دن ان مخصوص علاقوں سے گزرنے والے طیاروں کی تباہی کی کوئی وجہ بھی دریافت نہیں کر سکے۔ کئی سرپھرے سیاحوں نے ان غیر مہذب علاقوں کو کھوجنے میں جان گنوا دی۔ جو کامیاب نہیں ہو سکے اُنہوں نے اپنی معلومات کا ذخیرہ کتابوں میں جمع کر کے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں مہماتی، پراسرار اور ہولناک کہانیوں کا نام دے کر الماریوں میں سجا دیا گیا۔ تم چاہو تو میں تمہیں وہاں کے بارے میں بہت کارآمد باتیں بتا سکتی ہوں۔ مثلاً یہ کہ ان آبادیوں میں لکڑی اور گھاس پھوس سے بنائے گئے دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے، انہیں پوجا جاتا تھا، ان کی رسمیں بھی عجیب و غریب اور بڑی ہولناک ہوتی ہیں۔ تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

گھاس پھوس کے دیوتاؤں سے شگون لیا جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے سب ان پر آنکھ بند
کے اعتماد کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندو دھرم میں بھی دیوی دیوتاؤں کو ایک خاص مقام حاص
ہے۔ ان کی طاقت کے کرشموں سے کوئی انکار نہیں کرتا۔ ان کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں
انکا بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''دُرگا کی شکتی بھی اپرم پار ہے۔ میں نے بھی تم سے یہی
تھا کہ اکیس روز کے لئے تمہاری قوتیں تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گی۔ تم گرو پرتاپ
مل چکے ہو۔ وہ بھی پریتم لال مہاراج کے ٹکر کا پجاری تھا۔ تم گواہ ہو کہ اُس نے تمہارا نا
تھام کر تمہیں روی شنکر اور اُس کے بہت سارے آدمیوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا تو
سرچ لائٹس کی تیز روشنیاں بھی بیکار ہوگئی تھیں۔ لیکن دُرگا کے سامنے وہ بھی گھٹنے ٹیکنے
مجبور ہوگیا۔ بھینٹ کی رسم کی ادائیگی کے وقت ننگ دھڑنگ پجارنیں مدھ کے پیالے پی
وحشیانہ رقص کر رہی تھیں۔ پنڈت پجاریوں کا ہجوم دُرگا کی شان میں بھجن الاپ رہا تھا
کی شکتی چھین لی گئی، اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دُرگا کے چرنوں میں ڈال دیا گیا۔ میں
بھی تم سے یہی کہا تھا، گرو کو اُس کے کئے کی سزا ضرور ملے گی۔'' انکا ایک لمحے کو سانس لے
کی خاطر رُکی پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ ''جمیل..... مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا
تمہارے ساتھ ایک انہونی بات کس طرح ہوگئی؟ دُرگا کے عتاب کی مدت ابھی پوری نہیں
ہوئی تھی لیکن تم نے سب کو حیران کر دیا..... مجھے بتاؤ، یہ کیسے ہوگیا.....؟''

''وہ بروقت آگیا تھا انکارانی۔'' میں نے سیّد کی لاٹھی چوم کر جواب دیا۔ ''ایک لمحے
دیر ہو جاتی تو پنڈت پربھو دیال کی بھڑکائی ہوئی آگ مجھے جلا کر خاک کر دیتی۔ اُس نے
کر اپنے جسم کا میل میرے منہ میں ڈال دیا۔ دُرگا کی طاقت کے جال کچے دھاگوں کی
طرح ٹوٹ گئے۔''

''تم قسمت کے دھنی ہو جو وہ بار بار تمہیں درشن دیتا رہتا ہے۔''

انکا میرے ساتھ باتوں میں مصروف رہتی، میرا وقت سکون سے گزر جاتا۔ میں محسوس
کر رہا تھا کہ اس نے اب چندرا اور پنڈت نول کشور کی باتیں کرنا چھوڑ دی تھیں۔ میں اُن کا
نام سن کر بھڑک اُٹھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں ہوگی۔ جب وہ سر پر نہیں ہوتی تھی تو میں بھی چندرا اور نول کشور کے انجام کے بارے
منصوبے بناتا رہتا تھا۔

مرلی پہلے ہی میرا غلام بن چکا تھا، پنڈت پربھو دیال کا انجام دیکھ کر اور بھی مرید بن
گیا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ پنڈت کی لاش کو خاموشی سے ایک چرمی تھیلے میں بند کر کے
بڑی رازداری سے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ یہ کام روی شنکر کے خاص آدمیوں نے سرانجام دیا
تھا۔ مرلی صرف پنڈت کی کوئلہ بنی لاش ہی دیکھ سکا۔ روی شنکر نے اُسے سخت الفاظ میں
زبان بند رکھنے کی تاکید کی تھی۔ مرلی کو یہ ہدایت نہ کی جاتی تب بھی وہ زبان نہیں کھول سکتا
تھا۔ پنڈت نول کشور یا دوسرے پنڈت پجاریوں کو پربھو دیال کے سلسلے میں بھنک مل جاتی
تو وہ پھر بے قابو ہو جاتے۔ مرلی کو بھی جان بچانی مشکل ہو جاتی۔

میں اُس روز بھی سیّد کی لاٹھی کو سینے سے لگائے بیٹھا نول کشور کے بارے میں سوچ رہا
تھا جب مرلی آگیا۔ وہ کچھ بوکھلایا بوکھلایا نظر آرہا تھا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو مدھم آواز
میں بولا۔

''کل رات انسپکٹر بلبیر بھی مرگیا۔ اُس کے جسم میں زہر پھیل گیا تھا۔ روی شنکر نے بھی
اُس کی آخری رسومات میں بطور خاص حصہ لیا تھا۔ اُس نے بلبیر کے گھر والوں کو دبی زبان
میں سمجھا دیا ہے کہ وہ صبر سے کام لیں، بات پھیلنے نہ پائے۔''

''اچھا ہوا.....'' میں نے ایک لمبی سانس لے کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''اپاہج بن
کر زندہ رہنے سے تو بلبیر کا مر جانا ہی بہتر تھا۔''

''مہاراج، کل تم کو دوبارہ عدالت کے روبرو پیش کیا جائے گا۔'' مرلی کسمسانے لگا۔
''ریمانڈ کی مدت پوری ہو چکی ہے۔''

''مرلی.....'' میں نے اُسے غور سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟ تم کچھ نروس دکھائی دے
رہے ہو.....؟''

''کل کے لئے بڑے سخت انتظامات کئے جا رہے ہیں۔'' اُس نے متفکر انداز میں
جواب دیا۔ ''کچھ پنڈت پجاری باہر سے بھی آئے ہیں، دُرگا کے مندر میں سر جوڑے
مشورے کر رہے ہیں۔ ڈی آئی جی کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں۔ اُسے اندیشہ ہے کہ کوئی نہ
کوئی ہنگامہ ضرور ہوگا۔ میری انکوائری رپورٹ سے بھی وہ خوش نہیں ہے۔''

''تم نے ایسا کیا لکھ دیا جو روی شنکر کو پسند نہیں آیا؟'' میں نے بے پرواہی سے سوال کیا۔
''میں نے جو لکھا وہ غلط نہیں ہے۔ پنڈت کالی داس اور اوم پرکاش کی موت میں مجھے

تمہارا کوئی عمل دخل نظر نہیں آیا۔'' مرلی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں نے رپورٹ میں بھی یہی لکھا ہے۔ روی شنکر کی توقعات اس کے برعکس تھیں۔ اُس نے فی الحال تو کچھ نہیں کہا۔ لیکن میرے خلاف اوپر والوں کے کان ضرور بھرے گا۔''

''تم ابھی باہر سے آنے والے کچھ پنڈت پجاریوں کا ذکر کر رہے تھے۔'' میں نے اُس کی کہی ہوئی بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کیا تم اُن کے نام سے بھی واقف ہو.....؟''

''تم کس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو مہاراج؟'' وہ میری بات کا مقصد بھانپ گیا۔

''میں ہردوار کے پنڈت نول کشور کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' میرے لہجے میں نفرت اُتر آئی۔ ''وہ کالی کے بڑے مندر کا بڑا پروہت ہے۔ تم نے بھی یہ ضرور سنا ہوگا۔''

''وہ خود نہیں آیا.....'' مرلی نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ ''اُس کے کچھ کارندے ضرور آئے ہیں۔''

''چندرا کا نام سنا ہے کبھی.....؟'' میں نے پہلو بدل کر حقارت سے پوچھا۔

''تم.....تم شاید سورگ باشی امرلال مہاراج.....''

''میرے سامنے اُسے سورگ باشی اور مہاراج کہنے کی غلطی دوبارہ کبھی مت کرنا۔'' میں آپے سے باہر ہوگیا۔ ''وہ بدبخت میرے سکون کا دشمن ہے۔ وہ درمیان میں نہ آتا تو میں یہاں تک نہ بڑھتی۔ اُس نے انسانیت کے نہیں کالی کے نام پر میرے دشمن بدری نرائن کی پشت پناہی کی تھی۔ ہندوستان کے سارے پنڈت پجاری مل کر بھی میرا راستہ نہیں روک سکتے تھے۔ پہلے بدری بھی دیوتاؤں کے کھونٹے پر بڑی اُچھل کود کرتا تھا، میں نے طاقت حاصل کی تو وہ حرامزادہ آنکھ مچولی کھیلنے لگا، چھپ چھپ کر وار کرنے لگا۔ میں اُسے للکارتی وہ دُم دبا کر بھاگ نکلتا۔ پھر امرلال نے اُس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُسی سور کی وجہ سے میری کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے نیچے آنا پڑا۔ وہ غریب پریتم لال کے استھان پر گیان دھیان میں مصروف تھی، امرلال نے اُس کی زندگی میں بھی ہلچل مچا دی، زہر گھول دیا۔'' میں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ ''تم نہیں جانتے، بڑی لمبی کہانی ہے۔ بڑی دل گداز داستان ہے۔ تم تفصیل سنو گے تو تمہارا کلیجہ بھی پھٹ جائے گا۔ صرف اتنا جان لو کہ امرلال

کے قدم بھی میری کلدیپ کے مقابلے میں اُکھڑ گئے تھے۔ وہ جان بچانے کی خاطر مندر میں چھپنے کے لئے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔ کلدیپ نے ہاتھ کے اشارے سے اُس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ بعد میں وہ بھی کالی کو دیئے ہوئے وچن کے پالن کی خاطر بھینٹ چڑھ گئی۔ میں ہندوستان چھوڑ کر لندن چلا گیا۔ مجھے تمہارے دیس سے نفرت ہوگئی۔ تمہاری مٹی نے میری بہت ساری خوشیاں چھین لیں، ایک ایک کر کے مجھ سے میرے جینے کے تمام سہارے بچھڑتے چلے گئے۔ میں لعنت بھیج کر یہاں سے چلا گیا۔ میں اپنی مرضی سے کبھی واپس نہ آتا، لیکن ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کو میرے خلاف بھڑکا دیا گیا۔ پنڈت نول کشور جو بزدلوں کی طرح ہردوار میں کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا ہے اُس نے دلوں میں زہر گھولنے کا کام شروع کر دیا۔ سور مر چکا تھا لیکن اُس کی اولاد زندہ تھی..... میں چندرا کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''وہ اٹھارہ سال کا حرامی کا پلہ بھی پر نکال رہا ہے۔ مجھے پریتم لال کی آتما نے واپس ہندوستان آنے پر مجبور کیا۔ میں یہاں گل چھرّے اُڑانے کے ارادے سے نہیں آیا، نول کشور کو سمجھانے آیا ہوں کہ اس نے مجھے چھیڑ کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ میں چندرا کو بھی ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اُس کی سات پشتیں بھی کبھی جمیل احمد خاں کا نام زبان پر لانے کی غلطی نہیں کریں گی.....''

مرلی حیرت سے میری باتیں سنتا رہا، میرے جنون میں کمی نہیں آئی۔ میں نے سینہ ٹھونک کر کہا۔

''تم قانون کے نگہبان ہو۔ چاہو تو تم بھی نول کشور اور چندرا کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ پورے ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کو آگاہ کر دو کہ میں سر سے کفن باندھ کر آیا ہوں، میری کلدیپ کی رُوح ابھی تک بے چین ہے۔ اُسے تب سکون ملے گا جب میں اپنے باقی دشمنوں کو جہنم رسید کر دُوں گا، پنڈت نول کشور اور چندرا کو موت کے گھاٹ اُتاروں گا۔ تمہارا ڈی آئی جی صرف کالی داس اور اوم پرکاش کی موت سے بوکھلا گیا۔ وہ مجھ سے شرطیں باندھ رہا ہے۔ کہتا ہے میں ہندوستان چھوڑ کر واپس لندن چلا جاؤں۔ لیکن اب اُس کی زبان کو بھی میں نے تالا لگا دیا ہے۔ پربھو دیال کو اُس نے اجودھیا سے بلایا تھا، بڑا مان تھا

اُسے پنڈت کی طاقت پر..... نتیجہ کیا نکلا؟ تم بھی اپنی نظروں سے اس کا بھیانک انجام
چکے ہو۔ میں نے تمہارے گھر پر گرو پرتاپ کے کہنے پر بسیرا کیا تھا۔ دُرگا کی مہان شکتی
اُس کی بھی بھینٹ لے لی۔ وہ بڑا عظیم پنڈت تھا، مہان شکتیوں کا مالک تھا۔ وہ دنگا
نہیں چاہتا تھا۔ مجھے بھی جنگ وجدل کا شوق نہیں ہے۔ لیکن وہ بار بار مجھے ٹانگ پکڑ کر
لیتے ہیں، سکون سے نہیں رہنے دیتے۔ میری موت کے خواب دیکھتے ہیں۔ اب ا
آنکھیں بھی ضرور کھل گئی ہوں گی۔ انہوں نے دیکھ لیا ہوگا کہ دُرگا کا سراپ بھی ب
وحشتوں کے آگے بند نہیں باندھ سکا۔ گرو پرتاپ نے کہا تھا کہ دُرگا کی بلند ہونے والی
نے میری ساری قوتیں سلب کر دی ہیں۔ اکیس دن اور اکیس راتیں میرے اوپر ب
ہوں گی۔ گرو نے مشورہ دیا تھا کہ میں اکیس روز تک اپنے پنکھ سمیٹے ایک جگہ خاموش
رہوں۔ میں نے سروجنی کی وجہ سے تمہارے گھر کا انتخاب کر لیا۔ میں اکیس روز تک
بازو سمیٹے بیٹھا رہتا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ روی شنکر اور اُس کے گرگے تمہارے گر
ڈال رہے ہیں۔ میں اپنی جان بچانے کی خاطر تمہیں اور سروجنی کو مصیبت میں نہیں ڈال
تھا..... تم گواہ ہو، میں تمہارے گھر سے چوروں کی طرح نکل بھاگنا چاہتا تھا لیکن تم
آنکھ کھل گئی۔ میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا، تمہیں مجبور کر کے تمہارے ذریعے اپنی گرفت
پیش کر دی۔ میں جیل میں بھی خاموش رہا مگر روی شنکر کے پالتو کتے اور زیادہ بھونکنے
وہ میری خاموشی کو بزدلی سمجھ رہے تھے۔ مجھے مجبوراً جواب دینا پڑا..... انسپکٹر بلبیر
زمین عقوبت خانے میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تم واقف نہیں ہو۔ مگر جب پانی
اونچا ہو گیا تو مجھے اپنی پلکوں کو جنبش دینی پڑی، تین آدمی مارے گئے۔ گولیاں میں
چلائی تھیں..... اُن کے دماغ پلٹ دیئے تھے۔ بلبیر کا انجام بھی خطرناک ہوا۔'' میں
وحشت پر قابو نہ پا سکا۔ مرلی نے امر لال کو سورگ باشی اور مہاراج کہہ کر میرے تن
میں آگ لگا دی تھی۔ میں دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ ''روی شنکر نے کمینگی کی چالیں
شروع کر دیں۔ میں گاڑی کا رُخ تبدیل نہ کراتا تو میرے ساتھ ساتھ تمہارے جسم
چیتھڑے بھی بکھر جاتے۔ دشمن جشن مناتے، میری لاش پر رونے والا کوئی نہ ہوتا۔ ڈی
نے پھر حماقت کا ثبوت دیا، پنڈت پربھودیال کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔ اُس کا خیال تھا
کے عتاب کی مدت پوری ہونے سے پہلے میں ہاتھ پیر نہیں چلا سکوں گا۔ وہ بھول گیا

دُرگا کی شکتی حرفِ آخر نہیں ہے، ایک ایسی قوت بھی ہے جس کے آگے ساری قوتیں ہیچ
ہیں۔ ساری دھرتی کی مہان شکتیاں سر جوڑ کر بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس کا ایک
اشارہ ہی بہت ہے، تمام کائنات رُوئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتی نظر آئے گی۔
میں سانس لینے کے ارادے سے رُکا۔ مرلی دم بخود بیٹھا اپنے ایک نامکمل جملے کی غلطی
پر پچھتا رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی۔
''روی شنکر کی آنکھیں اب کھل چکی ہوں گی۔ وہ دوبارہ کوئی غلطی نہیں کرے گا۔ میری
طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھنے کی گستاخی کے تصور سے بھی کانپ کر رہ جائے گا۔ تم بھی ایک
ذمہ دار آفیسر ہو مرلی، حالات تم سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ تمہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ میں
کس منزل کا مسافر ہوں..... تم نے امر لال کو سورگ باشی اور مہاراج کہہ کر اچھا نہیں
کیا..... آگ لگا دی میرے سینے میں۔''
''مجھ سے بھول ہو گئی مہاراج.....'' مرلی میری خون اُگلتی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا،
ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''اس بار اور شما کر دو، پھر ایسی غلطی نہیں ہو گی۔''
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سیّد کی لاٹھی پر اُنگلیاں رگڑنے میں مصروف رہا۔
''میرا خیال ہے عدالت میری انکوائری رپورٹ کے بعد تمہارے خلاف کوئی فیصلہ نہیں
کر سکے گی۔'' اُس نے میرا غصہ فرو کرنے کی کوشش کی۔ ''جب کوئی جرم ہی سرزد نہیں ہوا تو
پھر سزا کس بات کی.....؟''
میں کوئی تلخ جواب دینا چاہتا تھا کہ انکارانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں
چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ بڑی متفکر نظر آ رہی تھی۔
''کوئی نئی اطلاع؟'' میں نے اُسے عالمِ تصور میں مخاطب کیا۔
''جمیل.....'' انکا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ ''مرلی سے کہو کہ جتنی جلدی ممکن ہو گھر
پہنچنے کی کوشش کرے۔ ہردوار سے آنے والے ایک پجاری نے اس کے گھر کو آگ لگا دی
ہے۔ اس میں پنڈت نول کشور کی شرارت ہے۔ اُسے بھنک مل گئی ہے کہ مرلی تمہارا ساتھ
دے رہا ہے۔''
''سروجنی اور سادھنا کا کیا بنا؟'' میں نے بڑی عجلت سے پوچھا۔ ''کیا وہ بھی.....''
''پریشان مت ہو۔'' انکا نے کہا۔ ''مجھے اس پجاری کے من کا بھید ذرا دیر میں معلوم

ہوا۔لیکن میں نے سروجنی اور سادھنا کو بچا لیا۔ وہ دونوں پجاری کے ہاتھ نہیں لگیں اور
اُس کا ارادہ یہی تھا کہ انہیں بھی زندہ جلا دے۔ میں نے اُنہیں حفاظت سے مرلی
پڑوس میں رہنے والے ڈاکٹر کے گھر پہنچا دیا ہے۔ فائر بریگیڈ والے آگ بجھانے
کوششوں میں مصروف ہیں۔''

''پجاری اس وقت کہاں ہے؟'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔''کیا تم نے اُسے بھڑ
ہوئی آگ کا ایندھن نہیں بنایا؟''

''نہیں..... میں نے اُسے زندہ چھوڑ دیا ہے۔کل عدالت میں وہ بھی موجود ہوگا۔''ا
کا لہجہ معنی خیز تھا۔''اُس کا فیصلہ تم بھری عدالت میں کر دینا۔''

''کیا سوچ رہے ہو مہاراج.....؟'' مرلی نے میری خاموشی اور چہرے کے بد
تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔''میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ سروجنی بھی تمہیں
دیوتاؤں سمان پوجتی ہے۔اُس نے وقتی طور پر چپ سادھ لی ہے لیکن اندر ہی اندر سلگ رہی
ہے۔ ذرا سمے کچھ اور بیت جائے، پھر دیکھنا۔ روی شنکر میرے آگے پیچھے ہاتھ باندھے
گھومتا پھرے تو نام بدل دینا.....''

''کب تک ساتھ دے سکو گے.....؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جب تک شریر اور آتما کا سمبندھ قائم ہے، میں قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔'' مرلی
ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''سوچ لو..... میرا ساتھ دینا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ بڑے خسارے میں رہو گے۔

''تم کوئی حکم دے کر آزما لو، میں ہر امتحان میں پورا اُتروں گا۔''

میں نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ مرلی کے نقصان پر غور کرنے لگا۔ میری
سے وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔

''تم دیر کیوں کر رہے ہو جمیل؟'' انکا نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

میں نے انکا کو جواب دینے کی بجائے آنکھیں کھول کر مرلی کو دیکھا، مدھم مگر ٹھوس
میں بولا۔

''شانت رہ کر میری بات سنو مرلی، میرے پاس تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں
..... وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، میرے دشمن اونچے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں۔ وہ نہیں چا

کہ تم میرا ساتھ دو۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' مرلی کسمسانے لگا۔

''اُنہوں نے تمہارے اپارٹمنٹ کو آگ لگا دی ہے۔'' میں نے خلاء میں گھورتے
ہوئے کہا۔''فائر بریگیڈ والے بھڑکتے شعلوں کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہت کچھ
جل چکا، جو باقی بچے گا وہ بھی کسی کام کا نہیں رہے گا۔''

''سروجنی کا کیا بنا مہاراج.....؟'' مرلی نے ساز و سامان کی بجائے اپنی لکشمی کے
بارے میں بے چینی سے دریافت کیا۔

''وہ اور سادھنا دونوں خیریت سے ہیں۔تمہارے پڑوسی ڈاکٹر کے گھر میں محفوظ ہیں۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے.....؟'' مرلی نے بڑے حوصلے سے سوال کیا۔

''جلد بازی سے کام نہ لینا، ورنہ دشمنوں کو ہنسنے کا موقع مل جائے گا۔'' میں نے اُسے
تسلی دی۔''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا سارا نقصان پورا کرنے کی ذمہ داری
میری ہے۔''

''ایک بات اور بتا دو مہاراج.....'' مرلی نے بڑی عقیدت سے کہا۔''جب تم نے
آنکھیں بند کر کے اتنی دُور سے میرے اپارٹمنٹ کو جلتے دیکھ لیا تو تمہیں یہ بھی ضرور معلوم ہو
گا کہ اس کا ذمہ دار کون ہے.....؟''

''میں نے تمہیں شانت رہنے کو کہا تھا۔ ایک دن اور صبر کر لو، وہ دشٹ بھی سامنے آ
جائے گا جس نے تمہارے نیشمن کو آگ لگانے کی بھول کی ہے۔''

مرلی نے اصرار نہیں کیا۔ جھک کر پرنام کیا، پھر تیزی سے واپس چلا گیا۔ دروازے کو
پھر تالا لگا دیا گیا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ تھانے کے سارے عملے کو انسپکٹر کی وردی اُترنے کی کہانی
معلوم ہو چکی تھی۔ پھر بھی وہ احمق بار بار لاک اپ کا تالا کھولنے اور بند کرنے کی ڈیوٹی
انجام دے رہے تھے۔

''جمیل.....'' مرلی کے جانے کے بعد انکا نے مجھے مخاطب کیا۔''اب تم نے کیا سوچا
ہے؟ کل عدالت عدم ثبوت کی روشنی میں تمہیں آزاد کرنے کا فیصلہ سنا دے گی۔ یہ صرف
عدالت کا فیصلہ ہوگا۔ دُرگا کے مندر میں کچھ اور فیصلہ کیا گیا ہے..... وہ تمہیں گھیرنے کی
کوشش کریں گے۔ ہردوار سے پنڈت پجاریوں کی جو ٹولی آئی ہے وہ بڑے اُونچے سپنے

دیکھ رہی ہے۔''

''کجرا یا نندنی جیسی کوئی پجارن نہیں بھیجی نول کشور نے؟'' میں نے بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''میرا دل بھی بہل جاتا، تمہاری من پسند غذا بھی میسر آجاتی۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو جمیل..... تم؟'' انکا نے بڑی خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔ ''مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا۔''

میں نے جواب میں مسکرا کر انکارانی کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق دیکھی۔ وہ اِترائی، بل کھائی میرے کندھے پر آگئی، بڑی لگاوٹ سے بولی۔

''اسی طرح خوش رہا کرو..... اچھے لگتے ہو.....''

''جو پنڈت پجاری مجھ پر جال ڈالنے آئے ہیں، اُن کی تعداد کیا ہے.....؟'' میں نے قدرے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟'' انکا اٹھلا کر بولی۔ ''پریتم لال مہاراج نے اپنی کرپا سے تمہاری داسی کو جو شکتیاں دان کی ہیں وہ کس دن کام آئیں گی؟ تم صرف تماشہ دیکھتے رہنا۔ تمہارے دشمنوں کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔''

''اب بمبئی سے نکلنے کی بات کرو۔'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔ ''یہ میری منزل نہیں ہے، تم بھی جانتی ہو۔''

''تزئین اور سید غوث سے ملے بغیر چلے جاؤ گے.....؟''

''ہندوستان میں میرے اور بھی بہت سارے واقف کار ہیں۔ مجھے حیدر آباد بھی جانا ہے۔ رکن الدین کی حویلی میں بھی کچھ جانے پہچانے چہرے میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ گلبرگہ پہنچ کر حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر بھی حاضری دینی ہے۔ سیّد مجذوب سے مل کر اُن کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔ کس کس کا ذکر کروں.....؟'' میرے لہجے میں اُداسی اُتر آئی۔ ''میسور کی پہاڑیاں یاد ہیں تمہیں؟ وہیں پریتم لال کی کٹیا میں کلدیپ نے اپنی جوانی کے دن اور اُمنگوں کی راتیں قربان کر دی تھیں۔ اب تو وہ جھونپڑی بھی اُجڑ چکی ہوگی۔ خاک اور دُھول اُڑ رہی ہوگی ہر سمت۔ میں وہاں بھی جانا چاہتا ہوں۔ شاید کلدیپ کی بے چین رُوح وہاں ابھی تک میرا انتظار کر رہی ہو۔ وہی میری آخری منزل، میرا آخری ٹھکانا ہوگا۔ پریتم لال کی آتما نے لندن کے ہسپتال میں مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس کا ایک ایک لفظ میرے

دل و دماغ میں محفوظ ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہا ہوں گا۔ جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکوں گا۔ مجھے کٹھن منزلیں سر کرنی ہوں گی۔ میں پتھر کی اتنی ٹھوس مورتی یا کوئی ایسی آہنی چٹان نہیں بن سکوں گا جس پر زمانے کے سرد و گرم کا زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ اُس نے جو کچھ کہا تھا ممکن ہے ٹھیک ہی کہا ہو۔ مجھے اپنے بارے میں زیادہ خوش فہمی بھی نہیں ہے۔ لیکن میں اب تنگ آچکا ہوں، جو کام جتنی جلدی پورا ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے..... میں اپنی تزئین سے ضرور ملوں گا۔ اُس کے رُوپ میں مجھے اپنی نرگس بھی نظر آجاتی ہے۔ کلدیپ کا پیار بھی چھلکتا نظر آتا ہے۔ مجھے سید غوث کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جس نے تزئین کا بوجھ میرے کاندھوں سے اُتار دیا تھا۔ مگر ان تمام کاموں سے پہلے مجھے پنڈت نول کشور کے تناور درخت کو جڑ سے اُکھاڑنا ہے۔ وہ بچ گیا تو ہندوستان کے سرپھرے پنڈت پجاری اُس کے وجود سے میرے خلاف زہر کشید کرتے رہیں گے۔ امر لال جیسے زہریلے سانپ کے اُس سنپولے چندرا کو بھی ٹھکانے لگانا ہے جس نے پیدا ہوتے ہی بغیر سوچے سمجھے مجھ سے دشمنی مول لے لی۔''

''چندرا کو بھڑکانے کی ذمہ داری بھی نول کشور پر عائد ہوتی ہے۔'' انکا نے حقارت سے کہا۔ ''وہی سب کی ڈور تھامے انہیں اپنے اشارے پر کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہا ہے۔''

''سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں انکارانی۔'' میں سرد لہجے میں بولا۔ ''کوئی کم، کوئی زیادہ.....''

''تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' انکا نے بڑے پیار سے میرے گال پر نرم نرم اُنگلیاں پھیرتے ہوئے تسلی دی۔ ''تم بس خوش رہا کرو۔ ہنستے بولتے رہا کرو۔ سنجیدہ ہو کر جذباتی باتیں شروع کر دیتے ہو تو ذرا اچھے نہیں لگتے۔''

''سادھنا کی بات کروں.....؟'' میں نے یوں ہی اُس کی خوشنودی کی خاطر پوچھ لیا۔

''ہائے جمیل، تم نے کس قیامت کا نام لے لیا۔ پیاس بھڑک اُٹھی میری۔'' انکا ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ میں سمجھ رہا تھا، وہ میری توجہ ہٹانے کی خاطر موضوع بدلنے کی خواہشمند تھی۔ میں اُس کی اداکاری پر مسکرا دیا..... وہ اور شوخیاں کرنے لگی.....!!

دوسرے دن مجھے عدالت میں پیش کیا گیا۔ مرلی حسب وعدہ میرے ساتھ تھا۔ اپنی جگہ وہ حالات کے پیش نظر کسی دوسرے افسر کو بھی تعینات کر سکتا تھا۔ اُس کے گھر کو نذر آتش کر

دیا گیا تھا، اُس کا عذر قابل قبول ہوتا۔ لیکن اُس نے بڑے حوصلے اور ہمت کا ثبوت دیا۔ ٹھیک وقت پر مجھے لینے آ گیا۔ میں نے اُس کو بغور دیکھا۔ اُس کے چہرے پر گھر جل جانے کا کوئی ملال نہیں تھا۔

''مرلی.....'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔ ''سروجنی اور سادھنا کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟''

''وہ دونوں محفوظ ہیں۔ بڑی کرپا کر دی بھگوان نے۔'' مرلی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''سروجنی بتا رہی تھی کہ اگر ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو اس کا آگ کے شعلوں سے بچ نکلنا مشکل ہو جاتا۔''

''سامان کا کیا بنا.....؟'' میں نے آہستہ سے دریافت کیا۔

''سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔'' مرلی بے پرواہی سے بولا۔ ''سروجنی کو بھی کوئی پرواہ نہیں ہے، مجھے بھی ملال نہیں ہوا۔ سامان کا کیا ہے، بازار سے دوسرا آ جائے گا۔ سروجنی کو بھگوان نہ کرے کچھ ہو جاتا تو.....'' مرلی کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔

''دھیرج سے کام لو.....'' میں نے اُسے سمجھایا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ایک بات اور بتاؤں آپ کو.....'' اُس نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آتشزدگی کی رپورٹ بھی نہیں لکھوائی۔''

''کیوں.....؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے بارے میں طے کر لیا جائے تو پھر تھانہ کچہری کی دردسری مول نہیں لینی چاہئے۔'' مرلی کے لہجے میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ''سروجنی نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔''

''سن رہے ہو جمیل اس ڈی ایس پی کی باتیں؟'' انکا چپ نہ رہ سکی۔ ''کس دیدہ دلیری سے نقصان برداشت کرنے کی باتیں کر رہا ہے۔ جتنی مالیت کا سامان کوئلہ بنا ہے اس سے دوگنی رقم تو یہ ہر مہینے بطور رشوت ہڑپ کر جاتا ہے۔ تعلقات بڑھانے کی خاطر آئے دن دعوتوں پر جو خرچ ہوتا ہے وہ الگ ہے۔ اس کے علاوہ سروجنی خود بھی کسی ٹکسال سے کم نہیں ہے۔ اُس کے چاہنے والے.....''

''چپ ہو جاؤ انکارانی۔'' میں نے اُسے ٹوک دیا۔ ''جہاں گنگا کھلے عام بہہ رہی ہو

وہاں کوئی بھی ہاتھ دھو سکتا ہے۔''

''مجھے گنگا سے زیادہ جمنا کے بچ جانے کی خوشی ہے۔'' انکا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''بمبئی سے روانگی سے قبل تم بھی اپنی تھکن اور بدن کی کثافتیں اُتار لینا۔ میں بھی تازہ دم ہو لوں گی۔''

''تم نے اتنی خوبصورت باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟'' میں اُس کے برجستہ جملے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

''تمہاری صحبت کا نتیجہ ہے.....'' انکا نے جھک کر سلام کیا۔

''صحبت کا مطلب سمجھتی ہو؟'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ میرا مفہوم سمجھ کر شرما گئی۔

عدالت کے راستے میں میرے اور مرلی کے درمیان اُس کے اپارٹمنٹ میں لگنے والی آگ کی بات ہوتی رہی۔ مرلی مجھے تفصیل بتاتا رہا، انکا اُس کے جملوں پر منہ بناتی رہی۔

گاڑی عدالت کے احاطے میں جا کر رُکی تو پولیس کے جو دستے وہاں تعینات تھے یکدم چوکس نظر آنے لگے۔ میں نے گاڑی سے باہر آ کر اطراف کا جائزہ لیا، دُور دُور تک کوئی پنڈت یا پجاری نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے تعجب ہوا۔ انکا نے کہا تھا کہ دُرگا کے مندر میں ہر دوار سے آنے والوں نے میرے سلسلے میں عدالت کے برعکس فیصلے کئے تھے۔ میں نے سر پر نظر ڈالی۔ انکا بھی موجود نہیں تھی۔ شاید وہ حالات کی سن گن لینے کی خاطر چلی گئی تھی۔

پولیس کے کمانڈوز نے گاڑی سے باہر نکلتے ہی مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مرلی نے اشارہ کیا، میں عدالت کی سمت قدم بڑھانے لگا۔ آج مجھے صرف ہتھکڑی لگائی گئی، بیڑیاں ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ وہ میری وحشت اور جنون کا تماشہ دیکھ چکے تھے اس لئے نرمی پر اُتر آئے تھے۔

میں نے عدالت میں قدم رکھا تو سرکاری اہلکاروں کی نظریں میری جانب اُٹھ گئیں۔ میں نے طمانیت محسوس کی۔ اپنا سینہ اور کشادہ کر لیا۔ میں اُنہیں بتانا چاہتا تھا کہ اُن کی بھاری نفری کے مقابلے میں میری تنہا ذات زیادہ اہم تھی۔ مرلی نے مجھے ایک طرف بٹھا دیا۔ سنگین بردار، چوکیداروں کی طرح میری حفاظت پر تعینات ہو گئے۔ کچھ دیر بعد میرا نام بلند آواز میں پکارا گیا۔ میں اُٹھ کر عدالت کے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔ عدالت کی مشینری

حرکت میں آ گئی۔ استغاثے کے وکیل اور اُس وکیل میں دلچسپ مکالمے بازی شروع ہو
جو میری طرف سے مرلی نے کھڑا کیا تھا۔ میں نے ان کی بحث اور تکرار پر کوئی توجہ نہ دی
میں عدالت میں کھچا کھچ بھرے ہوئے افراد کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی، میر
نظریں ایک دراز قد شخص پر پہنچ کر رُک گئیں جو داخلی دروازے کے قریب کھڑا کسمسا
تھا۔ اُس نے سیدھا سادھا لباس پہن رکھا تھا لیکن چہرے پر نظر آنے والی گھنی اور اُلجھ
اُلجھی داڑھی نے اُس کی پول کھول دی۔ وہ کوئی عام انسان ہوتا تو لباس کی طرح داڑھی
نفاست کا بھی ضرور خیال رکھتا۔ میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ مجھے اپنی قیافہ شناسی
اعتماد تھا۔ انکا رانی نے بھی بڑے یقین سے کہا تھا کہ جس سادھو نے مرلی کے اپارٹمنٹ
ماچس کی تیلی دکھائی تھی وہ عدالت میں موجود ہوگا۔ انکا نے مجھے بھری عدالت میں اُس
تقدیر کا فیصلہ سنانے کی اجازت بھی دی تھی۔

وکیلوں کے درمیان گرما گرم بحث کا سلسلہ ختم ہوا تو فاضل جج نے بطورِ خاص روی شنکر
کٹہرے میں طلب کیا۔ میں اُسے پہلے نہیں دیکھ سکا تھا، اُس کا نام سن کر چونکا۔ وہ تیسرے
قطار سے نمودار ہوا تو مجھے شرارت سوجھ گئی۔ میں نے ایک آزمودہ عمل کا مظاہرہ کیا، روی
شنکر نشستوں کے درمیان سے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ میں نے اُس کی طرف دیکھ کر پھونک
ماری تو وہ ایک خوبصورت مرہٹی جوان عورت سے گتھم گتھا ہو گیا۔ عورت کے شوہر نے تاڑ
کہ وہ حرکت اتفاقیہ نہیں تھی۔ بات عدالت سے باہر کی ہوتی تو وہ یقیناً ڈی آئی جی سے اُلجھ
پڑتا۔ پھر بھی اُس نے بڑی حقارت سے روی شنکر کو شانوں سے پکڑ کر آگے کی جانب دھکیل
دیا۔ قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے من چلے لوگوں نے جملے کسے۔ لیکن جج نے آرڈر آرڈر
آواز بلند کی تو سب محتاط ہو گئے۔ روی شنکر جھینپا جھینپا سا نظر آ رہا تھا، بڑی مشکل سے
کٹہرے تک پہنچا۔

''کیا آپ کو جمیل احمد خاں کے بارے میں کچھ کہنا ہے.....؟'' جج نے سنجیدگی سے
سوال کیا۔

''جی نہیں.....'' روی شنکر کا جواب بڑا مختصر تھا۔ میں سمجھ گیا کہ جج نے اُسے انکا
اُکسانے پر کٹہرے میں طلب کیا ہوگا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ مجرم کو کیوں گرفتار کیا گیا تھا.....؟''

''اس پر پنڈت اوم پرکاش کو قتل کرنے کا شبہ کیا جا رہا تھا۔'' روی شنکر نے سپاٹ لہجے
میں جواب دیا۔ اُس کی آواز میں گرمجوشی نام کو بھی نہیں تھی۔

''لیکن استغاثہ جرم ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' جج نے روی شنکر کو بغور
دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں فیصلہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن اس کو سنانے سے پیشتر میں مجرم کے سلسلے
میں آپ کی ذاتی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کیا مجرم کے کردار کے بارے میں آپ کے ذہن
میں کوئی ایسی بات ہے جسے آپ عدالت کے ریکارڈ پر لانا پسند کریں گے؟''

''جی نہیں.....''

''مسٹر روی شنکر.....'' جج نے اس بار ٹھوس آواز میں پہلو بدل کر سوال کیا۔ ''کیا آپ
نے اجودھیا کے جانے مانے پنڈت پربھودیال کا نام کبھی سنا ہے.....؟''

''جی..... جی ہاں۔'' روی شنکر کسمسانے لگا۔ مرلی کے علاوہ میں بھی چونکا۔

''مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پنڈت مہاراج دو روز پہلے بمبئی میں موجود
تھے۔'' جج نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ ''میں اُنہیں تلاش کرنے اور ایک ہفتے کے اندر اندر
عدالت کے رُوبرو پیش کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپتا ہوں۔ کارن یہ ہے کہ مجھے ابھی
کچھ دیر پہلے فون پر ایک ایسی اطلاع ملی ہے جس کے بعد پربھودیال کا کھوج لگانا ضروری
ہو گیا ہے۔''

''میں پوری پوری کوشش کروں گا یور آنر.....'' روی شنکر نے سنبھل کر کہا۔ لیکن میں یہ
محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے چہرے پر ماتمی تاثرات بڑی سرعت سے طاری ہو رہے تھے۔
کچھ اور وردی والوں نے بھی سٹپٹانا شروع کر دیا۔

''کیا آپ کو کبھی پنڈت مہاراج کے درشن ہوئے ہیں.....؟''

''جی..... جی نہیں۔'' روی شنکر نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

روی شنکر کو کٹہرے سے جانے کی اجازت مل گئی۔ میں نے دوبارہ ہلکی سی پھونک ماری،
اس بار وہ لڑکھڑا کر مرلی سے ٹکرا گیا۔ لوگوں کے لبوں پر دوبارہ تبسم جاگ اُٹھا۔ مرلی نے
سہارا دے کر اُسے ایک خالی کرسی تک پہنچا دیا۔

عدالت نے اپنا فیصلہ سنایا۔ انکا رانی نے غلط پیش گوئی نہیں کی تھی۔ عدم ثبوت اور
پھس پھسے گواہوں کی بے ربط گواہیوں میں کوئی وزن نہ ہونے کے سبب مجھے باعزت طور

پر رہا کر دیا گیا۔ مرلی کے چہرے پر فتح کی علامتیں جاگ اُٹھیں۔ اُس نے آگے بڑ
میری ہتھکڑی کھول دی۔ انکا میرے سر پر آ کر خوشی سے تھرکنے لگی۔

''جس نے تمہارے گھونسلے کو تیلی دکھائی تھی وہ بھی اس وقت عدالت میں موجود ہے
میں نے مرلی سے سرگوشی کی۔

''کہاں.....؟'' مرلی کی نگاہوں میں چنگاریاں سلگنے لگیں۔

''تم اجازت دو تو میں اس کا کریا کرم کر دُوں؟'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

''آپ مالک ہیں مہاراج، لیکن.....''

میں نے مرلی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ جج دوسرے کیس کی فائل اُٹھا چکا تھا۔ میں
ایک نظر مشتبہ سادھو پر ڈالی، میری رہائی کا فیصلہ سن کر اُس کی پیشانی پر متعدد سلوٹیں اُبھر آ
تھیں۔ میں نے نظر گھما کر جج کو دیکھا، پھر بڑے ادب سے اُسے مخاطب کیا۔

''یور آنر.....ابھی آپ نے پنڈت پربھو دیال کے بارے میں ڈی آئی جی صاحب کو حکم
دیا تھا کہ کھوج لگا کر اُسے عدالت کے رُوبرو پیش کیا جائے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو.....؟'' جج نے مجھے غور سے دیکھا۔ اُس کی نگاہوں میں کئی سوال
گڈمڈ ہوتے نظر آئے۔

''عدالت میں اس وقت ایک ایسا سادھو موجود ہے جو پربھو دیال کے بارے میں بہت
کچھ کہنا چاہتا ہے۔'' میں نے 'بہت کچھ' پر خاص طور سے زور دیا۔

''تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا.....؟''

''عدالت میں داخل ہوتے وقت وہ ایک پل کو میرے قریب آیا تھا۔ اُس نے
درخواست کی تھی کہ میں اس کا پیغام آپ تک پہنچا دُوں۔'' میں نے بڑی صفائی سے جھوٹ
بولا۔ انکا میرا اشارہ سمجھ کر سر سے رینگ گئی۔ میں نے مسمسی صورت بنا کر اپنی بات جاری
رکھی۔ ''اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا یور آنر۔''

مرلی حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ روی شنکر کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔
میں نے جس شخص پر سادھو ہونے کا شبہ کیا تھا وہ کسی روبوٹ کی طرح قدم اُٹھاتا عدالت
کے سامنے آ گیا۔

''تم کچھ کہنا چاہتے ہو پنڈت پربھو دیال کے سلسلے میں؟'' جج نے اُسے سر سے پاؤں

تک گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

''ہاں سرکار۔'' پجاری ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''اگر آپ مجھے پنڈت مہاراج کے سلسلے میں
بولنے کا موقع دیں تو میں آپ کا ابکار کبھی نہیں بھولوں گا۔''

''جو کچھ کہنا ہے کٹہرے میں آ کر کہو.....'' جج نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔ پجاری جوانکا
رانی کے تیر نیچوں کی چبھن کے بعد اُس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور تھا، قدم بڑھاتا
کٹہرے میں داخل ہو گیا۔

''سرکار، میرا نام منوہر ہے۔ کئی ورشوں سے سورگ باشی پربھو دیال مہاراج کی سیوا کر
رہا تھا۔'' سادھو نے بسورتے ہوئے کہا۔

''سورگ باشی (جنت نصیب) کے حوالے پر جج اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ روی شنکر
کے چہرے کا رنگ بھی فق ہو گیا۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے مہاراج.....؟'' مرلی نے مجھ سے سرگوشی کی۔ ''اسے پربھو دیال
کے بارے میں.....''

''تماشہ دیکھتے رہو۔'' میں نے دبی زبان میں کہا۔ ''تالیاں بجانے کی کوشش مت کرو
ورنہ بلاوجہ لپیٹے میں آ جاؤ گے۔ روی شنکر کو صرف مجھ پر شبہ کرنے دو۔ وہ میرے سامنے قدم
نہیں جما سکتا۔ تم نے غلطی کی تو اس کے گرگے تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''تم جانتے ہو کہ اس وقت عدالت کے روبرو کیا بیان دے رہے ہو؟'' جج نے پجاری
منوہر کو غور سے دیکھا۔

جواب میں منوہر انکا رانی کے اشارے پر ریکارڈ کی طرح بجنے لگا۔ اُس نے میرا نام
درمیان سے نکال کر پنڈت پربھو دیال کی موت کی بھیانک کہانی سنا دی۔ رو رو کر عدالت کو
بتایا کہ روی شنکر نے پنڈت کو اجودھیا سے کسی کام سے بلایا تھا۔ وہ پنڈت سے کوئی ناجائز
کام لینا چاہتا تھا۔ پربھو دیال نے انکار کیا تو اسے بھڑکتی آگ میں جھونک کر کوئلہ بنا دیا گیا۔
اس کے جسم کو خاموشی سے گڑھا کھود کر دبا دیا گیا۔ منوہر نے ان لوگوں کے نام بھی بتائے
جنہوں نے پنڈت کی لاش کو ٹھکانے لگایا تھا۔ جگہ کی نشاندہی بھی کر دی۔ عدالت میں موجود
افراد مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگے۔ سب ہی کی نظریں بار بار روی شنکر اور منوہر کی جانب
اُٹھ رہی تھیں۔ میں خاموش کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔

''تمہیں اس قدر تفصیل سے تمام باتوں کا علم کس طرح ہوا.....؟'' جج نے پجاری منو
کو تیز نظروں سے گھورا۔

''کل رات مہاراج نے سپنے میں درشن دیا تھا۔'' منوہر بڑی عقیدت سے جھومتا
بولا۔ ''سب کچھ مہاراج ہی نے بتایا ہے۔ یہ حکم بھی دیا تھا کہ سرکار کے سامنے پیش ہو
سارا کچا چٹھا بیان کردُوں، پھر جو سرکار کو منظور ہو.....''

عدالت نے مختلف زاویوں سے منوہر کو ٹٹولنے اور کریدنے کی کوشش کی، وہ ایک
بیان پر ڈٹا رہا تو عدالت کے حکم پر اُسے اور روی شنکر دونوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ مر
مرلی کا ہاتھ تھام کر باہر آ گیا۔

''میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے مہاراج۔'' مرلی نے باہر آ کر کہا۔ ''یہ اچنبھا کیسے ہ
گیا؟ اگر منوہر ہی نے روی شنکر کے اشارے پر میرے گھر کو پھونکا تھا تو پھر اُس کے خلاف
کیوں ہو گیا؟ پنڈت پربھو دیال کی جلی ہوئی لاش کو کہاں دبایا گیا؟..... یہ بات تو میرے
فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔ مجھے سمجھاؤ مہاراج..... یہ کیا کہانی ہے؟''

''یہ چمتکار تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''تم نے او
سروجنی نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی۔ تم گواہ ہو کہ میں نے خاموشی سے نکل جانا چاہا، ز
نے میرا راستہ روک لیا۔ روی شنکر اور اُس کے نادان چیلے ہم دونوں کے خلاف ہو گئے۔ میر
کچھ نہ بگاڑ سکے تو تمہارا گھر جلا دیا۔ پربھو دیال نے بھی مجھے پہچاننے میں غلطی کی۔ وہ مجھے
اپنی شکتی کے بل پر ٹھکانے لگانے کی خاطر حملے کرتا رہا، میں خاموش کھڑا اُسے سمجھاتا رہا
اُس نے میری بات نہیں مانی۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا۔ وہ جل کر کوئلہ بن گیا.....'' میں زہرخند
سے بولا۔ ''میری خاطر آج عدالت سجائی گئی۔ روی شنکر اور پجاری منوہر دونوں موجود تھے۔
میں نے تم سے کل کہا تھا نا کہ ایک دن اور انتظار کر لو، جس نے آگ لگائی ہے وہ بھی سامنے
آ جائے گا۔ سو وہ آ گیا۔ میں نے ایک تیر سے تمہارے دونوں دشمنوں کا بندوبست کر دیا۔
لیکن کھیل ابھی ختم نہیں ہوا۔'' میں نے انکا کی بات یاد کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
''عدالت نے میری رہائی کا فیصلہ سنا دیا ہے لیکن پنڈت پجاریوں کی ایک ٹولی ہردوار سے
بھی بھیجی گئی ہے۔ پنڈت نول کشور نے اُن کے دلوں میں زہر بو کر میرے مقابلے پر آمادہ
کیا ہے۔ وہ کہیں آس پاس ہی مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کی خاطر گھات لگائے بیٹھے

ہوں گے۔ موقع پاتے ہی ٹوٹ پڑیں گے۔ تم چاہو تو خاموشی سے اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔
میں اُن سے نمٹ لوں گا۔''

''نہیں مہاراج..... نہیں۔'' مرلی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ''میں کائر نہیں ہوں جو ڈر کر
بھاگ جاؤں۔ تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔''

میں اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے کوئی پنڈت یا پجاری نظر نہیں آیا لیکن انکا نے جو کہا
تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ لازوال قوتوں کی مالک تھی۔ ''میرے دشمن ضرور کہیں قریب
چھپے ہوں گے۔'' میں نے سوچا۔ انہوں نے عدالت کے باہر چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں سمجھی ہو
گی۔ وہ دُور سے چل کر آئے تھے، ہردوار سے روانگی سے قبل پنڈت نول کشور نے انہیں
میرے بارے میں تفصیل سے بتایا ہوگا۔ محتاط رہ کر بھرپور وار کرنے کی تلقین کی ہوگی۔ ممکن
ہے عدالت میں بھی اُن کے ایک دو مخبر موجود رہے ہوں۔ جج کا فیصلہ سن لینے اور اپنے ایک
ساتھی کا انجام دیکھ لینے کے بعد وہ اور زیادہ محتاط ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت بھی
باہمی مشورے میں مصروف ہوں۔ اُنہوں نے اپنے پروگرام میں فوری طور پر کوئی تبدیلی کر
لی ہو..... اور بھی کئی امکانات ہو سکتے تھے۔

''کس وچار میں گم ہو مہاراج.....؟'' مرلی نے کہا۔ ''میری ایک گاڑی مع ڈرائیور باہر
موجود ہے۔ اس سے پیشتر کہ ہمیں کوئی نئی رُکاوٹ درپیش ہو، یہاں سے نکل چلو۔ عدالت
کے آس پاس کوئی ہنگامہ مناسب نہیں ہوگا۔''

مرلی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ میں کھلی جگہ میں کھڑا تھا، کسی عمارت کے فلیٹ سے چھپ کر
چلائی جانے والی کوئی گولی بڑی آسانی سے میرے وجود کو چاٹ سکتی تھی۔ میں نے فوری طور
پر ارتکاز اور مراقبے کی ایک مشق کی، اپنے گرد حصار باندھا، پھر مرلی کے ساتھ قدم بڑھاتا
عدالت کے احاطے سے باہر آ گیا جہاں ایک جھلملاتی کار پہلے سے موجود تھی۔ ڈرائیور نے
دُور سے مرلی کو دیکھ لیا تھا۔ اُس نے باہر نکل کر ہمارا استقبال کیا۔ میں اور مرلی پچھلی نشست
پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سنبھالا۔

''کہاں چلنا ہے سر.....؟'' اُس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مرلی سے دریافت کیا۔

''چوپاٹی.....'' مرلی کا جواب مختصر تھا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔ میں آنے والے
حالات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ انکا واپس نہیں آئی تھی۔ شاید ابھی تک وہ سادھو منوہر

کے سر پر سوار ہوگی۔ ممکن ہے جج نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا ہو۔ ڈی آئی جی کو حراست
لینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اُس نے یقیناً احتجاج کیا ہوگا۔ وہاں اُس کے گرگے
موجود تھے، وہ بھی شور کر سکتے تھے۔ وکیلوں نے بھی احتجاج کیا ہوگا۔ حالات کے پیشِ نظر
بھی ممکن تھا کہ فاضل جج نے حراست کے احکامات کو ہاؤس اریسٹ میں تبدیل کر دیا
روی شنکر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، اپنے میدان کا منجھا ہوا کھلاڑی ہوگا۔ نہ ہوتا تو
فیصلے کرنے کی بجائے حد میں رہ کر بھی اپنے فرائض انجام دے سکتا تھا، مجھے مروانے کا
کبھی نہ اُٹھاتا..... معاً میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھرا..... ہوسکتا
روی شنکر کے کسی جاں نثار نے پجاری منوہر ہی کو ٹھکانے لگا دیا ہو۔

''یہ تم نے لمبا راستہ کیوں اختیار کیا.....؟'' مرلی نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ میری
بٹ گئی۔

''دوسری روڈ بلاک ہے سر۔'' ڈرائیور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کچھ دیر پیشتر ایک حادثہ
گیا تھا۔ پولیس نے ٹریفک کا رُخ متبادل راستوں کی جانب موڑنا شروع کر دیا ہے۔''

میرے ذہن میں ایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ مرلی کا ڈرائیور تھا تو قابلِ اعتماد بھی رہا ہوگا۔
نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے اُس نے جان بوجھ کر حادثے کا بہانہ تراشا تھا۔ میں
آنکھیں بند کر کے نندا کے بتائے ہوئے ایک عمل کو پڑھنا شروع کیا۔ میری نگاہوں
آگے سے اندھیرے چھٹنے لگے۔ اصل صورت حال میرے اوپر اشاروں کنایوں
منکشف ہوگئی۔ میں نے نظریں کھول کر ڈرائیور کو دیکھا، وہ بڑے اطمینان سے گا
چلانے میں مصروف تھا۔

''تمہارا شبھ نام.....؟'' میں نے اُسے مخاطب کیا۔

''سیوک کو لچپت رام کہتے ہیں۔''

میں کوئی دوسرا سوال کرنا چاہتا تھا کہ انکا رانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی مانوس
میرے کانوں میں گونجی۔

''یہ جس راستے پر چل رہا ہے، اسی پر چلنے دو.....''

''لیکن میں نے.....''

''تم نے جو کچھ محسوس کیا وہ بھی غلط نہیں ہے۔'' انکا نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے

بات کاٹ کر کہا۔ ''لچپت رام کی جیب میں اس وقت وہ لمبی رقم بھی موجود ہے جو اسے بطور
پیشگی ادا کی گئی ہے۔ کام ہو جانے کے بعد اتنی ہی رقم اور دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

''گویا یہ ہمیں موت کے منہ میں لے جا رہا ہے.....؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''ہمیں نہیں..... صرف اپنے آپ کو۔'' انکا زہر خند سے بولی۔ ''یہ مہکتے ہوئے نوٹوں کی
گڈی بھی بڑی عجیب شے ہوتی ہے۔ انسان کو پلک جھپکتے میں غداری پر آمادہ کر دیتی ہے
..... سیدھے راستے سے بھٹکا دیتی ہے، اندھا کر دیتی ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، سنبھل کر بیٹھ گیا۔ مرلی ابھی تک سادھو منوہر کے سلسلے میں
اُلجھ رہا تھا۔ کئی بار اُس نے مجھ سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ روی شنکر اور منوہر کا انجام کیا
ہوگا؟ میں اُسے بار بار ٹالتا رہا۔

''مہاراج.....'' کچھ توقف کے بعد اُس کے پیٹ میں پھر مروڑ شروع ہوگئی۔ ''کیا
پنڈت پربھو دیال کی لاش برآمد ہو جائے گی؟''

''تم کیوں پریشان ہو رہے ہو.....؟''

''میری بات کا مطلب کچھ اور تھا.....'' اُس نے پہلو بدل کر وضاحت کی۔ ''روی شنکر
نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں، وہ بڑا گھاگ آدمی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس کے
ہاتھ کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جرائم پیشہ افراد سے بھی اُس کے گہرے مراسم ہیں۔
اُس کے آدمی بجلی کی رفتار سے زیادہ پھرتیلے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ عدالت کے کارندوں کی
رسائی سے پہلے ہی وہ لاش کو کسی دُور دراز کے علاقے میں لے جا کر ٹھکانے لگا دیں۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے جمیل.....'' انکا نے مجھے بتایا۔ ''روی شنکر نے حراست کے احکامات
سنتے ہی عدالت میں موجود اپنے ایک خاص آدمی کو کچھ ایسا ہی اشارہ کیا تھا کہ وہ لاش کو کہیں
اور منتقل کر دے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے اس شخص کے ذہن کو بالکل ہی معطل کر
دیا ہے۔ وہ اس وقت خودکشی کے ارادے سے کسی ریلوے کراسنگ کی طرف جا رہا ہوگا۔''

''لچپت رام اس وقت ہمیں کہاں لے جا رہا ہے.....؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہاں سے دو میل کے فاصلے پر کالی کا ایک پرانا مندر ہے۔ مندر کے ساتھ ہی کھیل کا
میدان ہے جو اس وقت عام طور سے سنسان رہتا ہے۔ مندر کے قریب ہی ہردوار سے
آنے والی پنڈت پجاریوں کی ٹولی موجود ہے۔ کسی زمانے میں لچپت رام بھی ہردوار میں رہا

کرتا تھا اسی لئے آسانی سے بک گیا۔''

''اُن کی تعداد کیا ہوگی.....؟''

''تم یہ سوال پہلے بھی کر چکے ہو۔'' انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اس بار تم کچھ نیا بولو گے، صرف تماشہ دیکھو گے۔''

''پریتم لال نے کیا گھول کر پلا دیا ہے.....؟'' میں نے اُسے معنی خیز نظروں سے گھورا۔

''کچھ دیر اور صبر کرلو، اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔''

گاڑی کچھ دیر بعد انکا کے بتائے ہوئے پلے گراؤنڈ میں داخل ہوئی تو مرلی بھی چونکا۔ اُس کے چونکنے کی وجہ بھی پنڈت پجاریوں کی وہ چنڈال چوکڑی تھی جو کالی کے پرانے مندر کے قریب موجود تھی۔ اُن کی تعداد پندرہ بیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن اُن کے چہروں سے عیاں تھا کہ وہ مارنے یا مرجانے کا فیصلہ کر کے آئے تھے۔ گاڑی دیکھتے ہی وہ ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی آنکھوں سے خون اُبلنے لگا۔ لچپت رام نے گاڑی روک دی۔

''گاڑی کیوں روک دی تم نے.....؟'' مرلی چیخا۔ وہ موقع کی نزاکت محسوس کر کے بوکھلا گیا تھا۔

''گاڑی اس نے نہیں، نوٹوں کی اس گڈی نے روکی ہے جو اس کی جیب میں پڑی ہے۔ یہ حرام خور بھی بک گیا.....'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ لچپت رام نے جیب سے ریوالور نکال کر میرے اور مرلی پر تان لیا۔

''یو باسٹرڈ.....'' مرلی تلملانے لگا۔

لچپت رام گالی سن کر بھنا گیا۔ اُس نے فائر کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کوئی حماقت کا ثبوت دے گا۔ لیکن انکارانی کی دُوررس نظریں اُس کے دل کا بھید تاڑ چکی تھیں۔ فائر کی یکے بعد دیگرے چار آوازیں سنائی دیں لیکن ریوالور سے نکلی ہوئی گولیاں پچھلی نشست تک فاصلہ بھی نہ طے کر سکیں، درمیان میں ہی بے اثر ہو کر ہمارے قدموں پر گر گئیں۔ خود لچپت رام بھی دم بخود رہ گیا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

مرلی کی حالت فائر کی آواز سن کر غیر ہوگئی تھی۔ لیکن اُس نے لچپت رام کو پانچویں فائر چلانے کا موقع نہیں دیا، برق رفتاری سے اُٹھ کر سیدھے ہاتھ کا پھندا اُس کے گلے میں ڈال کر اتنی تیزی سے دو تین شدید جھٹکے دیئے کہ لچپت رام اگلی سیٹوں پر ہی ڈھیر ہوگیا۔

اُس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا تھا۔ انکا میرے سر پر کھڑی کولہوں پر ہاتھ رکھے مسکراتی رہی۔

پجاریوں نے گاڑی گھیر لی۔ مرلی بیچ و تاب کھانے لگا۔ میں نے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی، خود دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا، میں ارتکاز اور مراقبے کا عمل کر چکا تھا، ایک اشارہ کرتا وہ سب اوندھے منہ زمین پر ڈھیر ہو جاتے۔ لیکن میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ انکارانی کو پریتم لال نے کیا کیا شکتیاں دان کی تھیں؟ مجھے سامنے دیکھ کر ایک بھاری ڈیل ڈول کا پجاری سینہ تانے آگے بڑھا۔ اُس کی نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے تھے، مجھے حقارت سے گھورتا ہوا بولا۔

''تو تم ہو جمیل احمد خاں؟ پنڈت مہاراج کی زبانی سنا تھا کہ تم نے بڑی دُھوم مچا رکھی ہے۔ تمہاری وجہ سے ہمارے کئی دھرماتما پرلوک سدھار گئے۔ پر نتو میری نظریں تو کچھ اور دیکھ رہی ہیں.....''

''تم شاید نول کشور کی بات کر رہے ہو.....؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ انکا بدستور میرے سر پر کھڑی رہی۔

''زبان کو قابو میں رکھ پاپی، تیرے گندے منہ سے مہاراج کا پوتر نام دوبارہ نکلا تو جلا کر خاک کر دُوں گا۔'' اُس کے تیور خطرناک ہوگئے۔ اُس کے باقی ساتھی بھی بل کھانے لگے۔ مجھے اُس کی جوانی پر رحم آنے لگا۔ دو چار جنتر منتر سیکھ کر وہ بڑا گھمنڈی بن گیا تھا، جمیل احمد خاں کے سامنے سینہ تانے کھڑا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی حماقت کر رہا تھا۔ شاید نول کشور نے اپنے آدمیوں سے میرا مکمل تعارف نہیں کرایا تھا۔ وہ اگر میرے ماضی کی داستان کے ایک حصے سے بھی واقف ہو جاتے تو شاید کبھی میرے سامنے آنے کی غلطی نہ کرتے۔ میرے سینے میں نول کشور کے خلاف طوفان کروٹیں لینے لگا۔ وہ بدبخت کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا تھا، میرے مقابلے میں نوجوان اور ناسمجھ پجاریوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ شاید مجھے قتل و غارت گری میں اُلجھا کر کوئی نئی چال چلنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

''میری بات دھیان سے سنو بالک.....'' میں نے اُس گبرو جوان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بار بار مجھے کیوں اُکساتے ہو؟ تم سے جو کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے، جو کہانیاں سنائی گئی ہیں ان میں

کوئی حقیقت نہیں ہے۔تم نے سن لیا ہوگا کہ سرکاری عدالت نے مجھے کالی داس اور اور پرکاش کے قتل کے سلسلے میں بری کر دیا ہے،تم مجھے کس بات کی سزا دینے کی خاطر گھیر رہے ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے.....؟ پولیس بھی بار بار مجھے شبہے کے طور پر پکڑ لیتی ہے، پر دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔عدالت کے فیصلے کے علاوہ یہ بات بھی تمہارے علم میں آ گئی ہوگی کہ پنڈت پربھو دیال کی بھیانک موت میں روی شنکر کا ہاتھ شامل ہے۔ پجاری منوہر میرا نہیں،تمہارے ہی جتھے کا آدمی ہے۔اُس نے عدالت کے رُوبرو جو بیان دیا ہے وہ سچ ہی ہوگا۔روی شنکر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔تفتیش ہوگی تو نتیجہ بھی تمہارے سامنے آ جائے گا.....تم لوگ بلاوجہ میری ایک جان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟''

''تم ہمیں کیا سمجھانا چاہتے ہو بگلا بھگت؟'' اُس نے مجھے حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔''کیا مہاراج نول کشور نے جو کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے؟''

''ہو سکتا ہے مخبروں نے اُسے بھی غلط بات بتائی ہو۔'' میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔''تم نوجوان ہو،سمجھدار معلوم ہوتے ہو۔تم نے جو دیکھا، جو سنا وہ بھی واپس جا کر پنڈت نول کشور کو بتا دو۔''

''ضرور بتا دیں گے۔'' اُس نے تیکھے انداز میں جواب دیا، پھر سینہ پھلا کر بولا۔''ایک شرط ہے.....تمہیں بھی ہمارے ساتھ ہی ہردوار چلنا ہوگا۔''

''مجھے وہاں لے جا کر کیا کرو گے.....؟''

''وہاں تمہاری آؤ بھگت دُھوم دھام سے کریں گے۔تم سے یہ بھی معلوم کریں گے کہ بدری نرائن مہاراج کو کس دشٹ نے مارا تھا؟ یہ بھی جاننے کی کوشش کریں گے،مہاراج امر لال کو جس سندری نے مندر کی سیڑھیوں پر ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا، اس کا اصل کارن کیا تھا؟ اُس سندر نار اور مہاراج کے درمیان کیا سمبندھ تھا؟''

''چپ ہو جاؤ.....'' میں کلدیپ کی شان میں اُس کی گستاخی برداشت نہ کر سکا تو چیخ پڑا۔''اپنی گندی زبان پر تالے لگا لو۔میں سمجھ گیا تمہارے ذہنوں،تمہارے دلوں میں جو زہر بویا گیا ہے اس سے سیتا پھل کا درخت نہیں اُگ سکتا، ببول کے کانٹے ہی پیدا ہوں گے۔ میری بات مان لو، میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔مجھے مت چھیڑو،تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ مجھ سے اُلجھنے کی حماقت نہ کرو،اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''اور کوئی بھاشن دینا چاہتے ہو تو وہ بھی دے ڈالو۔اس کے بعد ہماری باری ہوگی۔''

اُس نے بدستور میری حیثیت کو نظر انداز کرتے ہوئے طفلانہ انداز میں بات کی۔''یہ بھی جان لو کہ جب ہم بولنا شروع کریں گے تو تمہیں بھاگے راستہ نہیں ملے گا.....کیا سمجھے؟''

میں غصے کے باوجود مسکرا دیا۔پنڈت نول کشور نے اُن کے خمیر میں جو زہر گھول دیا تھا وہ ان کے وجود سے علیحدہ نہیں ہو سکتا تھا۔مرلی میری ہدایت کے مطابق ابھی تک کار کے اندر ہی بیٹھا سب کچھ سن رہا تھا۔ایک دو بار اُس نے بغلی ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، میں نے اشارے سے روک دیا۔انکا بدستور میرے سر پر کولہے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ میرے ہونٹوں پر زہر میں بجھی مسکراہٹ اُبھرتے دیکھ کر بولی۔

''اب کیا خیال ہے جمیل صاحب؟ کچھ اور سننا چاہتے ہو ان لوگوں سے یا میں اپنا کام شروع کروں.....؟''

''چپ کیوں ہو گئے خاں صاحب؟'' گبرو جوان کی موت اُس کے سر پر منڈلانے لگی۔وہ بدبخت میرا مذاق اُڑانے کی غلطی کر رہا تھا۔اُس کا لہجہ بڑا تحقیر آمیز تھا۔''ابھی تو تمہاری زبان فرفر چل رہی تھی۔بڑے لال پیلے ہو رہے تھے۔اب مسکرا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو.....؟''

میرے جسم سے چیونٹیاں لپٹ گئیں۔میں اُنہیں موت کے جہنم میں نہیں دھکیلنا چاہتا تھا، پندرہ بیس پجاری اور مُردہ پائے جاتے تو بات ڈھکی چھپی نہ رہ سکتی، پورے ہندوستان میں تہلکہ مچ جاتا۔میرے دشمن پھر دو اور دو چار کرنے بیٹھ جاتے۔اُن کے ذہنوں میں یہ خیال ضرور سر اُبھارتا کہ میری رہائی کے فوراً بعد ہی پجاری کس طرح جہنم رسید ہو گئے؟ وہ پجاریوں کے قتل سے پھر میرا رشتہ جوڑ لیتے۔پھر مجھے آہنی زیور پہنا دیئے جاتے۔میری طاقت مجھے مل چکی تھی، دُرگا کا عتاب سیّد کے جسم کی میل سے کٹ کر رہ گیا تھا۔میں چپ نہ رہتا۔میری وحشتوں میں پھر اُبال آ جاتا۔میں جنون کی حالت سے دوچار ہو کر پھر دیوانگی کی حرکتیں شروع کر دیتا۔بات بڑھ جاتی۔انکارانی کی نصیحتیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔پریتم لال کا کہا سچ ہو جاتا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہوں گا۔میں ابھی نوجوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا کوئی جواب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ انکا پھر بول پڑی۔

''اب تم خاموش ہی رہنا جمیل۔'' اُس کے تیور یکلخت خطرناک ہو گئے۔''یہ لاتوں کے

بھوت ہیں، باتوں سے نہیں مانیں گے۔ پریتم لال مہاراج نے بھی شکتیاں دان کر
وقت یہی کہا تھا کہ جب چاروں سمت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے، کچھ اور نہ سجھائی د
پھر میں اس کے بتائے ہوئے نسخے استعمال کر سکتی ہوں۔''

''سوچ لو انکارانی.....'' میں نے کہا۔ ''خون خرابے پھر میری راہ میں رُکاوٹیں کھڑی
دیں گے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا..... تم فکر مت کرو، خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہو۔''

''کیا کالی کے پوتر کندھوں پر نظر آنے والا کوئی ناگ دیوتا تمہیں سونگھ گیا؟'' نوجو
کے حوصلے میری خاموشی سے بڑھنے لگے۔ اُس کے ساتھی بھی شیر ہونے لگے۔ وہ
اپنے انجام سے بے خبر تھے۔ نوجوان اپنے گھمنڈ میں بکواس کرتا رہا۔ ''کچھ بولو جمیل
خاں، چڑیوں کی طرح چہکو۔ بلبل کی طرح پھدکو۔ مینڈک کی طرح چھلانگیں مارو۔
آخری اِچھا ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو، من میں کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے۔''

انکارانی انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ نوجوان کی للترانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اچانک
کی پلکوں نے تیز تیز جھپکنا شروع کر دیا۔ پھر جو کچھ ہوا اس نے مرلی کے علاوہ مجھے
ششدر کر دیا۔ نوجوان کھڑے کھڑے چکرا کر گرا، پھر قلابازیاں کھاتا ہوا کالی کے پرا
مندر تک چلا گیا۔ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کئی پراسرار قوتیں مل کر اُسے ٹھوکریں مار رہی ہوں
اُس کی حالت دیکھ کر باقی پجاری بھی آنکھیں پٹ پٹانے لگے۔ مرلی کار کا دروازہ کھول
باہر نکل آیا۔ انکا کی نظریں بدستور اُسی نوجوان پجاری پر مرکوز تھیں جو مندر کے پاس چا
شانے چت پڑا تھا۔ وہ اُسے ایک لمحے غضبناک نظروں سے گھورتی رہی، پھر اُس نے
گلابی ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر زور سے پھونک ماری تو نوجوان پجاری کا جسم
طرح شدید جھٹکے کھانے لگا جیسے بجلی کے ننگے تاروں میں اُلجھ گیا ہو۔ اذیتوں کی انتہا
دوچار ہونے کے باوجود اُس کے حلق سے کوئی چیخ نہیں نکل رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ
جان ہو گیا تو انکا نے دونوں ہاتھ آسمان کی سمت بلند کر دیئے، سیاہ آندھی کا بگولا بھی
صورت میں آسمان سے برق رفتاری سے نیچے آیا، پل بھر میں نوجوان کو لپیٹ کر غائب
گیا۔ نوجوان پجاریوں کی ٹولی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اپنے گرو کا انجام
کر اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

''مہاراج.....'' مرلی نے میرا بازو تھام لیا، خوفزدہ آواز میں پوچھا۔ ''یہ سب کیا ہے؟
کیسے ممکن ہو گیا؟''

''اپنی زبان بند ہی رکھنا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''کسی اور نے سنا تو تمہیں پاگل
ہی سمجھے گا۔''

''جو آگیا (حکم) مہاراج.....''

''جمیل.....'' انکا نے بھاگتے ہوئے پجاریوں کے بارے میں سوال کیا۔ ''کہو تو ان کو
بھی سیاہ آندھی کی چکی میں پیس کر رکھ دُوں؟ ان کے گندے وجود بھی ذرات بن کر فضا میں
بکھر جائیں گے۔''

''نہیں..... انہیں جانے دو۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''نول کشور شاید ان کی
زبان سمجھ لے۔''

''خیال ہے تمہارا.....'' اُس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''وہ کیکر کا بیج شرافت کی
زبان نہیں سمجھے گا۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے تمہیں اُلجھانے کی خاطر کر رہا ہے۔ تم دیکھنا، میں اُسے
کیسی سزا دُوں گی۔ ایک بار منڈل سے باہر آلینے دو۔''

''مہاراج.....'' مرلی نے ڈرائیور کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے اس کے سلسلے میں
پولیس کو اطلاع دینی ہوگی۔''

میں نے مرلی کو جواب دینے کی بجائے انکا کی طرف دیکھا، وہ میرا اشارہ سمجھ گئی۔ میں
نے مرلی کو باتوں میں لگا لیا، انکارانی کی پراسرار قوت نے لچھت رام کی لاش بھی غائب کر
دی۔ میں نے میدان صاف دیکھ کر مرلی کو مخاطب کیا۔

''کیا ڈرائیور کے سلسلے میں پولیس میں رپورٹ درج کرانی ضروری ہے؟''

''اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔'' وہ سنبھل کر بولا۔ ''میں دشمنوں کو کوئی
موقع نہیں دینا چاہتا۔''

''لچھت رام کہاں کا رہنے والا تھا.....؟''

''جونپور سے تعلق ہے اُس کا۔ اُس کے گھر والوں کو بھی اطلاع دینی ہوگی۔''

''پریشان مت ہو۔'' میں نے بے پرواہی سے کہا۔ ''لچھت رام خود ہی اپنے گھر چلا گیا
ہے۔ تم چاہو تو اُس کے اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع کر دینا۔ خانہ پُری ہو جائے گی۔''

مرلی نے میرا جواب سن کر اسٹیئرنگ سیٹ کی سمت دیکھا تو آنکھیں پٹ پٹانے لگا۔ اُس نے کوئی سوال نہیں کیا، سمجھدار تھا اس لئے جان گیا کہ اس کا ڈرائیور بھی ماورائی قوتوں کا شکار ہو گیا۔

''ذہن پر زور مت دو مرلی، جو دیکھا ہے اسے بھلا دو۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''جب تک میرا ہاتھ تمہاری پشت پر ہے، کسی بات کی فکر مت کرو۔''

''مہاراج.....'' اُس نے بڑی عقیدت سے میرے سامنے ہاتھ جوڑ لئے، رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے بھول مت جانا۔ سیوک کو اپنی پرارتھنا میں ضرور یاد رکھنا۔ تمہاری بڑی کرپا ہوگی۔''

میں جواب میں مسکرا دیا۔ مرلی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا، گاڑی پھر چل پڑی۔ انکا میرے سر پر بائیں کروٹ لیٹ گئی۔ اُس نے اپنا سر کہنی پر ٹکا رکھا تھا۔ اُس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے، نشیلی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے انکارانی.....؟'' میں نے اُس کی مخمور نگاہوں کے شوخ رنگوں میں ڈوب کر سرسراتی آواز میں پوچھا۔ ''اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''سوچ رہی ہوں کہ تم کچھ کچھ کنجوس ہوتے جا رہے ہو۔'' اُس کا انداز دلبرانہ تھا۔

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے معنی خیز انداز اختیار کیا۔

''پریتم لال مہاراج نے مجھے جو شکتیاں دان کی ہیں تم نے اس کی کوئی تعریف نہیں کی۔'' اُس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''تم اس کا موقع کہاں دے رہی ہو.....؟'' میں نے اُس کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''تمہاری کافر ادائیں دیکھوں یا پریتم لال کی قوتوں کی تعریف کروں.....؟''

میری بات سن کر وہ بڑے محبوبانہ انداز میں آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔ کانوں میں اُنگلیاں گھما کر قاتلانہ انداز میں بولی۔

''ایک بار پھر کہنا جمیل، میں پوری توجہ سے تمہاری بات نہیں سن سکی۔ کیا کہہ رہے تھے تم.....؟''

''مہاراج، ایک درخواست کروں، مانو گے.....؟'' مرلی نے مجھے مخاطب کیا تو انکا

جل کر کہا۔

''اس وقت یہ کباب میں ہڈی بن کر ہمارے درمیان کہاں سے آ گیا.....زہر لگ رہا ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو.....؟'' میں نے انکا کے چہرے پر نظریں جمائے جمائے مرلی سے پوچھا۔

''جب تک بمبئی میں رہنا، مجھے اور سروجنی کو سیوا کرنے کے حق سے محروم نہ کرنا۔'' وہ لجاجت سے بولا۔ ''ہمارے دوار چھوڑ کر کہیں اور جانے کی بات نہ کرنا.....''

''بمبئی میں اب میرا قیام بڑا مختصر ہوگا۔'' میں سنجیدہ ہو گیا۔ ''ہو سکتا ہے ایک رات سستا کر کل ہی کسی اور طرف نکل جاؤں۔''

''مجھے اپنے ساتھ نہیں لے چلو گے.....؟'' اُس نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''تمہارا ہاتھ بٹاتا رہوں گا۔''

''میری وحشتوں میں کہاں اُلجھتے پھرو گے مرلی، مجھے بہت سارے ادھورے کام پورے کرنے ہیں۔ کسی سے کیا ہوا وعدہ نبھانا ہے، کسی کی بے چین رُوح کو قرار پہنچانے کی خاطر کٹھن مرحلوں سے گزرنا ہے۔ میری کوئی منزل نہیں، کوئی ٹھکانا نہیں۔'' میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''تم دیکھ چکے ہو میرے دشمن سائے کی طرح میری زندگی کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ تمہارے دیس کے پنڈت پجاری میری جان کے لاگو ہیں۔ وہ برسوں سے اپنے دانت تیز کر رہے ہیں۔ اُن کا بس نہیں چلتا ورنہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح میرے جسم سے لپٹ جائیں، مجھے بھنبھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ دو گز زمین کا ٹکڑا بھی نصیب نہ ہونے دیں۔ میں جتنا دُور بھاگنا چاہتا ہوں وہ اتنا ہی میری ٹانگوں سے لپٹ کر اپنے درمیان کھینچ لاتے ہیں۔ مجھے اپنے بچاؤ کی خاطر پھر ہاتھ پاؤں چلانا پڑتا ہے۔ میری زندگی کی داستان بڑی طویل، بڑی دردناک ہے۔ کبھی موت سے فرصت ملی تو اطمینان سے سناؤں گا۔''

مرلی خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ گاڑی مختلف شاہراہوں سے گزرتی رہی۔ چوپاٹی کی وہ عالیشان عمارت قریب آ گئی جس میں مرلی کا اپارٹمنٹ تھا۔ گاڑی پارکنگ لاٹ میں جا کر رُکی، مرلی نے تیزی سے نیچے اُتر کر میرے لئے دروازہ کھولا۔

''جمیل.....'' انکا نے مجھے مخاطب کیا۔ ''یاد ہے تمہیں؟.....تم نے مرلی سے کوئی وعدہ

کیا تھا۔''

''کیسا وعدہ.....؟'' میں نے پوچھا۔

''تم نے مرلی کے اپارٹمنٹ میں آتشزدگی سے ہونے والے تمام نقصانات کو پورا کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔''

''ابھی مجھے پرانے حساب کتاب چکتا کر لینے دو، مرلی سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کر دُوں گا۔''

''ایک نظر اس جلے ہوئے اپارٹمنٹ کو بھی دیکھ لو جسے پجاری منوہر نے کھنڈر بنا دیا ہے۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مرلی مجھے ساتھ لئے لفٹ کی سمت قدم اُٹھانے لگا۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ اُس نے ڈاکٹر کے اپارٹمنٹ میں محض ایک رات گزاری تھی سروجنی کے اصرار پر صبح ہوتے ہی ڈیکوریٹڈ (DECORATED) اپارٹمنٹ کرائے پر حاصل کر لیا تھا۔

''اپارٹمنٹ جل جانے سے تو تمہیں لاکھوں کا نقصان ہوا ہوگا۔'' میں نے مرلی کو کریدا۔

''اس کی چنتا مت کرو مہاراج.....'' مرلی نے میری بات کا مفہوم بھانپ لیا۔ ''تمہاری کرپا سے بھگوان کا دیا بہت سارا دھن موجود ہے۔''

''میں تمہارے جلے ہوئے اپارٹمنٹ کو دیکھنا چاہوں گا۔'' میں نے دبی زبان میں کہا۔

''خوابوں کی اس جنت کو ظالموں نے کس طرح پھونک ڈالا۔''

''جمیل..... میں ابھی آتی ہوں۔'' انکا نے کہا پھر میرے سر سے اُتر گئی۔ شاید اُس نے آس پاس منڈلاتے ہوئے کسی خطرے کو دیکھ لیا تھا۔

''میں نے ٹھیکیدار سے بات کر لی ہے۔'' مرلی نے لاپرواہی سے بتایا۔ ''بس ایک مہینے کی بات ہے، سب کچھ ویسا ہی ہو جائے گا جیسا پہلے تھا۔''

میرے اصرار پر مرلی مجھے اس منزل پر لے گیا جہاں اُس کا اپنا اپارٹمنٹ تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے قدم اُٹھا رہا تھا۔ لیکن اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر چونک اُٹھا۔ مجھے بھی اس دروازے کو دیکھ کر دُکھ ہوا جس کا رنگ برباد ہو چکا تھا۔ آگ کی تپش اور دُھوئیں کی کالونس نے اس کی ساری شان و شوکت اُجاڑ دی تھی۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگ رہا تھا۔

''یہ..... یہ آج صبح تک نہیں تھا۔'' مرلی نے مجھے آگاہ کیا۔ ''شاید ٹھیکیدار نے کام شروع کر دیا ہے۔ پرانا دروازہ اس لئے لگا دیا ہوگا کہ کسی چوکیدار کی ضرورت نہ پڑے۔''

مرلی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا، میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں انکا رانی کا تصور کلبلانے لگا۔ میرا اُس کا ساتھ چوتھائی صدی سے زیادہ پر محیط تھا۔ میں اُس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ وہ لفٹ میں میرے سر سے اُتر گئی تھی، اُس نے مجھے مرلی کا نقصان پورا کرنے کا وعدہ یاد دلایا تھا۔ اُسی کا مشورہ تھا کہ میں جلے ہوئے فلیٹ کو بھی ایک نظر دیکھ لوں، اور مرلی پرانے دروازے کو لگا دیکھ کر کہہ رہا تھا کہ شاید ٹھیکیدار نے کام شروع کر دیا ہے۔ مجھے دروازے کی دوسری طرف بھی انکا اور پریتم لال کی پراسرار اور ناقابل یقین قوتوں کا ہاتھ محسوس ہوا۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کے مختصر عمل سے گزر کر آنکھیں بند کر لیں۔ راستے کی رُکاوٹیں ایک ایک کر کے سرکنے لگیں۔ میں اپارٹمنٹ کے باہر کھڑے ہونے کے باوجود دروازے سے گزر کر اندر پہنچ گیا۔ وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ ہر شے اپنی اصلی حالت میں موجود تھی۔ مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ پریتم لال ناممکن کو ممکن بنا دینے کی قوتوں کا مالک تھا۔ میری خاطر اُس نے انکا کو کچھ طاقتیں سونپ دی تھیں۔ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا، وہ خواب نہیں تھا۔ انکا رانی نے مجھے بھی تاریکی میں رکھ کر حیرت زدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''تم رُک کیوں گئے مہاراج.....؟'' مرلی نے پوچھا۔ ''آنکھیں بند کئے کیا سوچ رہے تھے؟''

''اب کسی ٹھیکیدار کی ضرورت نہیں رہی۔'' میں نے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''صرف باہر کا یہ دروازہ بدلوا دینا..... ایک دو مہینے بعد..... جلدی نہ کرنا۔ ورنہ تمہارے جاننے والے تمہیں بھگوان کا اوتار سمجھ کر تمہاری پوجا شروع کر دیں گے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' مرلی پلکیں جھپکانے لگا۔ ''میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔''

''سروجنی اور سادھنا کو بھی سمجھا دینا کہ اپنی زبان بند رکھیں.....''

''کس سلسلے میں؟'' مرلی کی حیرت عروج پر پہنچ گئی۔ ''مجھے بھی بتا دو مہاراج، تمہاری نظروں نے کیا دیکھ لیا ہے؟''

انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ بڑی سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''انکا رانی.....'' میں نے اُسے عالم تصور میں مخاطب کیا۔ ''آج تم سے کچھ کہنے کو دل

چاہتا ہے۔ میری بات سے انکار تو نہیں کرو گی؟''

''تم حکم دو جمیل.....'' اُس نے بڑی سعادت مندی کا اظہار کیا۔

''بڑے عرصے بعد مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔'' میں ایک سرد آہ بھر جذباتی لہجے میں بولا۔ ''تم جس قد و قامت کی ہو، جہاں ہو، جیسی بھی ہو، کی بنیادوں پر ایک رات کے لئے میری آغوش کی زینت بننے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر دو۔''

''بے شرمی کی باتیں مت کرو۔'' اُس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ''میں سمجھ رہی ہوں کہ تم نیلام کے اشتہاروں والی زبان کیوں استعمال کر رہے ہو..... تم نے شاید اندر کی حالت دیکھ لی ہے، تبھی چہک رہے ہو۔''

''تم کہاں کھو گئے مہاراج؟'' مرلی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''میری بات کا جواب بھی نہیں دیا۔''

''تمہیں یاد ہو گا، میں نے اپارٹمنٹ میں لگنے والی آگ کی خبر سناتے وقت کہا تھا کہ تمہارا نقصان پورا کرنے کی ذمہ داری میری ہو گی۔''

''کیوں شرمندہ کر رہے ہو؟'' مرلی نے میری بات سے خوش ہو کر انکساری سے کہا۔ ''میں اب اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں کہ تیس چالیس لاکھ کا دھچکا نہ برداشت کر سکوں۔ مایا آنی جانی شے ہے، تمہاری دُعا ہو گی تو کروڑوں کما لوں گا۔''

میں نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولنے سے پیشتر سروجنی کو بھی بلوایا۔ سادھنا بھی اُس کے ساتھ ساتھ تھی۔ انکا کی نظریں سادھنا کے گدرائے ہوئے جسم پر مچلنے لگیں۔ مرلی نے میرے کہنے پر دروازہ کھولا تو ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کر دیا۔ مرلی کے علاوہ سادھنا بھی پھٹی پھٹی نظروں سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔ سروجنی کی کیفیت سب سے مختلف تھی۔ اُسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اپارٹمنٹ کا سارا ساز و سامان، مکمل سیٹ اپ بالکل ویسا ہی تھا جیسے ہوا کرتا تھا۔ سروجنی پھرکی کی طرح ایک ایک کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ ہر شے کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہی تھی، بار بار حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں جگنو چمک رہے تھے۔ خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

''دیکھ رہے ہو جمیل..... دولت کی چمک دمک انسان کی نگاہوں کو کس طرح خیرہ کر دیتی ہے۔'' انکا نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سروجنی پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے کر آئی تو اُسے احساس ہوا کہ میں بھی وہاں موجود ہوں۔ وہ بے اختیار دوڑ کر میرے قدموں میں گر گئی۔ میں نے اُس کو بازو تھام کر اُٹھایا۔ وہ ہاتھ باندھ کر بولی۔

''مہاراج، میں نے پہلے بھانپ لیا تھا کہ تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔ ہم تمہارا شکریہ کس زبان میں ادا کریں؟ تم نے جو احسان کیا ہے وہ ہم سارا جیون نہیں بھلا سکیں گے۔''

سروجنی کی دیکھا دیکھی مرلی نے بھی میرے پیروں کو چھو کر اپنا فرض پورا کر دیا۔ سادھنا الگ تھلگ کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اُس کی تنہائی کا احساس ہوا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے قریب بلا کر اُسے گلے لگا لیا۔ اُس کی کنول جیسی نظروں میں آنسوؤں کے شبنمی قطرے جھلملانے لگے۔ سروجنی کی آنکھیں سلگ اُٹھیں۔ اُس کا بس چلتا تو شاید سادھنا کو اسی وقت گولی مار دیتی۔ میں اُس کی نظروں میں رقابت کے جذبوں کو کروٹیں بدلتا دیکھ رہا تھا۔ میں نے سادھنا کو اپنی بانہوں کے حلقے سے آزاد کیا تو سروجنی نے سکون کا سانس لیا۔

''میں آج رات اسی اپارٹمنٹ میں گزاروں گا۔'' میں نے سروجنی سے کہا۔ ''کل صبح کہیں اور چلا جاؤں گا۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے مہاراج.....'' سروجنی نے قریب آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''اب آئے ہو تو کچھ دن ہمیں سیوا کرنے کا موقع دو۔''

''ابھی مجھے دُور جانا ہے۔ پھر کبھی آیا تو کچھ دن ضرور آرام کروں گا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

سروجنی اور سادھنا نے مل کر میرے کھانے کا اہتمام کیا۔ میں اسی کمرے میں آ گیا جہاں پہلے مقیم تھا۔ مرلی میرے ساتھ ساتھ تھا، دوپہر کا کھانا اور شام کی چائے ہم نے ساتھ ہی بیٹھ کر پی۔ سادھنا سامنے نہیں آئی۔ شاید سروجنی نے پھر اُس پر پابندی لگا دی تھی۔ میں چائے پی کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ مرلی کسی ضروری کام سے چلا گیا تھا۔ سروجنی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی میری آؤ بھگت میں لگی تھی۔ انکا میرے سر پر لیٹی سروجنی کو گھور رہی تھی۔

''کیا بات ہے انکارانی؟'' میں نے پوچھا۔ ''آج تم سروجنی کو اتنی توجہ سے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''آج اس کے ارادے تمہارے حق میں نیک نظر نہیں آ رہے۔'' اُس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تم نے اس کا اتنا بڑا نقصان پورا کر دیا۔ یہ اس کی ادائیگی کے طور پر تمہاری آغوش میں بکھیرنا چاہتی ہے..... بڑی چالاک عورت ہے۔ سادھنا کو تمہاری بانہوں میں دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔ اُس غریب پر دوبارہ تم سے ملنے کی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔''

انکا کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ سروجنی مجھ پر زیادہ ہی مہربان ہو رہی تھی۔ رات گئے واپس آیا تو اُسے مجبوراً اُٹھ کر جانا پڑا۔ میری سرد مہری نے اُسے مایوس کر دیا تھا ورنہ اُسے مرلی کی پرواہ نہیں تھی۔ مرلی اور سروجنی کے جانے کے بعد ہم اپارٹمنٹ میں تنہا رہ گئے۔ مرلی نے کہا تھا کہ وہ صبح دوبارہ اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جائے گا۔

میں خوابگاہ میں تنہا رہ گیا تو میں نے آئندہ کے بارے میں سوچا۔ میرے ذہن پر ہر دوار کا بلا رہا تھا۔ پنڈت نول کشور کی سرکوبی ضروری ہو گئی تھی۔ وہ بار بار مجھے اُلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت موقع غنیمت تھا، انکا کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق چندرا کالی کے مندر میں نول کشور کے ساتھ تھا۔ میں دونوں سے ایک ساتھ نمٹ لیتا تو چھٹی ہو جاتی۔ میرے ذہن میں ماضی کی المناک داستان سر اُبھارنے لگی۔ وقت کی گردشوں نے مجھے کہیں ٹک کر آرام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جین لنڈا کے ساتھ لندن کی آزاد فضا میں دن سکون سے ضرور گزرے تھے، وہ میری منزل نہ بن سکی۔ پریتم لال کی آتما نے سائے کر میرے زخموں پر جمتی ہوئی کھرنڈ کو دوبارہ کھرچ دیا۔ میرے زخم پھر تازہ ہو گئے۔ امرلال کے کسی لڑکے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پریتم لال نے مجھے چندرا کے بارے میں بتایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ بدری نرائن اور امرلال کا انتقام لینے کی خاطر میرے دشمن پھر سر جوڑ کر مشورہ کر رہے ہیں۔ امرلال کا نام سن کر میرا سکون برباد ہو گیا۔ وہ میرے کلدیپ کا قاتل تھا۔ میں لندن چھوڑ کر واپس ہندوستان آ گیا۔ پنڈت پجاریوں نے میرے اطراف گھیرا ڈالنا شروع کر دیا۔ درخت کو ایک بار جڑ سے اُکھاڑ دیا جائے تو اس کے دوبارہ اُگنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ میں بھی انہی خطوط پر غور کر رہا تھا۔ انکارانی میرے سر پر چت لیٹی کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ میں تادیر اپنی وحشتوں سے سر مارتا رہا، پھر ہوش کا احساس معدوم ہونے لگا۔ غنودگی میرے جنون کو تھپکیاں دینے لگی۔

رات کا پچھلا پہر تھا جب مجھے احساس ہوا کہ میں کمرے میں تنہا نہیں ہوں۔ میں نے پلکوں کے درمیان جھری کر کے دیکھا تو مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ وہ سادھنا تھی جس کے کندن جیسے دمکتے جسم پر باریک نائٹ گاؤن قیامت ڈھا رہا تھا۔ وہ خود بھی کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ اُس کے لباس سے دھینگا مشتی کرتے ہوئے جسمانی نشیب و فراز دیکھ کر میرے جسم سے بچھو لپٹ گئے۔ جذبات کو ڈنک مارنے لگے۔ وہ میرے بستر پر بیٹھی بڑی نشیلی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے شبہ ہوا، سروجنی نے اُسے میرے قریب آنے سے روک دیا تھا۔ انکا نے بتایا تھا کہ سادھنا کی جوانی کو کسی راج منتری کے قدموں میں بھینٹ چڑھانے کی خاطر سنبھال کر رکھا گیا ہے۔ سروجنی کو خطرہ تھا کہ سادھنا کے جسم کی تپش میرے وجود کو پگھلا دے گی۔ اُس نے خود اپنے آپ کو میری خدمت میں پیش کر دیا تھا، سادھنا کو سینت کر علیحدہ رکھا تھا۔ پھر سادھنا کا اتنی رات گئے، اتنے ہیجان انگیز لباس میں میرے بستر پر موجود ہونا، بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ وہ شاید میرے پریشان ذہن کی پیداوار تھی۔ سادھنا نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے دوسری کروٹ لینے کی کوشش کی تو میرے بازو پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ اس ہاتھ کے لمس نے میرے خون کی گردش تیز کر دی۔ میرے دل و دماغ میں کن کھجورے رینگنے لگے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں..... وہ میرا واہمہ نہیں تھی، سادھنا ہی تھی۔ میں اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میرے وجود میں گرم آندھی کے جھکڑ چلنے لگے۔ سادھنا کی موجودگی میرے تپتے ہوئے لق و دق صحرا میں کسی نخلستان سے کم نہیں تھی۔ میری آنکھیں جلنے لگیں، حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔

''مہاراج.....'' سادھنا کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔ ''داسی کو شما کر دو۔ میں نے تمہاری نیند میں خلل ڈال دیا۔''

''سروجنی کہاں ہے.....؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''تمہیں میرا آنا برا لگا تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔'' اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی کلائی تھام لی۔

''تم نے میری بات کا غلط مطلب سمجھا۔'' میں نے اُسے دوبارہ اپنے بستر پر بٹھا لیا۔ ''دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ.....''

''میں سمجھتی ہوں مہاراج۔'' اُس نے بڑی معصومیت سے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''میڈم

کومیرے یہاں آنے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ مجھے شکاری کتوں کے آگے ڈال دے گی۔"

"پھر.....تم یہاں کیوں آ گئیں.....؟" میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر

لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری سیوا کرنے۔" اُس نے بے اختیار اپنا سر میرے کشادہ سینے پر رکھ دیا۔ "تم

سا پیار مجھ پجارن کی جھولی میں بھی ڈال دو۔"

میرے جذبات میں طغیانی آ گئی۔ ایک اُونچی لہر آئی، ہم دونوں کو بہا کر لے گئی

میرے اعصاب کا تناؤ دُور ہو گیا۔ سادھنا میری آغوش میں بکھری پڑی تھی، اُس کی

عریاں جسم اور بے ترتیب لباس مجھے کسی اور دنیا کی سیر کرا رہا تھا جب انکا کی مانوس آ

میرے کانوں میں گونجی۔

"سادھنا تمہیں کیسی لگی؟"

میں نے چونک کر سر پر نظر ڈالی، انکا کی شوخ نگاہوں سے مستی چھلک رہی تھی۔ سا

بات میری سمجھ میں آ گئی۔ سادھنا میرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی، انکا رانی

پراسرار قوتوں نے اُسے بنا سنوار کر میری ہوس کا نشانہ بنا دیا تھا..... اب اُس کی

نظریں سادھنا کے جسم پر مچل رہی تھیں۔

"تمہارا دل بھر گیا ہو تو میں بھی اپنی غذا حاصل کر لوں۔" انکا نے جماہی لیتے ہوئے

پھر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"اگر سروجنی کو علم ہو گیا تو.....؟" میں نے ایک ممکنہ خطرے کا اظہار کیا۔

"تم فکر مت کرو جمیل۔" اُس نے بے پرواہی سے کہا۔ "میری خاطر سادھ

دوسرے کمرے میں پہنچا دو۔ گلا گھونٹ کر اس کا سر پھاڑ دو، میں اس کے جسم میں

ہوئے خون سے اپنے وجود کو سیراب کرنے کے بعد اسے بھی چھومنتر کر دُوں گی۔" انکا

بڑے یقین سے کہا۔ "سروجنی اور مرلی کے فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکیں

سادھنا سے پہلے بھی کچھ لڑکیاں سروجنی کے قبضے سے نکل کر راہِ فرار اختیار کر چکی ہیں

دونوں تمہارے اوپر شبہ نہیں کریں گے۔"

میرے اور انکا کے درمیان خون کی فراہمی کے سارے معاہدے ختم ہو چکے تھے

اُس کے کسی حکم کا پابند بھی نہیں تھا، پراسرار قوتوں کے حصول کے بعد ہم دونوں کا پلڑا

ہو گیا تھا۔ میں چاہتا تو انکا کی درخواست رد بھی کر سکتا تھا۔

"جمیل....." وہ مجھے ہچکچاتا دیکھ کر عاجزی کرنے لگی۔ "تم واقف ہو کہ انسانی خون

میری غذا ہے۔ میں تمہیں حکم نہیں دے رہی، تم سے درخواست کر رہی ہوں۔ میری

درخواست رد نہ کرنا..... آج مجھے بھی جشن منا لینے دو....."

میں نے سادھنا کے سراپا پر ایک آخری نظر ڈالی۔ اُس گل بدن پر مجھے ترس آ رہا تھا۔

لیکن میں نے انکا کی درخواست رد نہیں کی، سادھنا کو اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گیا،

اُس کی صراحی دار گردن پر میرے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہوئی تو وہ کسمسانے لگی۔

"مہاراج..... یہ تم کیا....."

میں نے اُسے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا، ہاتھوں کے شکنجے کو تنگ کیا تو سادھنا کا

کندن جسم پھڑپھڑانے لگا۔ وہ زیادہ دیر مدافعت نہ کر سکی، اُس کی آنکھیں اُبل کر حلقوں

سے باہر آ گئیں۔ اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔ میں نے اُٹھ کر اُس کے سر پر بھرپور ٹھوکر ماری،

خون کا فوارہ جاری ہوا تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ میں نظریں پھیر کر واپس اپنی خواب گاہ

میں آ گیا.....!!

صبح میری آنکھ دیکھ سے کھلی۔ انکا میرے سر پر ٹانگیں پسارے گہری نیند سے دوچار تھی۔

اُس کا چہرہ کسی تازہ گلاب کی مانند کھلا کھلا نظر آ رہا تھا۔ میں اُٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا۔

سادھنا کا جسم غائب تھا۔ قالین پر خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں دوبارہ اپنے

بستر پر آ کر لیٹ گیا.....!

ناشتے کی میز پر سروجنی کی بے چینی میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ایک سونے کی

چڑیا اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی، اُس کی فکر بے جا نہیں تھی۔

"کیا بات ہے سروجنی.....؟" میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر پوچھ لیا۔ "تو مجھے کچھ

پریشان دکھائی دیتی ہے....."

"کوئی خاص بات نہیں ہے مہاراج۔" اُس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ "سر

میں ہلکا ہلکا درد سا ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اپنا دھیان رکھا کر۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "مرلی کو ابھی تیری ضرورت ہے۔"

ناشتے کے بعد مرلی تیار ہو کر دفتر جانے لگا تو میں بھی سیّد کی لاٹھی سنبھال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کہاں جارہے ہو مہاراج.....؟'' سروجنی نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''اب یہاں سے دانہ پانی اُٹھ گیا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کچھ حساب کرنے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔''

سروجنی نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔ مرلی نے بھی اصرار کیا۔ لیکن میں نے آنے کا وعدہ کر کے جان چھڑالی۔ سروجنی کے سر پر ہاتھ پھیر کر مرلی کے ساتھ نیچے آگیا۔

''کہاں جانے کا ارادہ ہے مہاراج؟'' مرلی نے کار میں بیٹھنے کے بعد سوال کیا۔

''ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ دو۔ کسی بھی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گا۔'' میں نے سرد آواز میں جواب دیا۔ ''ابھی تو بہت سفر کرنا ہے۔ میری کوئی ایک منزل نہیں ہے، جہاں رات ہوئی وہیں پڑاؤ ڈال دُوں گا۔''

راستے میں مرلی بڑی عقیدت سے گفتگو کرتا رہا۔ میں ہوں ہاں کر کے جواب دیتا رہا۔ انکا، سادھنا کے خون کے نشے میں ابھی تک بے سدھ پڑی ہلکے ہلکے خراٹے نشر کر رہی تھی۔ میں آنے والے کل کے بارے میں سوچنے لگا.....!!

مرلی مجھے ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ کر رخصت ہوگیا۔ میرے پاس سیّد کی لاٹھی کے علاوہ کوئی دوسرا سامان نہیں تھا۔ مجھے سامان کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جہاں جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ انکا فراہم کر دیتی تھی۔ جن قارئین نے میری داستانِ المناک کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی واقف ہوں گے کہ میرے لئے دولت کا حصول کس قدر آسان تھا۔ دولت میرے ہاتھ کے میل سے بھی کم حقیقت تھی۔ اسی دولت کی خاطر میں بھی انکارانی کے عشق میں مبتلا ہوتا چلا گیا تھا۔ دولت انسان کی بینائی روشن کرنے کے لئے سب سے موثر ذریعہ ہے۔ اس کی جھلک دیکھ کر انسان کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ دل کی دھڑکنوں کو بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ حسین خوابوں اور خواہشات کی تکمیل کے لئے بھی انسان کو دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دولت ہی کے بل بوتے پر ایک کمزور حریف بھی اپنے سے دُگنے قد و قامت کے دشمن پر جھپٹ پڑتا ہے۔ دولت ایک ضرورت ہے، نشہ ہے، طاقت ہے۔ یہی دولت انسان کو بینا سے نابینا بھی کر دیتی ہے۔ دولت کی خاطر وہ دوسروں کے قتل پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ چوری کرتا ہے، ڈاکے مارتا ہے، اسی سے ضمیر کے سودے بھی برملا کئے جاتے ہیں۔ اس کا ایندھن نفس کو ورغلاتا ہے۔ یہی فساد کی جڑ ہے، یہی جسم فروشی کے کام آتی ہے، اسی کی خاطر انسان اپنی ڈگر سے بھٹک جاتا ہے، منزل سے دُور ہو جاتا ہے، سراب کے پیچھے وحشی گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگنے لگتا ہے۔ اسی کو امیری اور غریبی کا میزان سمجھا جاتا ہے۔ یہی ہاتھ کا کنگن ہے، یہی پیروں کی بیڑی بھی بن جاتی ہے۔ میری آنکھیں بھی دولت کی ریل پیل دیکھ کر خیرہ ہوگئی تھیں۔ آپ واقف ہیں، میں بڑا قناعت پسند تھا، والدین سے دُور ایک کمرے کے فلیٹ میں زندگی کے دن بڑے سکون سے گزار رہا تھا۔ صبح اُٹھنا، اپنے ہاتھ سے ناشتہ بنانا، دن بھر خون پسینہ بہا کر روزی کمانا، رات کا کھانا کسی ادنیٰ درجے کے ہوٹل میں کھا کر ایک جھلنگے پلنگ پر سکون کی نیند سو جانا، دوسرے دن

پھر کولہو کے بیل کی طرح روزمرہ کے معمولات میں جُت جانا۔ زندگی بڑے سکون سے گز
رہی تھی جب انکا نے میرے سر کو اپنے آشیانے کے لئے منتخب کیا تھا۔ ہر شخص کی طرح
بھی شروع شروع میں گھبرایا، انکا مجھے اپنے پنجوں کی تیز چبھن سے اپنا معمول بنا لیتی۔
اُس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ میری زندگی میں طوفان کی شدتیں کبھی نہ
ہوتیں اگر انکا نے میرے سر پر بسیرا نہ کیا ہوتا۔

میں اختصار سے کام لوں گا۔ قارئین جانتے ہیں کہ میں حالات کے ساتھ سمجھوتا کر
پر مجبور ہو گیا۔ پھر انکا نے میرے لئے دولت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ میں بہکتا چ
گیا..... آج میں کلدیپ کی بے چین رُوح کو سکون پہنچانے کی خاطر زندگی داؤ پر لگانے
آمادہ تھا۔ وہ میری رُوح تھی، میری زندگی تھی، میرے جینے کا آخری سہارا تھی جسے امرالا
کی مداخلت نے مجھ سے چھین لیا..... کلدیپ سے میری ملاقات بھی دولت کی بنیاد پر ہوئی
تھی۔ وہ بذاتِ خود پونا کے ایک معروف دولت مند تاجر کی بیٹی تھی۔ قدرت نے اُسے حسن
کی دولت سے نواز کر اُس کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بڑی مہذب تھی، تعلیم
کے زیور سے پوری طرح آراستہ تھی۔ اُس کی گفتگو میں شائستگی کا رنگ جھلکتا تھا۔ اُس کی
نگاہیں جدھر اُٹھتی تھیں، ایک رشتہ قائم کر لیتی تھیں۔ میری اُس کی پہلی ملاقات پونا کے ریس
کلب میں ہوئی۔ دولت کے بل بوتے پر وہ من پسند گھوڑوں پر بے دریغ داؤ لگاتی رہی۔
قیمت نے یاوری نہیں کی، وہ ہارتی چلی گئی۔ اُس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ لیکن اُسے
اپنی ہار بھی منظور نہیں تھی۔ پھر میں نے انکا کی پراسرار قوتوں کے ذریعے اُسے جیت کی
طرف گامزن کر دیا۔ فتح کا احساس اور میرے قرب کی تپش اُسے پگھلاتی رہی۔ وہ ایک
الٹرا ماڈرن لڑکی تھی، حسن کی دیوی تھی، دولت میں کھیلتی تھی۔ بڑے بڑے دولت مند تاجر
اُس کی ایک نگاہِ غلط انداز کے منتظر رہتے۔ اُسے رجھانے اور اپنانے کے سنہرے خواب
دیکھتے لیکن قرعۂ فال میرے نام نکلا۔ انکا کی صورت میں میرے پاس ''جادو کی چھڑی''
موجود تھی۔ میرا اُس کا ربط بڑھتا گیا۔ وہ میری پجارن بن گئی۔ میری خاطر اُس نے
پجارنوں کا لباس پہن لیا، دنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر صرف مجھے سربلند رکھنے اور سرخ
دیکھنے کی خاطر پریتم لال کی کٹیا میں مرگ چھالا پر بیٹھی شب و روز دیوی اور دیوتاؤں کی
خوشنودی کی خاطر جاپ کرتی رہی..... سارا کھیل دولت کی بنیاد پر شروع ہوا تھا۔ اس

سلسلہ ختم نہیں ہوا، جاری تھا.....

میں بمبئی کے پُر رونق اسٹیشن پر ٹرین کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں تنہا بیٹھا تھا اپنی تسبیح
روز و شب کے دانے شمار کر رہا تھا جب گارڈ کی تیسری سیٹی کی آواز اُبھری، اسی کے ساتھ
گاڑی چل پڑی۔ میرے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا رانی
بیدار ہونے کے لئے تو بہ شکن انگڑائیاں لے رہی تھی۔ سادھنا کے گداز جسم کا سارا خون
اپنے وجود میں منتقل کر لینے کے بعد اُس کے حسن میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ اُس کے گالوں
کی سرخی کندن کی طرح دمک رہی تھی۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے تراشیدہ ہونٹوں پر آسودہ
مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ دو چار بار اپنے جسم کو بھرپور انداز میں دائیں بائیں حرکت دینے
کے بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں، پھر ہڑبڑا کر اُٹھی، بڑی سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا۔

''ہم اس وقت کہاں ہیں جمیل.....؟'' اُس نے نظریں گھما کر ماحول کا جائزہ لیا۔

''ریل کے فرسٹ کلاس میں.....'' میں نے شوخی سے کہا۔ ''اس وقت کمپارٹمنٹ میں
میرے اور تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہے۔''

''تم نے کہاں جانے کا ارادہ کیا ہے؟'' وہ میری بات کا جواب دینے کی بجائے میری
نگاہوں میں جھانکنے لگی۔ اُسے پھر میری فکر لاحق ہو گئی۔

''فی الحال دہلی جانے کا ارادہ ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''حضرت خواجہ نظام
الدین اولیاؒ کی درگاہ پر حاضری دینے کے بعد اگلی منزل ہردوار ہو گی.....''

''پہلے تو تم نے حیدر آباد جانے کا خیال ظاہر کیا تھا۔'' ہردوار کا نام سن کر اُس کے
چہرے پر اضطرابی کیفیتیں نمودار ہونے لگیں۔ کیا اب رکن الدین کی حویلی جانے کا ارادہ
ترک کر دیا؟ گلبرگہ چلتے تو ایک پنتھ دو کاج ہو جاتا۔ سیّد مجذوب سے ملاقات بھی ہو جاتی،
بزرگ کی چوکھٹ پر حاضری بھی دے لیتے۔''

''سفر بہت لمبا ہو جاتا۔ دو مختلف سمتوں کا راستہ طے کرنے میں خاصا وقت ضائع ہو
جاتا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''زندگی رہی تو اپنوں سے بھی ملاقات ہو
جائے گی۔''

''سیّد کو کیوں فراموش کر رہے ہو؟ اُس نے تمہیں دُرگا کے عتاب سے نجات دلا کر وہ
کارنامہ انجام دیا ہے جو میری قوت سے بھی باہر تھا۔''

''اُس کی لاٹھی میرے پاس ہے۔'' میں نے لاٹھی کو عقیدت سے چوم لیا۔ ''مجھے یقین ہے، سیّد مجذوب مجھے کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ میں جہاں بھی رہوں، اُس کا سایہ میرے ساتھ ساتھ ہوگا۔''

انکا نے جواب نہیں دیا، کسمسانے لگی۔ میں اُس کی نگاہوں میں اُلجھن کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''چپ کیوں ہوگئیں؟'' میں نے اُسے چھیڑا۔ ''کیا سادھنا کا خون مارٹینا کے کالے ٹیل خون سے زیادہ لذت آمیز نہیں ثابت ہوا.....؟''

''تمہیں اس وقت مارٹینا کیوں یاد آگئی.....؟''

''اور کسے یاد کروں.....؟'' مجھے کلدیپ یاد آگئی۔ نرگس کا تصور ذہن میں کلبلانے لگا۔ مالا رانی کا خیال کروٹیں لینے لگا۔ میں نے آہ بھر کر کہا۔ ''میری زندگی میں اب یادوں کے سوا اور کیا رہ گیا ہے.....؟''

''میری ایک بات مانو گے.....؟'' اُس نے بڑے لاڈ سے کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کیا مشورہ دو گی۔'' میں اُس کا اشارہ سمجھ گیا۔ ''تم مجھے ہر دوار جانے سے روکنا چاہتی ہو۔ لیکن کب تک؟'' میرے جنون نے پھر سر اُبھارنا شروع کیا۔ ''پنڈت نول کشور منڈل سے باہر آنے میں جلد بازی نہیں کرے گا۔ مجھے دُور بٹھا کر دوسرے معاملات میں اُلجھاتا رہے گا۔ تم نے ہی بتایا تھا۔ میں انتظار بھی کرلوں۔ لیکن زندگی کی ضمانت کون دے گا؟ بلاوے کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ کسی وقت بھی جسم اور رُوح کا رشتہ اُس کے حکم سے ختم ہوسکتا ہے۔ میں حسرتیں دل میں لئے دنیا سے رخصت ہوگیا تو میری رُوح کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔ ایک طرف میری لاوارث لاش کو کوئی خیراتی ادارہ قبر میں اُتارنے کی تیاری کررہا ہوگا، دوسری طرف نول کشور بھنگ چڑھا کر کسی کم عمر پجارن کی برہنہ کمر پر ہاتھ ڈالے دُھوم دھڑکا کرنے میں مگن ہوگا، جیو رام..... چھیو رام اور جے بجرنگ بلی کے نعرے لگائے گا۔ چندرا کی کسی سندرنار کے شریر کو ہاتھ لگانے کی قسم بھی ٹوٹ جائے گی۔ بھی کسی معصوم کو زبردستی گابھن کرنے میں جُٹ جائے گا۔ میں نے پریتم لال مہاراج سے جو وعدے کئے تھے، وہ ادھورے رہ جائیں گے۔ کلدیپ کی رُوح ہمیشہ شاکی رہے گی۔'' میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''نہیں انکا رانی..... نہیں۔ میں ان دونوں چتکوں مثلوں

موہن سوہن کی ناجائز اولادوں کو خوشیاں منانے کا موقع نہیں دُوں گا۔ جب تک جہنم رسید نہ کرلوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا..... پنڈت پجاریوں کو تالیاں بجانے کا موقع مل گیا تو وہ پھر اوقات سے تجاوز کرنے لگیں گے۔''

''میں تمہارے دل کی کیفیت سمجھ رہی ہوں۔ لیکن.....''

''بہت وقت گزر گیا، بڑے درگزر سے کام لیتا رہا۔ اب لیکن ویکن کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔''

''ٹھیک ہے جمیل.....'' انکا نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر میں تمہیں روکوں گی نہیں۔ مگر ایک وعدہ کرو، تم جذبات میں بے قابو ہو کر کوئی قدم نہیں اُٹھاؤ گے۔''

''تم اس قسم کے مشورے پہلے بھی دیتی رہی ہو۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''انسان جان بوجھ کر نادانی نہیں کرتا۔ اپنی خوشی سے کوئی بھڑکتی آگ میں چھلانگ لگانے کی حماقت نہیں کرتا۔ وقت، حالات، گھٹن، محرومیاں اور اندر ہی اندر پکنے والا آتش گیر مادہ جب لاوے کی شکل میں اُبلتا ہے تو ساری مصلحتیں، تمام دُور اندیشیاں اور سود و زیاں کا حساب کتاب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ جنون کی شدت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ وہ آدم خور بن جاتا ہے۔ اپنے حریف کو پھاڑ کھانے کی خواہش کے علاوہ اُسے اور کچھ نہیں سجھائی دیتا..... کملا نام کی وہ ٹھوس جسم والی مرہٹی لڑکی یاد ہے تمہیں؟ لالہ موتی رام کی ناجائز اولاد جسے لاڈ پیار نے بربادی کی روش پر ڈال دیا تھا۔ تمہارے ایک اشارے پر وہ پکے ہوئے آم کی طرح میرے قدموں میں آگری تھی۔ تم نے سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا تھا۔ اُس کی رگوں میں دوڑتے ہوئے گاڑھے خون نے تمہیں بھی جنون کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا۔ یاد ہے تمہیں؟ تم نے کس قدر وحشیانہ انداز میں حلق سے خوفناک غراہٹ کی آوازیں نکال کر مجھے اُسے مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ کتنے جنونی انداز میں میرے سر پر اپنے باریک پنجے چبھوئے تھے۔ برا مت ماننا انکارانی، اگر اس وقت میں انکار کر دیتا تو شاید تم مجھے بھی زندہ چبا ڈالنے سے گریز نہ کرتیں..... کہو، کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ کملا کی بات یاد نہ آرہی ہو تو سادھنا کو یاد کرو..... کل رات ہی کی بات ہے جب اپنی خواہش کی تکمیل کی خاطر تم نے اُس تر و تازہ کلی کو کس بیدردی سے جوانی کی لہلہاتی شاخ

سے نوچ کر مسل ڈالا.....''

انکا کوئی جواب نہ دے سکی، خاموش بیٹھی مجھے ٹکٹکی باندھے گھورتی رہی۔

''اس انداز میں کیوں گھور رہی ہو جانِ من؟'' میں اُس کے لاجواب ہو جانے پر ترنگ میں آ گیا۔ ''اشتعال اور بارود میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی جلتی ہوئی تیلی نہ دکھائے دونوں میں دھماکے نہیں ہوتے۔'' میں نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ''اور کچھ یاد دلاؤں؟ کوئی اور مثال دُوں؟ مثلاً جب دہلی کا نام آتا ہے تو مجھے اپنی نرگس یاد آ جاتی ہے۔ وہ میرے پیار کی خاطر، مجھے پریشانیوں سے چھٹکارا دلانے کی خاطر ایک بزرگ کے مزار کی طرف جا رہی تھی جب تم نے.....''

''بس کرو جمیل..... چپ ہو جاؤ۔'' انکا، نرگس کا نام سن کر کسمسانے لگی۔ ''نرگس کے سلسلے میں کئی بار میں تم سے معذرت کر چکی ہوں۔''

''میں مانتا ہوں۔ لیکن پنڈت نول کشور نے ابھی تک کوئی معذرت نہیں کی۔ مفاہمت کا کوئی پہلو اختیار نہیں کیا۔ بار بار بارود کو دُور بیٹھا آگ دکھا رہا ہے۔ ایک بار کھل کر دھماکے ہو لینے دو، اب چھوٹی موٹی دھائیں، دھوئیں سے کام نہیں چلے گا۔''

''تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' انکا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''میں کوشش کروں گی کہ تمہارے دشمنوں کو منڈل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دُوں۔ پھر تم اپنی حسرتیں بھی پوری کر لینا۔''

''اب ہوئی نا بات.....'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''پہلی بار تم نے میرے دل کی بات پر صاد کیا ہے۔ دل چاہتا ہے تمہارا منہ چوم لوں۔''

''ہمیشہ جھوٹے وعدوں پر ٹرخاتے رہتے ہو، کبھی عمل کر کے دکھاؤ تو جانوں۔'' اُس نے سیدھا پاؤں سر پر مسلتے ہوئے ایک خاص ادا سے کہا۔ مجھے لکھنؤ کے کوٹھوں کی طرح دار طوائفیں یاد آ گئیں۔

ہمارے درمیان خوشگوار ماحول میں باتیں شروع ہو گئیں۔ انکا مجھے لبھاتی رہی۔ میں چھیڑ خانی کی باتیں کرتا رہا۔ کئی اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ ایک اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ مجھے دیکھ کر یوں چونکا جیسے پہلے سے جانتا ہو۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دینے کی زحمت نہیں کی۔ البتہ یہ فکر ایک لمحے کو ضرور لاحق ہوئی کہ میں بے ٹکٹ سفر کر رہا تھا۔

''اے مسٹر، تم اس ڈبے میں کیسے آ گئے.....؟'' ٹکٹ چیکر نے میرے قریب آ کر

خوشگوار انداز میں سوال کیا۔

''کیوں.....؟'' میں نے بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا یہ فرسٹ کلاس نہیں ہے؟''

''صورت شکل سے تو پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ لاٹھی.....''

''بھونکنے والے کتوں کو بھگانے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔'' میں نے اُس کا جملہ مکمل کیا تو وہ پیچ و تاب کھا کر بولا۔

''تمہیں اگلے اسٹیشن پر یہ ڈبہ خالی کرنا ہوگا۔ یہ کسی کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ کیا تمہیں باہر ریزروڈ (RESERVED) کی تختی نظر نہیں آئی.....؟''

''اتنا پڑھا لکھا ہوتا تو فرسٹ کلاس میں کیوں سفر کرتا.....؟'' میں نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

''ٹکٹ ہے تمہارے پاس.....؟'' اُس نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''کیا خیال ہے جمیل.....؟'' انکا نے ٹکٹ چیکر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس کو اُٹھا کر باہر نہ پھینک دُوں؟''

میں نے جواب دینے کی بجائے ٹکٹ چیکر کو غصے سے دیکھتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میرا نفسیاتی حربہ کام آ گیا، انکا کی موجودگی میں مجھے زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے مسٹر.....'' اُس نے میرے غصے سے مرعوب ہو کر جواب دیا۔ ''ٹکٹ ہوگا آپ کے پاس۔ لیکن یہ ڈبہ آپ کو بہرحال اگلے اسٹیشن پر خالی کرنا ہوگا۔'' وہ اپنا آخری فیصلہ سنا کر سستانے کی خاطر دُور جا کر بیٹھ گیا۔

''انکارانی.....'' میں نے بھی فیصلہ کن لہجے میں انکا کو مخاطب کیا۔ ''میں یہ ڈبہ خالی نہیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا.....''

اگلا اسٹیشن آنے سے پہلے گاڑی کی رفتار مدھم ہونی شروع ہوئی تو انکا میرے سر سے رینگ کر اُتر گئی۔ ٹکٹ چیکر کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔ گاڑی رُکی تو اُس نے بڑی تہذیب سے کہا۔

''ڈبہ گوالیار سے دہلی تک کے لئے مخصوص ہے۔ آپ ایک اسٹیشن پہلے اُتر جایئے گا۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ خاموشی سے نیچے اُتر گیا۔ انکا کچھ دیر بعد دوبارہ

واپس آ گئی۔

''تمہیں یاد ہے جمیل؟ میں نے سادھنا کے سلسلے میں ہندوستان کے ایک منتری سے سلسلے میں بات کی تھی۔'' انکا نے مجھے اپنی معلومات سے آگاہ کیا۔ ''اُسی کی اکلوتی لڑکی گوالیار سے ہماری ہم سفر ہوگی۔ اُس کے ساتھ حفاظتی عملہ بھی ہوگا۔ اُن کے لئے برابر کے ڈبے میں نشستیں محفوظ کرائی گئی ہیں۔''

''کچھ بھی ہو، میں اپنی نشست خالی نہیں کروں گا۔'' میں نے کسی ضدی بچے کی طرح کہا۔ انکا مسکرانے لگی۔

''کیا تم ہمیشہ اسی انداز میں بات نہیں کر سکتے؟''

''حالات لگام کھینچ کر مجھے طیش دلاتے ہیں۔ بات میرے بس میں نہیں رہتی۔'' میں نے وضاحت پیش کی۔

''تمہیں اب اپنے آپ پر قابو رکھنا ہوگا جمیل۔'' وہ سنجیدہ ہوگئی۔ ''پنڈت نول کشور جب تک منڈل سے باہر نہیں آ جاتا میں اس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی۔ اُس مردود نے یونہی اتنی لمبی چوڑی بساط نہیں بچھائی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ابھی وہ صرف اپنے پیادے آگے بڑھا رہا ہے، اہم مہرے اُس نے سنبھال کر رکھے ہوں گے۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''میری بات کا غلط مطلب مت نکالو۔'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میرا مقصد یہ تھا کہ ہم جو قدم بھی اُٹھائیں سوچ سمجھ کر اُٹھائیں۔ دشمنوں کو بھاگنے کا موقع نہ دے سکے۔ وہ بکھر کر اِدھر اُدھر ہو گئے تو کہانی پھر طول پکڑ لے گی۔ تم میری مجبوری سے واقف ہو۔ میں کالی کے مندر یا کسی پجاری کے منڈل میں نہیں داخل ہو سکتی۔''

''فکر مت کرو۔ مجھے مندروں میں گھسنے اور حالات سے نمٹنے کا تجربہ ہے۔'' میں حقارت سے بولا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ نول کشور، پنڈت بدری نرائن یا امر لال سے زیادہ قوتوں کا مالک ہوگا۔''

انکا کچھ سوچنے لگی۔

''تم نے چندرا کے بارے میں کوئی کھوج لگایا؟'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔ ''وہ اتنی کم عمری میں موت کی تمنا کیوں کر رہا ہے؟''

''اُسے بھی کم مت سمجھنا۔'' انکا نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''سانپ کا بچہ بھی سنپولا کہلاتا ہے۔ چندرا میں بھی سانپوں جیسی خاصیت ضرور ہوگی۔ وہ امر لال کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اُس کی رگوں میں باپ کا خون موجود ہے، اسی خون کی گرمی نے اُس کے انتقامی جذبوں کو ہوا دی ہوگی۔ وندھیاچل کی برفانی گپھاؤں میں منڈل کھینچ کر سال دو سال گزارنا عام آدمیوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ بڑے بڑے پنڈت چیں بول دیتے ہیں۔ چندرا وہاں جم کر بیٹھا ہوگا تو اُس نے کچھ نہ کچھ حاصل بھی کیا ہوگا لیکن..... تم یہ بار بار چندرا کے دھیان میں کیوں گم ہو جاتے ہو؟''

''مجھے اُس کی جوانی پر کبھی کبھی ترس آنے لگتا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''فرض کرو میں طبعی موت کا شکار ہو جاؤں تو کیا وہ حرام کا تخم کسی حسینہ کے مخملی جسم کو ہاتھ لگائے بغیر مجرد زندگی گزار دے گا؟ پجارنیں صرف اُس کا خواب دیکھتی رہیں گی، خود وہ بھی ماہی بے آب کی طرح اپنی خواہشات کی کانٹوں بھری سیج پر تڑپتا رہے گا۔''

''عجیب مخنث ہو تم۔'' انکا مسکرا دی۔ ''کبھی چندرا کا نام سن کر تمہارے اندر کا وحشی گھوڑا ہنہنانے لگتا ہے، تم طیش میں آ کر بے قابو ہو جاتے ہو، دیوانگی کی تمام سرحدیں عبور کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہو۔ اس وقت چندرا کی کمسن جوانی تمہارے آڑے آ رہی ہے۔''

انکا کا اعتراض بجا تھا۔ میں نے جسے قدموں تلے روندنے کا عزم کر کے جین کی مرمریں بانہوں اور مہکتی زلفوں سے منہ موڑا تھا، لندن کی پُرسکون زندگی کو الوداع کہا تھا، اُس کے بارے میں میرے دل کے کسی گوشے میں بھی ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں اُبھرنا چاہئے تھا۔ وہ میرا دشمن تھا۔ میرے خون کا پیاسا تھا، میری کلدیپ کے قاتل کا بیٹا تھا۔ مجھے اُس سے شدید نفرت کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔ میں نے موضوع بدل دیا۔ انکا نے بھی سکون کا سانس لیا۔ وہ بھی میری وحشتوں، میرے جنون سے گھبرا جاتی تھی۔ میری ہمدرد تھی۔ مجھے پُرسکون دیکھنا چاہتی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ گوالیار کا اسٹیشن قریب آنے لگا تو انکا کے تیور یکلخت تبدیل ہونے لگے۔ اُس کی نگاہوں میں اُلجھن اور خوشی کے ملے جلے تاثرات اُبھرنے لگے۔

''کیا بات ہے انکا رانی.....؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''تمہاری نظریں کہاں بھٹکتی پھر رہی ہیں؟''

''گوالیار کا اسٹیشن قریب آ رہا ہے۔'' انکا نے کسمساتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے
سے کہا تھا کہ راج منتری کی بیٹی چار محافظوں کے ساتھ سفر کرے گی۔ لیکن وہ محافظ دُور
تک کہیں نظر نہیں آ رہے۔ لڑکی جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ ہے مجھے کچھ گھبرا
گھبرائی سی نظر آ رہی ہے۔ اُس کے ساتھ جو دو آدمی ہیں وہ بھی مجھے اچھے لوگ نہیں دکھ
دیتے۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور پیدا ہوئی ہے۔ نارنگ سنہا بڑی اُونچی شے ہے
نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ پردھان منتری کو بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ اُس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں
بہت دُور اندیش، بڑا معاملہ فہم آدمی ہے۔ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کا عادی ہے۔
میں نے جو معلومات کی ہیں، وہ غلط نہیں ہو سکتیں۔ راج منتری نارنگ اپنی بیٹی کو دنیا
سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ محافظوں کا انتخاب کرتے وقت بھی اس نے بہت سوچ سمجھ
کوئی آخری فیصلہ کیا ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لئے ایک بات اور بتا دُوں، نارنگ سنہا
ثمار اصول پرست اور ایماندار لوگوں میں کیا جاتا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ اُس نے انڈ
ورلڈ (UNDER WORLD) کے کئی گاڈ فادرس (GODFATHERS) سے گٹھ جوڑ کر
ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو حکومتی کاموں میں اُس کی جڑیں اتنی مضبوط نہ ہوتیں۔''

میں خاموشی سے انکا کی باتیں سنتا رہا۔ وہ نارنگ کے بارے میں مجھے بڑی تفصیل سے
ایک ایک بات بتا رہی تھی۔ اُس کی لڑکی کے حسن و جمال کے سلسلے میں بھی اُس نے
تعریفیں کی تھیں کہ میرا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

گاڑی کی رفتار مدھم ہوتے ہوئے تھمنے لگی تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ میں دا
دروازے کی مخالف سمت والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گاڑی رُکی تو کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھل
ریلوے کے عملے کے کئی بڑے عہدیدار باہر موجود تھے لیکن میں پھٹی پھٹی نظروں سے اُ
نازک انداز حسینہ کو دیکھ رہا تھا جو اندر داخل ہو رہی تھی۔ میری آنکھیں پٹ پٹانے لگیں
لاکھوں میں بھی ہوتی تو میں اُسے دور سے پہچان لیتا۔ وہ امریتا کے سوا کوئی اور نہیں تھی
میرے کانوں میں اُس کی گفتگو کے وہ خوبصورت جملے رس گھولنے لگے جو لندن سے وا
کے وقت جہاز میں ہمارے درمیان ہوئی تھی۔

امریتا نے ڈبے میں قدم رکھا تو اُس کے جسم کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی۔ اس کے سا
ساتھ دو ہٹے کٹے مسلح افراد بھی اندر آ گئے۔ اُنہوں نے گیٹ ہی سے استقبال کرنے وا

کو خوبصورتی سے ٹال کر دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ امریتا اور میری نظریں چار ہوئیں تو
اُس کی نگاہوں میں خوشی کی کرن بس ایک لمحے کو نظر آئی، پھر اُس نے بے رُخی سے نظریں
پھیر لیں۔ آگے بڑھ کر تھکے تھکے انداز میں برتھ کے آخری سرے پر جا کر بیٹھ گئی۔ دونوں
مسلح افراد دروازے پر جمے کھڑے رہے، اُن کی نظریں بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھیں۔
شاید اُنہیں نارنگ کی بیٹی کے لئے ''مخصوص'' کمپارٹمنٹ میں میری موجودگی پر تعجب ہو رہا
تھا۔ میں امریتا کو کنکھیوں سے دیکھنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ اُس نے مجھے شناخت کرنے میں
اجتناب کیوں برتا؟ فضائی سفر کے دوران تو وہ کسی خوش گلو پرندے کی طرح چہک چہک کر
باتیں کر رہی تھی، بڑی بے تکلفی سے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ وہ
نہ صرف مجھ سے واقف ہے بلکہ آزما بھی چکی ہے..... میں نے اپنے ذہن کو ایک بار پھر
کھنگالنا شروع کیا، کئی امکانات پر غور کیا، کئی پہلوؤں سے ماضی پر نظر ڈالی لیکن امریتا سے
مشابہ کوئی چہرہ دُور دُور تک نظر نہیں آیا۔ میرے کانوں میں اُس کا کہا ہوا ایک جملہ صدائے
بازگشت بن کر گونجا..... ''آزمائی ہوئی چیزوں کو دوبارہ پرکھنے کی کیا ضرورت ہے.....؟''
گروپرتاپ نے بھی امریتا کے بارے میں میرے استفسار پر امریتا کے اسی جملے کی تصدیق
کی تھی۔

میرا ذہن اُلجھنے لگا۔ گاڑی نے آخری سیٹی کے بعد رینگنا شروع کیا تو انکا میرے سر پر آ
گئی۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ کسی خیال میں مستغرق نظر آ رہی تھی۔ میں
نے امریتا کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا، فضائی سفر کے دوران گرو نے امریتا اور انکا کے
درمیان کوئی پردہ حائل کر دیا تھا جو وہ امریتا کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ گرو نے کسی خاص مصلحت کی
بناء پر ہی ایسا کیا ہوگا۔ میں بھی انکا رانی کو یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ میرے دل کی
گہرائیوں میں جھانک کر کوئی شکوہ کرے۔

گاڑی نے رفتار پکڑی تو ایک مسلح شخص امریتا کے ساتھ والی نشست پر جم کر بیٹھ گیا،
دوسرا میرے قریب آ کر بڑے خشک لہجے میں بولا۔

''تم کس طرح اندر گھس آئے؟ یہ ڈبہ تو صرف ایک ہی فیملی کے لئے بُک ہوا تھا۔''

انکا میرے جواب دینے سے پیشتر ہی سر سے اُتر گئی۔ ہٹے کٹے شخص کے تیور اچانک
بدل گئے۔ بڑی نرمی سے بولا۔

''شما کرنا مہاراج، میں نے تمہیں پہچانا نہیں تھا۔ دھرم کرم کے معاملے میں ہم پنڈت پجاری سے اُلجھنے کی غلطی نہیں کرتے۔''

وہ انکا کے زیر اثر تھا۔ میں نے برا سا منہ بنا کر اُسے ہاتھ کے اشارے سے دھتکار وہ ہاتھ باندھ کر ڈنڈوت کرنے کے انداز میں تھوڑا سا جھکا، پھر اپنے ساتھی کے پاس جا سرگوشی کرنے لگا۔ میں نے پھر اچٹتی ہوئی نظر امریتا کے چہرے پر ڈالی، اُس کی اجنبیت انداز مجھے ڈس رہا تھا۔ اگر وہ نارنگ جیسے قد آور منتری کی چہیتی تھی تو پھر اُسے اپنے محافظ سے اس قدر خوفزدہ بھی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ فضائی سفر کے دوران وہ بڑی الٹرا ماڈرن، بے باک نظر آئی تھی۔ اب اجنبیوں کی طرح گم صم بیٹھی شاید میرے صبر کا امتحان لے تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی مصلحت کے پیش نظر اُس نے محافظوں کی موجودگی میں مجھ بے تکلف ہونا پسند نہ کیا ہو۔

کچھ دیر بعد انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

''میں نے غلط نہیں کہا تھا بمیل.....'' اُس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''نارنگ کی چہیتی اور چہیتی بیٹی جس کا نام امریتا ہے اس وقت بڑی بے بسی کا شکار ہے۔ قسمت نے تمہیں ایک سنہری موقع دیا ہے۔ تم امریتا کی مدد کر کے نارنگ کا دل جیت سکتے ہو۔ تمہارے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے وضاحت چاہی۔

''امریتا کے چار محافظ جو اس کی حفاظت پر مامور تھے، اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ یہ دو ہٹے کٹے آدمی جو تمہیں اس وقت نظر آ رہے ہیں انہوں نے امریتا کو اغواء کرنے یرغمال بنا لیا ہے۔ ان کا تعلق نارنگ کے مخالف گروہ سے ہے، امریتا کے عوض وہ نارنگ سے بڑی سے بڑی رقم طلب کر سکتے ہیں، اپنی کوئی بات بھی منوا سکتے ہیں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے.....؟'' میں نے بے چینی سے کہا۔ ''کیا دہلی کے ریلوے اسٹیشن نارنگ سنہا کے حفاظتی دستے کے دوسرے افراد امریتا کے استقبال کو موجود نہیں ہوں گے''

''استقبال تو تب ہوگا جب وہ دہلی پہنچ سکے گی۔'' انکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''کیا مطلب.....؟'' میں چونکا۔

''امریتا کو دہلی پہنچنے سے پیشتر ہی راستے میں اُتار لیا جائے گا۔ نارنگ کو خبر ہونے

اُس کو ایسی جگہ پہنچا دیا جائے گا جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے..... اغواء کرنے والوں کی جڑیں بھی زیر زمین کام کرنے والوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔''

انکا سے تفصیل سن کر مجھے امریتا کے گم صم ہونے کی وجہ سمجھ آ گئی۔ میں نے اُسے بغور دیکھا، آزاد فضاؤں میں چہکنے والی بلبل اس وقت شکاریوں کے جال میں پھنسی بے بس نظر آ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو جمیل.....؟'' انکا نے کہا۔ ''کیا امریتا کے حسن اور جسم کے گداز نے تمہیں متاثر نہیں کیا؟ ایک نظر بھر کر دیکھو، اس کی نس نس سے جوانی پھوٹی پڑ رہی ہے۔ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام والا سودا ہے۔ یہ بھی تمہاری آغوش میں مچلنے سے گریز نہیں کرے گی۔ نارنگ بھی تمہارا بے دام غلام بن جائے گا۔ بڑے بڑے پولیس آفیسر اس کا نام سن کر ہی تھر تھرانے لگتے ہیں۔''

''میں راستے میں اُلجھ گیا تو میرا سفر پھر لمبا ہو جائے گا۔'' میں نے دیدہ و دانستہ امریتا سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو یہ موقعے بار بار ہاتھ نہیں آتے۔''

میں کچھ توقف کے بعد اپنی سیٹ سے اُٹھا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میری گرفت میں تھی، انکا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ میں نے ندا کی قوتوں والے عمل سے خود کو محفوظ کر لیا۔ امریتا مجھے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر پہلو بدلنے لگی۔ شاید وہ مجھے خطرے کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ اُسے یہ اندیشہ بھی لاحق ہوگا کہ بات بڑھ جانے کی صورت میں اغواء کرنے والے اُسے گولی بھی مار سکتے ہیں۔

میرے پاس قوتوں کی کمی نہیں تھی۔ پریتم لال نے کہا تھا کہ میں کسی جائز کام کے لئے اس کا نام لے کر جس خواہش کا خیال دل میں لاؤں گا وہ ضرور پوری ہوگی انکا کو بھی پریتم لال نے اپنی کچھ حیرت انگیز قوتیں سونپ دی تھیں۔ سیّد کی متبرک لاٹھی بھی میرے پاس تھی۔ مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ میرے قدم جوں جوں آگے بڑھتے گئے، امریتا کی بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ دونوں ہٹے کٹے افراد بھی محتاط ہو گئے۔ جس نے مجھ سے بات کی تھی، وہ بیٹھا رہا۔ اُس کا دوسرا ساتھی بغلی ہولسٹر سے پستول نکال کر اُٹھ کھڑا ہوا، خطرناک انداز میں غرا کر بولا۔

''جہاں بیٹھے تھے وہیں واپس جا کر سکون سے بیٹھ جاؤ مہاراج، ہم اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ دھرم کرم سے ہمارا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم صرف گولیوں کی زبان میں بات کرنے کے عادی ہیں۔ تم اپنا کام کرو، ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ اسی میں دونوں کی بھلائی ہے۔''

''سندری..... تمہارا نام امریتا ہے نا.....؟'' میں نے پستول والے کو نظر انداز کر کے براہِ راست امریتا کو مخاطب کیا۔

''آں..... ہاں.....'' اُس نے سٹپٹاتے ہوئے جواب دیا۔ اس بار بھی اُس کی نظروں میں اجنبیت تھی۔

''تمہارے ساتھ یہ کون لوگ ہیں.....؟'' میں نے دوسرا سوال کیا۔

''تم..... تم اپنا کام کرو۔'' وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''یہ..... یہ میرے محافظ ہیں۔''

''سن لیا تم نے گرو دیو.....'' پستول والے نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ ''اب پھرتے نظر آؤ۔''

''میں نے تمہیں ڈبے میں بیٹھنے کی اجازت دی تھی، تم نے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر دیئے۔'' دوسرے کے لہجے میں تلخی شامل ہو گئی۔ ''جاؤ بابا جاؤ، ہمارے متھے لگنے کی کوشش مت کرو.....''

''سندری.....'' میں نے پھر امریتا کو مخاطب کیا۔ ''میں تیری دُبدھا کا کارن سمجھ گیا ہوں۔ پرنتو کوئی چنتا نہ کر۔ میں جو تیری سہائتا کو آ گیا ہوں۔ ان اٹھائی گیروں بدمعاشوں کا خوف دل سے نکال دے۔ شانت ہو جا، جو یہ دشٹ چاہتے ہیں وہ اب نہیں ہو گا۔ تو میری شرن (پناہ) میں آ گئی ہے۔''

پستول والے کا دوسرا ساتھی بھی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کا پستول بھی نکل آیا۔ انتہائی برق رفتاری سے رینگتی میرے سر سے اُتر گئی۔ امریتا کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ وہ بدستور سینہ تانے اپنی جگہ کھڑا رہا۔

''راجو.....'' دوسرے شخص نے اپنے ساتھی کو حکم دیا۔ ''اسے ٹھکانے لگا کر لاش گاڑی سے باہر پھینک دے۔''

جسے راجو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اُس نے پستول فضا میں بلند کیا۔ میں نے سیدھ

درمیان میں کر لی۔ راجو کے پستول سے یکے بعد دیگرے چھ شعلے لپکے..... چھ پھول میرے قدموں میں پڑے نظر آنے لگے۔ دوسرا شخص بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا، سیدھ کی لاٹھی اُس پر اُچھال دی۔ وہ بلبلاتا ہوا اوندھے منہ گرا۔ پھر امریتا کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ راجو پستول پھینک کر اپنے ساتھی پر چڑھ بیٹھا۔ جیب سے ریشم کی مضبوط ڈور نکال کر اُس نے زمین پر گرے ہوئے بدمعاش کے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے سختی سے باندھ دیئے، پھر اُس کے پاؤں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا..... وہ راجو کی شان میں مغلظات گالیاں بکنے لگا۔

میں نے لاٹھی زمین سے اُٹھا کر اُس کے سر پر مار دی۔ اُس کے حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں بلند ہوئیں، پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے مہاراج؟'' راجو ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''مچھ..... پاپی..... پہاڑ کے نیچے آیا تو گڑگڑانے لگا۔ پہلے بڑا اُچھل کود رہا تھا۔'' میں نے دل میں پریتم لال کا نام لے کر اُسے حکم دیا۔ ''اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لے..... سنا تو نے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

راجو نے کسی سعادت مند بچے کی طرح اپنی اُنگلیوں کا شکنجہ بنا کر گلے میں ڈال لیا۔ اُس کے دونوں انگوٹھے پوری قوت سے ٹینٹوے پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں حلقوں سے اُبلنے لگیں۔ حلق سے گھٹی گھٹی ہوئی خوفناک آوازیں بلند ہوئیں۔ پھر اُس کی زندگی کا چراغ اُسی کے ہاتھوں بجھ گیا۔ وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔ امریتا دوڑ کر بے اختیار میرے سینے سے لپٹ گئی۔ اُس کے جسم کی تپش، اُس کے سینے کی دھڑکنیں میرے اندر کے شیطان کو اُکسانے لگیں۔ میں اُسے ہاتھوں کے حصار میں لئے اپنی نشست کی طرف واپس آ گیا۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ عجیب صورت تھی، موت کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ خوفزدہ ہو کر تھر تھرا رہی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے جکڑ رکھا تھا۔ پہلے وہ گم صم بنی بیٹھی تھی۔

''جمیل.....'' انکا کی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ ''میں گارڈ کے سر پر جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے امریتا کے اغواء کی سازش میں اُس کا بھی ہاتھ شامل ہو۔ لیکن اب یہ گاڑی دہلی پہنچنے سے پیشتر راستے میں کہیں نہیں رُکے گی۔ تم پریشان مت ہونا۔ مجھے گارڈ کے علاوہ

انجن ڈرائیور کو بھی قابو کرنا ہوگا۔ تم چاہو تو بے قابو ہو جاؤ۔ امریتا اس وقت تمہاری خواہش سے انکار نہیں کرے گی۔''

انکا چلی گئی۔ میں امریتا کو نارمل حالت میں لانے کی خاطر تسلیاں دیتا رہا۔ میرا خیال ہوش و حواس بحال ہونے کے بعد مجھے پہچان لے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دہشت کیفیتوں سے نجات پانے کے بعد وہ ہونٹ چباتی مجھ سے دُور ہوگئی، مدھم لہجے میں بولی

''تم نے میرے اُوپر جو احسان کیا ہے وہ میں سارا جیون یاد رکھوں گی۔ تم نے بروقت میری مدد نہ کی ہوتی تو نہ جانے میرا کیا انجام ہوتا۔'' آخری جملہ ادا کرتے اُسے جھرجھری آ گئی۔ سہمے سہمے لہجے میں کہنے لگی۔ ''ان دونوں نے میرے باڈی گارڈ بڑی سفاکی سے قتل کیا تھا۔ مجھے وشواس نہیں تھا کہ میں ان کی قید سے آزاد ہوسکوں انہوں نے مجھے بڑے خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی۔''

''شاید اسی لئے تم نے مجھ سے گریز اختیار کر رکھا تھا؟'' میں نے اُسے کریدنے کوشش کی۔

''کیا مطلب.....؟'' اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے پہلے جانتے ہو؟''

''ہاں.....'' میں نے اُسے یاد دلانے کی خاطر کہا۔ ''ہم لندن سے ہندوستان آ وقت جہاز میں ایک ساتھ تھے۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔''

وہ مجھے غور سے دیکھنے لگی۔ اُس کی نگاہوں میں عجیب سی اُلجھن پیدا ہوئی۔ ''مجھے نہیں آ رہا۔'' اُس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

میرے ذہن میں اُتھل پتھل شروع ہوگئی۔ فضائی سفر کے دوران اُس کا خود میرے پاس آنا، بے تکلفی سے باتیں کرنا، اپنائیت اور پرانی واقفیت کا اظہار کرنا، گفتگو کا انداز، حسین چہرے پر کھیلنے والی شوخی و شرارت، ایک ساتھ کھانا کھانا، اُس ہونٹوں کے گداز پر اُبھرنے والی مقناطیسی مسکراہٹ۔ مجھے اُس کا ایک ایک انداز یا تھا۔ لیکن اُس نے سرے سے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

''تم فرسٹ کلاس میں سفر کر رہی تھیں۔ کچھ دیر کے لئے اُٹھ کر اکانومی میں پاس آ گئی تھیں۔'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''امریتا..... یہ نام بھی تم

مجھے بتایا تھا۔''

''ممکن ہے آپ کی نظروں کو دھوکا ہو رہا ہو، جس لڑکی کا ذکر آپ کر رہے ہیں وہ میری ہم شکل رہی ہو۔ اُس کا نام بھی امریتا ہوسکتا ہے۔'' اُس کے لہجے میں بھولپن تھا، وہ اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ لیکن جو کچھ میں کہہ رہا تھا وہ بھی غلط نہیں تھا۔

''تم نے مجھ سے مختصر گفتگو کے درمیان گرو پرتاپ کا نام بھی لیا تھا، وہ تمہارے ساتھ تھا۔ کچھ یاد آیا.....؟''

''گرو پرتاپ.....'' اُس کی سہمی سہمی نظروں میں ارتعاش کی کیفیت نمودار ہوئی۔ سنجیدگی سے بولی۔ ''ہاں..... میں گرو پرتاپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ پتا جی اُن کی بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ میں جب بھی بیرونِ ملک جاتی ہوں، گرو جی میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ لندن سے واپسی پر بھی وہ میرے ساتھ تھے۔ لیکن آپ.....'' اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر اپنی یادداشت کریدنے لگی۔

''میرا نام جمیل احمد خان ہے.....'' میں نے اُسے اپنا نام بتایا۔

''یہ نام بھی میں آپ کے منہ سے پہلی بار سن رہی ہوں۔''

میرا دل چاہا کہ اُس کی باتوں پر قہقہہ لگانا شروع کر دُوں۔ میرے سینے میں اُس کی تصویر آویزاں تھی۔ ایک ایک نقش میری نگاہوں میں کندہ تھا۔ اُس کی آواز، اُس کے دل لبھانے کا انداز، اُس کی شوخ مسکراہٹیں، لگاوٹ کی باتیں، سب کچھ ویسا ہی تھا، میں بھی وہی تھا۔ لیکن وہ بدل گئی تھی۔ عام زندگیوں میں بھی فلمی کہانیوں جیسے حیرت انگیز اتفاقات ہوسکتے ہیں۔ ایک شکل کی دو لڑکیاں بھی ہوسکتی ہیں، ان کے نام بھی ایک جیسے ہوسکتے ہیں۔ میں اُس کی بات تسلیم کر لیتا لیکن گرو پرتاپ کے حوالے کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اُس کی اجنبیت کی باتیں میرے لئے کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ شاید وہ مجھ سے مذاق کر رہی تھی۔ ممکن ہے کوئی اور مصلحت رہی ہو۔ ہوسکتا تھا اُسے اپنے ملک میں وہ آزادی حاصل نہ ہو جو بیرونِ ملک رہی ہو؟ نارنگ سنہا کی طرف سے اُس پر کچھ پابندیاں عائد ہوں؟ وہ بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ اُس کے حلقے میں بھی سب اُونچے طبقے کے افراد ہوں گے۔ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، گھومنا پھرنا سب کچھ ایک طے شدہ پروگرام اور ٹائم ٹیبل کے تحت عمل میں آتا ہوگا..... لیکن میں اُس کا محسن تھا، میں نے اُس کی جان بچائی تھی۔ دہلی کے ریلوے اسٹیشن

پر وہ میرے متعلق اپنے باپ سے اور کیا تعارف کرا سکتی تھی؟..... پھر وہ مجھے پہچاننے سے
کیوں گریز کر رہی تھی.....؟''

''جو لوگ تمہیں اغواء کر رہے تھے وہ کون تھے؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''اُن کا
مقصد کیا تھا.....؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' اُس نے شانے اچکا کر جواب دیا، پھر رسّی میں بندھے شیش
کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ مر گیا.....؟''

''نہیں.....'' میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''اگر یہ بھی مر گیا تو پھر میری زندگی کی
ضمانت کون دے گا؟''

''آپ گرو پرتاپ کو کیسے جانتے ہیں؟'' اُس نے پھر پٹڑی بدل دی۔

''وہ گرو تھا، میں چیلا۔'' میں نے اختصار سے کام لیا۔ ''تم اس سے زیادہ جان کر
کرو گی؟''

''آپ..... آپ بھی مجھے مہان شکتیوں کے مالک نظر آتے ہیں۔'' اُس کی حسین
آنکھوں میں پھر خوف کی تلچھٹ نظر آنے لگی۔ ''ایک لفنگے نے آپ پر فائر کیا، میں نے ڈر
کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو مارنے کے بعد وہ مجھے بھی زندہ نہیں
چھوڑیں گے۔ لیکن جب میں نے دوسرے کی چیخ کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں تو حیرت
زدہ رہ گئی۔ آپ کے چرنوں میں پھول پڑے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو
گئے۔ پھر آپ نے اپنی لاٹھی دوسرے پر اُچھال دی، وہ پستول رکھنے کے باوجود آپ کا کچھ
نہیں بگاڑ سکے۔ جو کچھ میری نظروں نے دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ ایک پل کو میرے ذہن
میں خیال اُبھرا کہ میں شاید جاگتے میں سپنا دیکھ رہی ہوں۔ ایک نے دوسرے ساتھی کے
ہاتھ رسّی سے باندھ دیئے، اس کے بعد آپ کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا..... آپ
کے کہنے پر اُس نے جیو ہتیا کر لی۔'' اُس نے پہلی بار مجھے عقیدت مندی کی نظروں سے
دیکھا۔ ''مجھے وشواس ہے کہ آپ بھی گرو پرتاپ سے کم شکتی کے مالک نہیں ہیں۔ گرو جی کو
ایسے ایسے چمتکار دکھاتے ہیں کہ سب اچنبھے میں پڑ جاتے ہیں۔ ڈیڈ آپ سے مل کر
بہت خوش ہوں گے۔ وہ پنڈت پجاریوں کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں.....''

''تمہیں مجھ سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی؟'' میری آنکھیں پھر سلگنے لگیں۔

''کیوں نہیں.....'' وہ تیزی سے بولی۔ ''آپ دیوتا سمان ہیں۔ میں آپ کے چرنوں کی
داسی ہوں۔''

''داسی دیوتاؤں سے اتنی دُور..... الگ تھلگ نہیں بیٹھتی۔'' میں نے اُسے اُکسانے کی
کوشش کی۔ ''اِندر کی سبھا کی رنگین کہانیاں نہیں سنیں تم نے.....؟''

اُس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور تبسم اُبھر آیا۔ میرے دل کی کلی چٹخنے لگی۔ وہ شرما کر
بولی۔ ''مجھے اِندر کے اکھاڑے کی کہانیاں عجیب لگتی ہیں۔''

''کیوں.....؟'' میں نے مضراب کے تاروں کو چھیڑا۔ ''یقین نہیں آتا.....؟''

''ایک بات میرے من میں کھٹک رہی ہے۔'' وہ پھر کسی بام مچھلی کی طرح ہاتھ سے
پھسلنے لگی۔ مجھے دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔ ''پوچھ لوں..... آپ برا تو نہیں منائیں گے؟''

''پہلے کسی منش نے تمہاری من موہ لینے والی باتوں کا برا منایا ہے؟'' میں نے پہلو
بدلا۔ وہ مسکرا دی۔

''آپ کا شبھ نام جمیل احمد خان ہے۔ لیکن.....'' اُس نے جان بوجھ کر جملہ پورا نہیں
کیا۔ میں اُس کی بات کا مفہوم بھانپ کر بولا۔

''شکتی اور طاقت کسی دھرم، کسی ذات پات کی پونجی نہیں ہوتی۔ جو من مار لیتا ہے، گیان
دھیان میں لگ جاتا ہے، وجے کیول اُسی کی ہوتی ہے۔ اپنے اپنے وشواس، اپنے اپنے
چلن کی بات ہے۔ ناموں میں کیا دھرا ہے۔'' میں نے بات جاری رکھی۔ ''میں تمہیں شکنتلا
کے نام سے پکاروں، کیا تم مجھے راجہ دشمنت سمجھ کر میری بانہوں میں سما جاؤ گی؟''

''آپ.....'' وہ شرما کر بولی۔ ''آپ شاید کالی داس کے لکھے ناٹک کی بات کر رہے
ہیں؟''

''یہ جیون بھی کسی ناٹک سے کم تو نہیں۔'' میں نے اُسے یاد دلایا۔ ''کچھ دیر پہلے جو ہو رہا
تھا وہ بھی ایک ناٹک تھا۔ میں تمہارے بھاگیہ سے یہاں نہ ہوتا تو اس ناٹک کا انت بھیانک
ہی ہوتا۔ وہ تمہیں ہر بات پر مجبور کر سکتے تھے۔ تم اُن کے قبضے میں تھیں۔ وہ دو تھے، مسلح
تھے۔ تم اپنے باڈی گارڈس کا انجام دیکھ چکی تھیں۔ تم انکار کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ
تمہیں کسی نام سے پکارتے تم اُن کے اشاروں پر ناچنے کو آمادہ ہو جاتیں۔ جیون سے سندر
اور کوئی شے نہیں ہوتی، اسے بچانے کے کارن منش اپنا سب کچھ بلیدان کر دیتا ہے۔ پاپ

اور پن کی باتیں تو من کا بہلاوا ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا.....؟''

وہ اپنی جگہ کسمسانے لگی۔ میری باتوں نے اُس کے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔ یہ تجربے کار تھا، وہ اناڑی۔ میں نے اُسے اشارے سے قریب آنے کو کہا۔ اُس نے خود داسی کہا تھا، دیوتا کی بات ماننا اُس کا دھرم تھا۔ وہ شرماتی لجاتی میرے قریب آ کر قدموں میں بیٹھنے لگی۔ میں نے بازو تھام کر اُسے پہلو میں بٹھا لیا۔ اُس کا قرب قیامت تھا۔ میں چاہتا تو جنون کا مظاہرہ کر کے اُسے اپنی بانہوں کی گرمی سے پگھلا دیتا۔ وہ انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ میں نے اُس کی زندگی بچائی تھی۔ وہ قرض چکانے میں زیادہ پس و پیش نہ کرتی۔ لیکن میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا، اُس کی زلفوں سے کھیلتا رہا، اُسے لبھانے کی باتیں کرتا رہا۔ ہمارے درمیان سے تکلف کی دیواریں سرکنے لگیں۔ اُس کا اعتماد بحال ہوا تو وہ بھی پرت پرت کھلنے لگی۔ مجھے اپنے اور نارنگ سنہا کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرتی رہی۔ میں نے فضائی سفر کے دوران ملاقات کا ذکر دوبارہ چھیڑا۔ اُس نے پھر بڑے یقین سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں اُلجھنے لگا۔ لیکن اُس کی باتوں نے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہونے دیا۔

انکارانی نے غلط نہیں کہا تھا۔ ٹرین کسی اسٹیشن پر نہیں رُکی۔ دہلی کا اسٹیشن قریب آنے لگا تو وہ میرے سر پر واپس آ گئی۔ بڑی چاق و چوبند دکھائی دے رہی تھی۔

''سفر کیسا گزرا جمیل.....؟'' اُس نے امریتا کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ابھی منزل دُور ہے.....'' میں نے سنبھل کر کہا۔

''اچھا کیا جو تم نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔'' وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ''باہر کے حالات بڑے نازک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف ہنگامہ ہو رہا ہے، گاڑی کا درمیانی اسٹیشنوں پر نہ رُکنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ مسافروں میں بھی افراتفری پھیل گئی ہے، ریلوے کے حکام الگ سر کھجا رہے ہیں۔ اُن کے لئے اُوپر والوں کے سوالات کا کوئی جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ خیالی گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ انجن کا بریک فیل ہو گیا ہے جس کا انجام تباہی ہو گا، کچھ سرکاری افسر اسے گاڑی کے اغواء کا نام دے رہے ہیں۔ ہر شخص پریشان ہے۔ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی، چاروں طرف تہلکہ مچا ہوا ہے۔ ٹیلیفون کھڑکھڑائے جا رہے ہیں، اخبار نویسوں کے ہاتھ ایک دلچسپ سرخی آ گئی ہے۔

سے زیادہ نارنگ سنہا پریشان ہے۔ وہ اس وقت دہلی کے اسٹیشن پر کسی زخمی شیر کی طرح ٹہلتا پھر رہا ہے۔ فوج کا ایک دستہ بھی بلا لیا گیا ہے، گاڑی کو روکنے کی خاطر مختلف انتظامات کئے گئے ہیں..... گاڑی رُکے گی تو سب کی توجہ تمہارے اپارٹمنٹ کی طرف ہو گی۔ نارنگ کی وجہ سے کسی کو مسافروں کی نہیں، صرف امریتا کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ تم ہیرو بن جاؤ گے۔ جس گروہ نے امریتا کو اغواء کرانے کا کام سرانجام دیا تھا اُن کے درمیان بھی کھلبلی مچی ہے۔ نارنگ کو امریتا کے محافظوں کے قتل کی اطلاع مل چکی ہے۔ اُس نے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ دل ہی دل میں منصوبے بنا رہا ہے۔ بڑا گھاگ آدمی ہے۔ تمہیں ایک بات اور بتا دُوں، نارنگ کے بنگلے میں اس وقت کئی جغادری پنڈت جمع ہیں، وہ بھی اپنے جنتر منتر آزما رہے ہیں۔ ان پنڈتوں میں نول کشور کا ایک نائب بھی ہے۔ نارنگ اُس پر بڑا اعتماد کرتا ہے۔ اُسے فوری طور پر ہردوار سے ایک مخصوص طیارہ بھیج کر دہلی بلا لیا گیا ہے۔ تم ذرا دُور اندیشی سے کام لینا۔ نارنگ کا اعتماد جیتنے کے ساتھ ساتھ تم پنڈت نول کشور کے نائب کو جہنم رسید کر کے اُسے بھی اپنی طاقت کا احساس دلا سکتے ہو.....''

میں انکارانی کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ امریتا میرے قریب ہی بیٹھی تھی۔ جس شخص کے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے، وہ ہوش میں آ چکا تھا۔ اُس نے منہ سے کوئی آواز نہیں نکالی، حیرت سے آنکھیں پھاڑے چھت کو گھور رہا تھا۔ پنڈت نول کشور کا نام سن کر میرے اندر دبی چنگاریاں پھر بھڑکنے لگیں۔ میں نے طے کر لیا کہ اُس کے نائب کو بڑی اذیتناک موت سے دوچار کروں گا۔ ہردوار پہنچنے سے پہلے یہ میرے لئے ایک نیک شگون ہوتا۔ دشمن کی صفوں میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی.....!

کچھ دیر بعد گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر رُکی۔ میرے کمپارٹمنٹ کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ یکے بعد دیگرے چار کمانڈوز رائفل تھامے حیرت انگیز پھرتی سے دندناتے ہوئے اندر گھس آئے۔ اُنہوں نے مجھ پر رائفل تان کر ہاتھ اُٹھانے کا حکم دیا۔ میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ امریتا اُٹھ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تنی ہوئی رائفلوں کا رُخ زمین کی طرف ہو گیا۔ کمانڈوز نے امریتا کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کچھ نہ کچھ ضرور بھانپ لیا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر پلیٹ فارم پر دُور دُور تک صرف وردیوں میں ملبوس مسلح افراد نظر آ رہے تھے۔ ایک کمانڈو نے لپک کر اُن دونوں بدمعاشوں کے سر پر پوزیشن سنبھال لی جس

میں سے ایک پرلوک سدھار چکا تھا۔ دوسرے نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر کے اپنے ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لئے تھے۔ دو کمانڈوز کی نظریں مجھ پر اور امریتا پر مرکوز تھیں۔ چوتھے کمانڈو نے دروازے پر پہنچ کر سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کر کے سچویشن کنٹرول میں ہونے کا مخصوص اشارہ دیا تو سب سے پہلے نارنگ سنہا اندر داخل ہوا۔ اُس نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا، آنکھوں پر سنہری فریم کی عینک موجود تھی۔ پہلی ہی نظر میں وہ مجھے نڈر اور شخصیت کا مالک محسوس ہوا۔ امریتا دوڑ کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔ نارنگ کے چہرے کا تناؤ بتدریج کم ہونے لگا۔ وہ رُکا نہیں، امریتا کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گیا۔ دونوں کمانڈوز نے پھر رائفل تان لی۔ انکا تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی۔

جو کچھ ہوا، آناً فاناً ہوا۔ نارنگ کے جانے کے بعد اور کئی باوردی افسران ڈبے میں آ گئے۔ وہ صورت حال سمجھنے کی کوششوں میں مصروف تھے جب ایک فوجی افسر تیزی سے بھاگتا ہوا ڈبے میں آیا، مجھ سے کہنے لگا۔ ''مہاراج، آپ کو منتری جی نے یاد کیا ہے۔ وہ گاڑی میں بیٹھے آپ کی راہ تک رہے ہیں۔''

میں خاموشی سے سیّد کی لاٹھی تھامے اُٹھا۔ سب کی نگاہیں میری اصلیت جاننے کی خاطر بے چین ہو گئیں۔ میں اُن کے درمیان سے گزرتا ہوا باہر آیا۔ فوجی افسر میری رہنمائی کرتا ہوا پلیٹ فارم کے باہر کھڑی فلیگ کار (FLAG CAR) تک لے گیا۔ باوردی ڈرائیور نے اگلی نشست کا دروازہ کھولا، میں خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پچھلی نشست پر امریتا اپنے باپ کے سینے سے لگی بیٹھی کچھ سرگوشیاں کر رہی تھی۔ نارنگ کا چہرہ گرگٹ کی طرح رنگ تبدیل کر رہا تھا۔ ڈرائیور نے اندر آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ گاڑی چل پڑی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا.....!

نارنگ کی سرکاری کوٹھی پر اُس کے اہلکاروں نے میرا خاطر خواہ استقبال کیا، مجھے کوٹھی کے خاص مہمان خانے میں جگہ ملی جبکہ پنڈت پجاریوں کو انیکسی میں ٹھہرایا گیا تھا۔ شام کی چائے مجھے میرے کمرے میں پہنچائی گئی، لیکن رات کے کھانے پر میرا بلاوا آ گیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو اس وقت بھی ساتھ رکھا۔ ڈنر ٹیبل پر نارنگ اور امریتا کے علاوہ ایک ادھیڑ عمر کی پُروقار عورت بھی موجود تھی۔ امریتا اور اُس کے چہرے کے نقوش میں بڑی مماثلت تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مسز نارنگ ہوں گی۔

ملازموں نے کھانا پیش کیا۔ نارنگ خلافِ توقع بہت خاموش تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اُسے امریتا کے صحیح سلامت گھر آ جانے کی خوشی ضرور تھی، لیکن وہ اپنے دشمنوں کے بارے میں اس وقت بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے اُسے تفصیل سے دیکھا۔ وہ قابلِ رشک صحت کا مالک تھا۔ اُس کی نظروں میں سمندر جیسی گہرائی تھی جس کے اندر ہزاروں طوفان مچل رہے تھے..... وہ زیادہ باتونی بھی نہیں تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ جبکہ اُس کی بیوی اوشا کماری ہر شخص سے بہت جلدی گھل مل جانے کی عادی تھی۔ اس وقت بھی وہ مجھ سے کرید کرید کر امریتا کے اغواء کی تفصیل معلوم کر رہی تھی۔

امریتا بتا رہی تھی کہ وہ دونوں بدمعاش مسلح تھے، ہٹے کٹے تھے لیکن تم نے اُنہیں اس طرح قابو کر لیا جیسے کوئی سپیرا اپنے سے زیادہ طاقتور اور زہریلے سانپوں کو قابو کر لیتا ہے..... مجھے بتاؤ، یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا.....؟''

''سپیروں کی طرح میرے پاس بھی یہ بین موجود ہے۔'' میں نے سیّد کی لاٹھی کی جانب اشارہ کیا۔ ''اس کے علاوہ بلوانوں کی سنگت میں بھی بیٹھا اُٹھا ہوں۔ اُن سے بھی کچھ جنتر منتر سیکھے ہیں.....'' میں نے آخری جملے کی ادائیگی میں انکساری سے کام لیا۔

''ممی، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مہاراج گرو پرتاپ سے بھی واقف ہیں۔'' امریتا نے بیچ میں لقمہ دیا۔ ''اگر یہ نہ ہوتے تو شاید وہ دونوں.....''

''بے بی.....'' نارنگ نے امریتا کو ٹوکا۔ اُس کا لب ولہجہ بڑا خشک اور کھردرا تھا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ جو ہو چکا اسے بھول جاؤ.....''

''جو بدمعاش زندہ ہاتھ آیا ہے، اُس نے کچھ اُگلا یا ابھی تک زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں؟'' اوشا کماری نے شوہر سے پوچھا۔

''ایجنسیاں اپنا کام کر رہی ہیں۔'' نارنگ نے اُلجھ کر جواب دیا۔ ''تم اپنی مصروفیات گھر کے کام کاج تک ہی محدود رکھا کرو۔''

انکا میرے سر پر تھی۔ وہ بار بار آتی جاتی رہی تھی۔ اُس کی زبانی مجھے بہت ساری معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ جو غنڈہ زندہ ہاتھ آیا تھا مجھے اُس کے انجام کا بھی علم ہو گیا۔ اُس نے کچھ ہی دیر پہلے وہ مختصر سا زہریلا کیپسول کھا کر خودکشی کر لی تھی جو اُس کی مصنوعی

ڈاڑھ کے اندر پوشیدہ تھا۔ اور بھی بے شمار باتیں میرے علم میں آ چکی تھیں۔

''تم جس غنڈے کا ذکر کر رہی ہو وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔'' میں نے اوشا کماری کو مخاطب کیا۔ میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ نارنگ کو اس حادثے کی اطلاع مل چکی تھی یا وہ ابھی تک لاعلم ہی تھا۔

''کیا کہا آپ نے.....؟'' نارنگ نے ہاتھ میں دبے ہوئے نوالے کو واپس پلیٹ میں ڈال کر میری طرف چونک کر دیکھا۔ ''کون مر گیا.....؟''

''وہی.....'' میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ''ایجنسیاں جس کی اُکھاڑ پچھاڑ میں اپنا سمے برباد کر رہی تھیں۔''

''آپ.....آپ میرے ساتھ آئیں مہاراج.....'' نارنگ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اُٹھ گیا۔ مجھے بھی اُس کی پیروی کرنی پڑی۔ وہ مجھے ایک علیحدہ کمرے میں لے گیا۔ کچھ دیر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا، پھر خشک آواز میں بے حد سنجیدگی سے بولا۔ ''میری اطلاع کے مطابق آپ نے ایک پل کے لئے بھی اپنے کمرے سے باہر قدم نہیں نکالا، پھر وہ بات آپ کو کس طرح معلوم ہو گئی جو ابھی تک مجھے بھی.....''

نارنگ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔ پھر دوسری جانب سے اُسے جو اطلاع ملی اسے سن کر وہ دیوانہ ہو گیا۔ اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا، آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔

''تفتیشی افسران کو جوتے مار کر ملازمت سے برطرف کر دو، سب نکمّے ہیں۔ حرام کی روٹیاں توڑتے ہیں۔'' وہ بڑی گرجدار آواز میں اپنا حکم سنا رہا تھا۔ سب کو ایک ہی جگہ ہاؤس اریسٹ کر دو، وہاں کسی پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ملنی چاہئے۔ جب تک بے بی کے سلسلے میں فائنل رپورٹ میرے سامنے نہ آ جائے تمام خبریں ٹاپ سیکرٹ ہوں گی۔ کسی کو ہوا بھی نہ ملے۔''

فون پر گفتگو کرنے کے بعد ایک لمحے وہ اپنی جگہ کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا، پھر میرے قریب آ کر بولا۔

''مہاراج.....تم امریتا کے اغواء کے سلسلے میں اور کیا کچھ بتا سکتے ہو.....؟''

''اب تک جو پنڈت پجاری یہاں سر جوڑے بیٹھے جنم کنڈلی بنا رہے ہیں، بڑے

اُونچے سُروں میں بول رہے تھے، اُن کا کیا کہنا ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو نارنگ بل کھانے لگا۔ میں نے بات جاری رکھی۔ ''اپنی اپنی پٹاریوں میں ہاتھ ڈال کر کچھ نہ کچھ تو کھوجا ہو گا۔ اور وہ جسے خاص طور سے ہردوار سے اُڑن کھٹولا بھیج کر بلایا گیا ہے، وہ کیا چمتکار دکھا رہا ہے؟ کیول تن پر چندن تھوپ لینے، ماتھے پر آڑی ترچھی ریکھائیں کھینچ لینے سے بات نہیں بنتی بالک.....'' میں نے نارنگ کو اپنی برتری کا احساس دلانے کی خاطر ٹھوس آواز میں کہا۔ ''جو گر جتے ہیں وہ برسنے کی شکتی نہیں رکھتے۔ مداری کی طرح کھیل تماشہ دکھانے والے دھرتی کے بھیتر نہیں جھانک سکتے ہیں۔ جو دم نہ سادھ سکے وہ ساگر کی تہوں میں جا کر وہ سیپ نہیں پا سکتا جس کے اندر انمول موتی ہوتا ہے.....''

نارنگ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے سامنے اُونچی آواز میں بولنے والوں کو برداشت نہیں کرتا۔ اُس کی تیز نظریں میرے اُوپر کسی بھوکے گدھ کی طرح منڈلا رہی تھیں۔ وہ میری وحشتوں، میرے جنون کی کیفیتوں سے ناواقف تھا۔ میں نے لوہے کو تپا کر ایک کاری ضرب اور لگائی۔

''مجھے لال پیلی نظروں سے مت گھورو بالک، تمہاری جھولی میں کیول ایک ہی کھرا سونا تھا، اُسے دُرگا کا عتاب نگل گیا۔ میں گرو پرتاپ کی بات کر رہا ہوں.....وہ زندہ ہوتا تو آنکھ موند کر امریتا کو اغواء کرنے والوں کی ساری کتھا سنا دیتا۔'' میں دبنگ آواز میں بولتا رہا۔ ''تم نہیں جانتے، میں بتاتا ہوں۔ گرو پرتاپ نے مجھے بچانے کی خاطر اپنا جیون بھینٹ چڑھا دیا، بمبئی کی پولیس نے کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کے قتل کا الزام لگا دیا تھا مجھ پر۔ میری چمڑی پر کوڑے برسائے گئے۔ میں نے سانس روک لی۔ تھک ہار کر اُنہوں نے میرا معاملہ عدالت پر چھوڑ دیا۔'' میں نے حقارت کا اظہار کیا۔ ''تم نے بمبئی کے ڈی آئی جی روی شنکر کا نام ضرور سنا ہو گا۔ اُس نے ایک گیانی دھیانی پنڈت پر بھودیال سے مجھے ٹھکانے لگانے کا سودا کیا، جانتے ہو پھر کیا ہوا؟ پر بھودیال جل کر کوئلہ ہو گیا۔ بات دبا دی گئی۔ لیکن اب روی شنکر کے ستارے بھی بھونچال کی لپیٹ میں آ گئے ہیں، تم نے اخباروں میں ضرور پڑھا ہو گا۔''

نارنگ کی آنکھیں شعلے اُگل رہی تھیں۔ مجھ سے پیشتر شاید کسی نے اُس کے سامنے سینہ تان کر اتنی اُونچی آواز میں بات نہیں کی ہو گی۔ شاید امریتا نے اُسے میرے بارے میں جو

کچھ بتایا تھا اسی کی وجہ سے وہ مجھے برداشت کر رہا تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اُس کے ملازم ڈنڈا ڈولی کر کے اب تک کوٹھی سے باہر پھینک چکے ہوتے۔

''مجھے دُور جانا ہے بالک.....'' میں نے اُسے خاموش دیکھ کر بے پرواہی سے کہا۔ ''مجھے اپنے چکروں میں مت اُلجھاؤ، مجھے جانے دو۔ ہردوار سے آنے والے پنڈت شیوا کو روک لو۔ باقی سب کی چھٹی کر دو۔'' میں نے شیوا کے سلسلے میں سرسری انداز میں کہا۔ ''وہ دس پندرہ دن اٹھک بیٹھک لگائے تو شاید تمہاری کوئی سہائتا کر سکے۔ سمجھ رہے ہو، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''زندہ باد جمیل.....زندہ باد'' انکارانی نے بڑے ستائشی انداز میں میری تعریف کی۔

''اسی طرح ڈٹے رہو۔ میں اوشا کماری کے سر پر جا رہی ہوں۔ تم دیکھنا ابھی یہ نارنگ تمہارے آگے ہاتھ باندھے کھڑا ہوگا۔''

انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ میں اوشا کماری کے حوالے پر اُس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا۔ میری نظریں نارنگ کے چہرے پر جمی رہیں۔ وہ بھی کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔

''اتنے دھیان سے کیا دیکھ رہے ہو؟ میں یہاں خود سے نہیں آیا۔'' میں نے اس بار قدرے مدھم آواز میں کہا۔ ''یہ اتفاق ہی تھا جو میں بھول سے غلط اپارٹمنٹ میں بیٹھ گیا۔ میری بھول امریتا کے کام آ گئی۔ وہ سندر، بھولی بھالی معصوم لڑکی ہے۔ کسی نازک پھول جیسی۔ اب اُس کی رکشا پر زیادہ دھیان دینا۔ سانپ کی دُم پیر تلے آ جائے تو وہ پلٹ کر ڈسنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ سمجھ رہے ہو میرا مطلب؟ دشمنی کا کھاتا ایک بار کھل جائے تو آسانی سے بند نہیں ہوتا۔ تمہارے دشمن بھی چین سے نہیں بیٹھیں گے۔''

''تم کیا جانتے ہو اُن کے بارے میں جنہوں نے امریتا پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کی تھی؟'' نارنگ نے زبان کھولی۔ اُس کے لہجے میں گھمنڈ اور غرور کی آمیزش تھی۔

''دھیرج سے کام لے بالک.....'' میں نے ہاتھ اُٹھا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جو زیادہ چتر چالاک بننے کی بھول کرتے ہیں وہ زیادہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ سمے کا انتظار کر۔ سب کچھ تیرے سامنے آ جائے گا۔''

''مہاراج.....'' نارنگ پھر بل کھانے لگا۔ ''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں.....کھل کر کہو، کیا جانتے ہو میرے دشمنوں کے بارے میں؟''

''میری زبان پر بھروسا کرے گا یا اپنی استری (بیوی) کی زبان سے سننا پسند کرے گا؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ کسمسانے لگا۔

''اوشا کو میں گھر کے سوا کسی اور معاملے میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔'' اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''میں تیری نہیں.....اپنی بات کر رہا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟'' نارنگ چونکا۔

مجھے جواب دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اوشا کماری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ وہ انکا کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر تھی۔ نارنگ نے اُسے دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔ وہ اوشا کو واپس جانے کے لئے یقیناً سخت زبان استعمال کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا لیکن اُسے موقع نہیں ملا۔

''میری بات سنو نارنگ، میں تمہیں بتاتی ہوں کہ امریتا کس سازش کا شکار ہوتے ہوتے بچ گئی۔ وہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو تم بھی اُن کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے۔ اُن کا کہنا نہ مانتے تو وہ امریتا کے پھول جیسے شریر کو روند ڈالتے.....تم جو سپنے دیکھ رہے تھے وہ بھی ادھورے رہ جاتے۔ بہت کچھ نشٹ ہو جاتا.....''

اوشا کماری کسی ریکارڈ کی طرح بجتی رہی۔ اُس نے امریتا کے اغواء کی وہ تمام تفصیل بتا دی جو انکارانی کی دریافت تھی۔ میں سینہ تانے کھڑا سپّد کی لاٹھی کو آہستہ آہستہ زمین پر مارتا رہا۔ نارنگ سٹپٹانے لگا۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا ٹکٹکی باندھے اوشا کو دیکھتا رہا جو کسی معمول کی طرح سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی۔ کہانی پوری ہوئی تو وہ جس انداز میں اندر آئی تھی اسی طرح اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ کمرے میں صرف میں اور نارنگ باقی رہ گئے۔ میں معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''مہاراج، میں تم سے ایک بنتی کروں گا۔'' نارنگ، انکا رانی کے کہنے کے مطابق میرے سامنے ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''جو ڈھکی چھپی باتیں تم نے اوشا کی زبانی کہلوا دیں، اس کی بھنک کسی اور کو نہیں ہونی چاہئے.....''

''حکم دے رہا ہے.....؟'' میں نے نظریں ترچھی کیں۔

''نہیں مہاراج.....نہیں۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔ ''میں تمہیں حکم نہیں دے رہا۔ تمہاری شر
اپرم پار ہے۔ تم اُوپر سے کچھ نظر آتے ہو لیکن تمہارے اندر کا رُوپ دیوتاؤں سمان ہے
آج سے مجھے اپنا سیوک ہی سمجھو۔ مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کر دینا۔ میں تمہیں پہچا
نہیں سکا تھا۔''

''میرے سلسلے میں اپنی زبان بھی بند ہی رکھنا۔'' میں نے سرد آواز میں کہا۔ ''میں تیر
کے بکھیڑوں میں اُلجھنا پسند نہیں کرتا۔ جن دھرماتماؤں کو بلایا ہے اُن سے بھی کچھ نہ کہنا۔
''میں اُن سب کی چھٹی کیے دیتا ہوں۔ تم کوئی چنتا مت کرو۔''

''پنڈت شیوا کو روک لے۔'' میں نے سرسراتے انداز میں کہا۔ ''مجھے اُس سے کچھ پو
حساب کرنا ہے۔''

''جو آگیا (حکم) مہاراج.....''

نارنگ کا سارا کلف اُتر گیا۔ وہ میرا بے دام غلام بن گیا۔ میں خاموشی سے اپنے کمر
میں واپس آگیا۔ نارنگ نے مجھ سے کھانا کھانے کا اصرار کیا۔ میں نے اُس کی درخواست
رد کر دی۔ دن میں کئی بار اوشا کماری اور امریتا میری خیریت دریافت کرنے آتی رہیں
میں نے آخری بار امریتا کو پھر ہوائی سفر کے بارے میں ٹٹولا۔ اُس کا ایک ہی جواب تھا
وہ سفر کے دوران مجھ سے نہیں ملی تھی۔ اب جبکہ میرے اور اُس کے درمیان حجاب اُٹھ چکا
اُس کا دروغ گوئی سے کام لینا میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے بھی طے کر لیا کہ اس موضو
پر دوبارہ کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔ امریتا کے مقابلے میں اوشا کماری مجھ سے زیادہ قریب
ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کی باتوں کا انداز، بار بار کھل کر قہقہے لگانا، آنکھوں میں مستی
چھلکا کر ذومعنی باتیں کرنا۔ انکارانی نے مجھے بتایا کہ نارنگ کے مخصوص ڈرائیور کے علاوہ
بھی کئی جوان ملازم اوشا کماری کے جال میں پھنس کر پھڑ پھڑا چکے ہیں۔ انکار کی جرأت کس
میں تھی؟ جو زبان کھولتا اُسے مروا دیا جاتا تھا۔ قصور اوشا کماری کا بھی نہیں تھا۔ نارنگ
مصروف آدمی تھا۔ شادی کے بعد امریتا کی پیدائش تک اُس کی دلچسپی قائم رہی، پھر بتدریج
کم ہوتی گئی۔ اُس کی دل بستگی کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ اوشا کماری نے کچھ عرصہ
نارنگ کی واپسی کا انتظار کیا، پھر اُس نے بھی وقت گزارنے کی خاطر راستے تلاش کر لئے
نارنگ نے اُسے محض گھر تک محدود رکھا۔ اس لئے وہ ملازموں پر ہاتھ صاف کرتی رہی۔

کچھ پنڈت پجاری بھی اُس کے آشرم میں گھڑی دو گھڑی سستا کر اپنی پیاس بجھا لیتے تھے۔ نارنگ سخت گیر طبیعت کا مالک تھا، اُسے اوشا کماری کی رنگ رلیوں کی خبر نہیں تھی ورنہ اپنے حریفوں کی طرح اُسے بھی کب کا ٹھکانے لگوا چکا ہوتا۔

انکا سن گن لیتی رہی۔ کوئی خبر ہوتی تو میرے کانوں تک پہنچا دیتی۔ شام کو میں سو کر اُٹھا تو اُس نے مجھے بتایا کہ نارنگ نے پنڈت شیوا کے علاوہ دیگر تمام پنڈت پجاریوں کی چھٹی کر دی ہے۔ انیکسی میں اب شیوا کے سوا کوئی اور نہیں رہ گیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ پر حاضری ضروری سمجھی۔ انکا مزار کے باہر رُک گئی۔ میں نے درگاہ میں قدم رکھا تو میری حالت غیر ہونے لگی۔ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بدن تھرتھرانے لگا، کپکپی طاری ہوگئی۔ وہ ایک جلیل القدر بزرگ کی درگاہ تھی، میرا بال بال گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں شاید اب اس قابل بھی نہیں رہ گیا تھا کہ کسی بزرگ کے آستانے پر دو گھڑی سستا سکوں۔ میرے لئے قدم جما کر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ صرف میں تنہا نہیں تھا، اور بھی بے شمار پروانے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، اپنے گناہوں سے توبہ کر رہے تھے، خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دُعائیں مانگ رہے تھے۔ مزار مبارک کے قریب ہاتھ باندھے، سر جھکائے، نظریں نیچی کیے کھڑے منت مان رہے تھے۔ اپنی کیفیت بیان کر رہے تھے، وسیلے کی بھیک مانگ رہے تھے۔ لوگوں کی کثیر تعداد ایک طرف قطار اندر قطار بیٹھی تلاوتِ کلامِ پاک میں مشغول تھی۔ مجھ گنہگار کو کچھ دیر ٹھہرنے کی اجازت مل گئی، یہی بہت تھا۔ میں مزار کی طرف منہ کیے اُلٹے قدموں باہر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ کسی سے ٹکرا گیا۔ میں نے معذرت طلب کرنے کی خاطر پلٹ کر دیکھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ سیّد مجذوب تھا.....خدا کا محبوب بندہ۔ وہ آنکھیں موندے، دُعا کے لئے دونوں ہاتھ بلند کیے فقیروں جیسے انداز میں جھکا کھڑا تھا۔ اُس کی پلکوں سے آنسوؤں کے قطرے ڈھلک ڈھلک کر گر رہے تھے۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تھا، کسی اور دنیا کی سیر کر رہا تھا۔ میں اُس کے قریب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی لاٹھی اس وقت میرے پاس تھی۔ میں نے پلکیں جھپکانا بند کر دیں، سیّد پر نظریں جمائے رہا۔ اندیشہ تھا کہ میں پلکیں جھپکاؤں تو وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ وقت گزرتا رہا، وہ لولگائے کھڑا دل کی مرادیں پا رہا تھا۔ میں

اپنی باری کا منتظر تھا۔ کچھ دیر بعد سیّد نے آنکھیں کھولیں تو میں اُس کے سامنے کھڑا ہو
مجھے دیکھ کر وہ چونکا، پھر مسکرا کر دبی زبان میں بولا۔

''یہاں بھی سودے بازی کرنے آ گیا..... جواری..... نوسر باز.....''

''میری منزل قریب آ چکی ہے پیر و مرشد.....'' میں نے استدعا کی۔ ''میرے حق
دُعا کر دو۔''

''سڑکوں کی صفائی شروع کر دے۔''

''وقت کم رہ گیا ہے.....'' میں نے عاجزی کی۔ ''تم میری اُنگلی تھام لو.....''

''آدھا تیتر..... آدھا بٹیر.....'' سیّد کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ ''ٹھٹھول کرتا ہے

''میری حالت پر رحم کرو سیّد..... تم نے کبھی کھل کر میری بات نہیں سنی۔'' میں نے
کیا۔

''کسی کوٹھے پر چڑھ جا..... بلندی مل جائے گی۔'' سیّد چبھتے لہجے میں بولا۔

''میں تنہا ہوں، وہ بے شمار ہیں۔ میں مر گیا تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا.....''

''پھر سٹہ کھیلنے لگا؟ زبان کو تالا لگا لے۔''

''اندھیرا بڑھنے لگا ہے۔ کسی وقت دم بھی گھٹ جائے گا۔ تم راستہ دکھا دو۔'' میں
منت کی۔

''کسی درخت سے اُلٹا لٹک جا..... بین بجانی چھوڑ دے۔''

''میری داستان ختم ہونے کا وقت قریب ہے سیّد، میں ہاتھ جوڑتا ہوں، جو کہنا ہے
کر کہہ دو۔ تمہارے اشارے میری سمجھ میں نہیں آتے.....'' میں نے اُسے رحم طلب نظ
سے دیکھا۔

''آندھی آ رہی ہے.....'' اُس نے پلکیں جھپکانی شروع کر دیں۔ ''اکڑوں بیٹھ
ککڑوں کوں کی آوازیں نکالا کر۔''

''تم مجھے مرغا بنا دو، مجھے یہ بھی منظور ہے۔''

''اُوپر دیکھ..... اُوپر.....''

میری نظریں ایک لمحہ کو اُوپر اُٹھیں، سیّد پھر مجھے جُل دے کر نکل گیا۔ میں درگاہ
نیل و مرام باہر آ گیا۔ انکا دوبارہ سر پر آ گئی۔ وہ کچھ وحشت زدہ سی لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا انکا رانی؟'' میں نے بجھے ہوئے دل سے پوچھا۔ ''کیا میرے لئے پھر کوئی
بری خبر ہے.....؟''

''جلدی نارنگ کی کوٹھی پہنچنے کی کوشش کرو۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''شیوا کو تمہارے
بارے میں اطلاع مل گئی ہے، وہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اُسے بچ کر نہیں جانا چاہئے۔''

''کس نے بھانڈا پھوڑ دیا.....؟'' میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ میں
نے لپک کر ایک سواری پکڑی۔ انکا میرے سر پر کلبلانے لگی۔ میں نے پوچھا۔ ''تم نے
اُسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی.....؟''

''میں زبان نہیں کھول سکتی جمیل.....'' انکا ہونٹ چبانے لگی۔ ''کچھ مجبوریاں آڑے آ گئی
ہیں۔''

''کیا پریتم لال نے اپنی دی ہوئی شکتی واپس لے لی؟'' میں نے وحشت بھرے انداز
میں پوچھا۔ ''شیوا کی واپسی کی خبر سن کر میرے اندر پھر انگارے دہکنے لگے تھے۔

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا..... نارنگ کی کوٹھی پر پہنچ کر میں نے سواری چھوڑ دی۔
حفاظتی دستے کے مسلح افراد مجھے دیکھ چکے تھے، کسی نے میرے راستے کی دیوار بننے کی غلطی
نہیں کی۔ میں نے احاطے میں قدم رکھنے کے بعد ایک لمحے کو حالات کا جائزہ لیا، پھر ساری
مصلحتیں بالائے تاق رکھ کر انیکسی کی جانب تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ انکا نے مجھے یہ نہیں بتایا
تھا کہ شیوا کو میرے بارے میں بھنک کیسے ملی؟ نارنگ کے پاس ان فالتو باتوں کے لئے
اب وقت نہیں رہ گیا تھا۔ دوپہر کو اوشا کماری کی زبان سے اُس نے امریتا کے اغواء کی جو
تفصیل سنی تھی، اسے سن کر وہ بھی پاگل ہو گیا۔ وہ اپنے دشمنوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔
شاید اس وقت بھی دفتر میں بیٹھا فون کھڑکھڑا رہا ہو، اپنے آدمیوں کو ہدایتیں جاری کر رہا
ہو۔ جس زیر زمین گروہ سے اُس کا تعلق تھا، اُن کے ساتھ مشورے کر رہا ہو۔ بیٹی کے اغواء
کے انتقام کے منصوبے بنا رہا ہو..... مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میرا ذہن صرف اور
صرف شیوا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرے خیال میں اُس کو ہر دوار سے میرے بارے
میں آگاہ کیا گیا ہوگا۔ پنڈت نول کشور کو اطلاع پہنچی ہوگی کہ میں اُس کے سر پر پہنچ گیا ہوں
تو وہ بھی ضرور مضطرب ہوا ہوگا۔ چندرا کے نوجوان خون نے بھی جوش مارا ہوگا۔ کالی کے
مندر میں پھر سر جوڑ کر مشورے شروع ہو چکے ہوں گے۔ ایک میری ذات کو ختم کرنے کے

لئے چنڈالوں کی پوری ٹولی جمع ہوگی۔ سب اپنی اپنی ہانک رہے ہوں گے۔ ہردوار
بھیجنے والا خود دہلی میں موجود ہوگا۔ اُسی نے شیوا کو باخبر کیا ہوگا۔ کالی کے مندر میں
بیٹھے شیطانوں کے کانوں میں بھی اُسی نے زہر پھونکا ہوگا۔ نول کشور کے لئے ا
مہرے قیمتی تھے۔ اُس نے فوری طور پر شیوا کو واپسی کا حکم نامہ جاری کیا ہوگا۔ نارنگ
مخصوص طیارہ بھیج کر شیوا کو طلب کیا تھا۔ شیوا کوئی پیادہ نہیں رہا ہوگا۔ میرے خلا
بساط بچھائی جارہی تھی، اس پر شیوا کی حیثیت کسی فیل، رُخ یا گھوڑے جیسی ضرور ہ
چندرا کی موجودگی میں اُسے بہرحال وزیر نہیں سمجھا سکتا تھا۔

شیوا مارا جاتا تو نول کشور کی بازی کچھ ضرور کمزور ہو جاتی۔ میں بہت سارے ا
پر غور کررہا تھا۔ میرے ذہن میں انکارانی کا زبان نہ کھولنے کی مجبوری والا جملہ بھی گھ
تھا۔ میں نے اس کی وضاحت نہیں طلب کی، میں اُس کی مجبوریوں سے واقف تھا۔
بار بتا چکی تھی کہ پراسرار قوتوں کے درمیان بھی کچھ سمجھوتے ہوتے ہیں، کچھ حد بند
ہوتی ہیں جس کی خلاف ورزی کچھ دیوی دیوتاؤں کی نظروں میں پسندیدہ نہیں سمجھی
شاید انکا نے کسی ایسی ہی مجبوری کے تحت وہ جملہ ادا کیا ہو۔ میرے لئے یہی کافی تھا
نے بروقت شیوا کی واپسی کی اطلاع مجھ تک پہنچا دی۔ وہ ہاتھ سے نکل جاتا تو مجھے
ملال ہوتا۔ میرے پاس بھی بہت ساری قوتیں موجود تھیں۔ سب سے اہم سیّد مجذو
لاٹھی تھی جسے دیکھ کر پریتم لال جیسے مہان پنڈت کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں
نے حفظ ماتقدم کے طور پر نندا کے ایک عمل کا ورد کر کے خود کو جنتر منتر سے محفوظ کرلیا۔

میں سینہ تانے انیکسی میں داخل ہوا۔ شیوا کی خدمت کے لئے کئی ملازم موجود تھے
دیکھ کر وہ جھک جھک کر ڈنڈوت کرنے لگے۔ مجھے انیکسی کی بجائے کوٹھی کے مہمان
میں جگہ ملی تھی، ملازموں نے اسی سے میرے رتبے کا اندازہ قائم کرلیا ہوگا۔ بڑے
کے ملازم ان پڑھ ہونے کے باوجود مالکوں کی نظریں پڑھ کر حسب مراتب کا خیال
کے عادی ہوتے ہیں۔ ایک ملازم نے میرے دریافت کرنے پر شیوا کے کمرے کی
کردی۔ میں دندناتا ہوا اندر داخل ہوا۔ شیوا ایک کمسن ملازمہ کو گود میں بٹھائے
کی باتیں کررہا تھا۔ مجھے سامنے دیکھ کر چونکا۔ ملازمہ بے ترتیب لباس درست کرتی
سے باہر نکل گئی۔ شیوا ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے کچھ پڑھ کر اپنے آپ پر

پھر سرد لہجے میں بولا۔

''کون ہو تم؟ کیا سیوکوں نے تمہیں میرے کمرے میں آنے سے منع نہیں کیا؟'' اُس
نظروں کی گہرائی اس بات کی غمازی کررہی تھی کہ وہ مضبوط ارادوں کا مالک ہے۔ اُس کا
شمار چھوٹے موٹے پنڈتوں میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''جمیل.....'' انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''جس ملازمہ کو تم نے دیکھا تھا
اسے میں نے ہی شیوا کے قدموں کی زنجیر بنایا تھا۔ اُس نے اپنے حسن کا جال نہ ڈالا ہوتا تو
اب تک چلا گیا ہوتا..... تم کہو تو میں اس کا کریا کرم کردُوں؟''

''نہیں..... صرف تماشہ دیکھتی رہو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر شیوا کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''میں نے جان بوجھ کر تمہارے رنگ میں بھنگ ڈالا ہے۔ گھر میں
کسی کی ارتھی پڑی ہو تو کومل شریر سے چھیڑ چھاڑ شوبھا نہیں دیتی۔''

''تم نے اپنا پرچے نہیں کرایا.....؟''

''سیوک کو جمیل احمد خاں کہتے ہیں۔'' میں زہرخند سے بولا۔ ''وہی، جس کا نام سن کر تم
نے بوریا بستر باندھ لیا تھا۔''

میرا نام سن کر اُس کی آنکھوں کا رنگ یکلخت بدل گیا۔ نظروں میں سائے لہرانے لگے۔
اُس کے چہرے پر خوف کی کوئی علامت نہیں نظر آئی۔ کچھ دیر مجھے نگاہوں میں پرکھتا
رہا، پھر ٹھوس آواز میں بولا۔

''بڑا نام سنا تھا تمہارا۔ آج درشن بھی ہوگئے۔''

''درشن کرنے کی آرزو ہوتی تو تم چوروں کی طرح چھپ کر بھاگنے کی کوشش کبھی نہ
کرتے۔'' میں نے طنز کیا۔

''تم جو سمجھ رہے ہو وہ تمہاری بھول ہے۔'' اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''گرو کا بلاوا آگیا
تھا اس لئے جارہا تھا۔ اب نہیں جاؤں گا۔''

''اب کیا سوچا ہے.....؟'' میں نے پوچھا۔ میرا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔

''مے نے تمہیں گھمنڈی بنا دیا ہے۔'' اُس نے بل کھا کر سرد آواز میں جواب دیا۔
''میں جانتا ہوں کہ تمہارے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ ایک سندر نار کے کارن پریتم لال نے
دھوکا کر تمہیں کچھ شکتیاں دان کردی تھیں۔ پرنتو وہ اب پرلوک سدھار چکے ہیں، تمہیں بھی

اپنے بھوش کی چنتا کرنی چاہئے۔ سارے دن ایک سمان نہیں ہوتے۔"

"سنا ہے امرلال کا پُتر چندرا، وندھیا چل کی پہاڑیوں سے واپس آ گیا ہے؟" میں نے سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں۔ وہ بھی نول کشور مہاراج کی شرن میں ہے....." شیوا کا انداز کھردرا تھا۔

"دونوں بلوان کب تک منڈل میں چھپے بیٹھے رہیں گے؟ کب تک کالی کے چرنوں میں ڈنڈوت کریں گے؟" میں نے حقارت سے پوچھا۔ "تم بھی تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ تمہیں تو اوش جان کاری ہوگی۔"

شیوا کے تیور بدلنے لگے۔ اُس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ خون کی گردش اُس کی رگوں میں نمایاں تھی۔ وہ بے حد طیش میں آ چکا تھا۔ لیکن ابھی اُس نے حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔ مٹھیاں بھینچے کھڑا مجھے ایسی نظروں سے دیکھتا رہا جیسے اُسے کسی کے حکم کا انتظار ہو۔ کوئی طاقت اُس کے آڑے آ رہی تھی۔ شاید وہ ذہنی طور پر پنڈت نول کشور سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اُسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھتا رہا۔ انکا میرے پر کسمساتے ہوئے بولی۔

"تم کس بات کے منتظر ہو جمیل؟ دیر مت کرو، شیوا کو مار ڈالو۔ دشمن کو سنبھلنے کا موقع دینا دانشمندی نہیں ہے۔"

"تم چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہو انکا رانی....." میں نے کہا۔ "یہ پوری طرح میرے قبضے میں ہے۔ میں اسے بھاگنے کا موقع نہیں دُوں گا، تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ اس کی لاش تحفۂ نول کشور اور چندرا کے لئے جمیل احمد خاں کی طرف سے ایک تحفۂ خاص ہوگا....." میں نے شیوا کو مخاطب کیا۔ "منہ میں گھنگنیاں ڈالے کیا سوچ رہے ہو؟ تمہیں تو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا۔ تمہارے گرو اور چندرا کے آنجہانی پتا امرلال نے تم سے بڑی تفصیل سے میرے بارے میں ایک ایک بات سے باخبر کیا ہوگا..... پھر وقت برباد کر رہے ہو؟ اپنی شکتی کا کوئی چمتکار دکھاؤ، جو جنتر منتر سیکھ رکھے ہیں وہ کس دن کام آئیں گے؟ پرلوک سدھار گئے تو ساری آشائیں من ہی من میں رہ جائیں گی۔"

میرا اندازہ غلط نکلا، شیوا کو کسی ہدایت کا انتظار نہیں تھا۔ وہ اپنی قوتوں کو سمیٹ رہا تھا۔ دل ہی دل میں کوئی جاپ شروع کر چکا تھا۔ پھر اُس کا سیدھا ہاتھ یکلخت فضا میں

اس کی آنکھوں سے ایک شعلہ لپکا..... مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سارے تن بدن میں آگ لگا دی ہو..... میں نے ارتکاز اور مراقبے کا عمل شروع کیا، شیوا نے دوسرا وار کیا، اُلٹا پاؤں اُٹھا کر زمین پر مارا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ سیّد کی لاٹھی ہاتھ میں نہ ہوتی تو اوندھے منہ زمین پر گرا ہوتا۔ شیوا نے مجھے چکراتا دیکھ کر اپنے گلے سے ایک مالا اُتار کر زمین پر دے ماری۔ دانے بکھر گئے۔ اُن کی جگہ لاتعداد ناگنیں نمودار ہو کر میری طرف بڑھنے لگیں..... میں نے سیّد کی لاٹھی گھمانی شروع کر دی۔ ناگنیں اپنی اپنی جگہ تھم گئیں۔ اُن کا قد حیرت انگیز طور پر بڑھنے لگا۔ میں نے ارتکاز کا عمل مکمل کر کے ناگنوں کو تیز نظروں سے گھورا، اُن کے جسموں کو آگ لگ گئی۔ وہ خاک بن کر غائب ہو گئیں۔ میں نے اپنے گرد حصار کھینچا اور جم کر کھڑا ہو گیا۔ شیوا کی آنکھیں حیرت سے پٹ پٹانے لگیں۔ اُس کی نظروں نے غالباً میری قوتوں کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اُس نے جھلا کر پے در پے وار کرنا شروع کر دیئے۔ میں کسی آہنی ستون کی طرح جما کھڑا رہا۔ اُس کے ترکش کے سارے تیر ختم ہو گئے تو وہ ہانپنے لگا.....! میں بخل سے کام نہیں لوں گا۔ شیوا نے مجھ سے مرد بن کر مقابلہ کیا تھا۔ نامردوں کی طرح پشت دکھا کر بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اُس نے جو وار کئے تھے وہ بھی بھرپور تھے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو بوکھلا گیا ہوتا۔ میرے پاس سیّد کی لاٹھی بھی تھی، نندا کی قوت بھی تھی، کلدیپ اور پریتم لال کی آتمائیں بھی نادیدہ طور پر ضرور ہم رکاب ہوں گی۔

"رُک کیوں گئے شیوا.....؟" میں نے ہانپتا دیکھ کر اُس کا مذاق اُڑایا۔ "اتنی جلدی چیں بول دی؟ کچھ اور کھیل تماشہ دکھانا چاہتے ہو تو وہ ارمان بھی پورا کر لو۔ اس کے بعد میری باری ہوگی، تمہیں اپنا دفاع کرنا ہوگا....."

"تم نے جو پوتر لاٹھی تھام رکھی ہے، اسے ایک طرف پھینک دو۔ میں آخری سانس تک تم سے ہار نہیں مانوں گا۔" شیوا نے لاٹھی دیکھ کر نچلا ہونٹ چبانا شروع کر دیا۔

"ایک شرط میری بھی ہوگی....."

"وہ کیا؟" اُس کی آنکھوں میں اُمید کی کرنیں مچلنے لگیں۔

"تم اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا کاٹ کر میرے قدموں میں رکھ دو، میں لاٹھی ایک طرف ہٹا لوں گا۔" میں نے زہرخند سے اُس کی احمقانہ شرط کا مذاق اُڑایا۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، میری بات کا مقصد سمجھ کر خاموش رہا۔ اُس کے تیور بدستور خطرناک نظر آ رہے تھے۔

''زنخوں جیسی باتیں کیوں کرتے ہو شیوا؟'' میں حقارت سے بولا۔ ''جہاں دو مرد لڑتے ہوں، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، وہاں بچوں جیسی شرطیں نہیں ہارمانی جاتیں۔ محبت اور جنگ میں تو ہر حربہ استعمال ہوتا ہے، تم ایک لاٹھی سے خوفزدہ ہو گئے۔ یہ تمہارے گرو نے یہی سکھایا تھا.....؟''

''وجے تمہاری ہوئی۔ میں ہار گیا۔'' شیوا نے تیز آواز میں کہا۔ ''فضول باتیں مت کرو میں اب بھی سینہ تانے مردوں کی طرح قدم جمائے کھڑا ہوں۔ مجھے مار دو۔ میں تم سے جیون کی بھکشا نہیں مانگوں گا۔''

''تمہاری مردانگی مجھے پسند آئی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تم مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرو، میں تمہیں زندہ چھوڑ دُوں گا۔''

''جمیل.....'' انکا نے احتجاج کیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ دشمن کو معاف کر دینا عقلمندی نہیں ہوگی۔''

''میں نے زندگی میں اور بھی بہت ساری حماقتیں کی ہیں۔'' میں نے انکا سے کہا۔ ''ایک غلطی اور کر لینے سے کیا فرق پڑ جائے گا؟''

''کیا وچن لینا چاہتے ہو؟'' شیوا نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''پنڈت نول کشور اور چندرا تک میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اب یہ اُچھل کود بند کر دیں۔'' میں نے بے حد خطرناک لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''دوسرے بے قصور پنڈت پجاریوں کو ایندھن بنانے سے میرے اندر کی جوالا اور بھڑکتی رہے گی۔ اُن سے کہو مرد ہیں تو مندر اور منڈل سے باہر آ کر کھلے میدان میں ایک بار مقابلہ کر لیں۔ سمجھ رہے ہو میری بات.....؟''

''اگر گرو نے تمہاری بات سویکار کرنے سے منہ موڑ لیا تو.....؟''

''تو بھی میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''بدری نرائن نے کالی کے مندر میں پناہ لے کر زندگی بچانی چاہی تھی، آج وہ اس دھرتی پر نہیں ہے۔ امر بھی سینہ ٹھونک کر ہمارے بیچ کود پڑا تھا، اُسے بھی کالی کا مہان سیوک ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا

نتیجہ کیا نکلا؟ میری کل دیپ نے اُس کے شریر کے بھی ٹکڑے کر کے نرک میں جھونک دیا۔''

''میں تمہارا سندیس گرو تک پہنچا دُوں گا۔ ماننا نہ ماننا اُن کے اختیار کی بات ہے۔'' شیوا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے..... اب میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ..... میں تمہیں تمہارا جیون دان کرتا ہوں۔'' میں نے فیصلہ سنا دیا۔

شیوا خاموشی سے جانے لگا تو انکا جھلا کر بولی۔

''مجھے اجازت دو جمیل، میں اسے زندہ نہیں جانے دُوں گی۔ تم غلطی کر رہے ہو.....''

''تم کوئی غلطی نہ کرنا.....'' میں نے انکا کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔ وہ تلملا کر رہ گئی۔

میں قدم اُٹھاتا انیکسی سے باہر آ گیا.....!!

❁❁❁

انکا مجھ سے رُوٹھ گئی تھی۔ وہ مجھ سے شاکی تھی۔ میں نے شیوا کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ میرا دشمن تھا۔ دشمن کے ساتھ محبت اور رحم کا برتاؤ کرنا عقلمندی کے منافی تھا۔ وہ مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شیوا کے خاموشی سے واپس جانے کی اطلاع بھی مجھے انکا ہی نے دی تھی۔ وہ نول کشور کا کوئی خاص آدمی تھا۔ نارنگ نے امریتا کو اغواء کرنے والوں کا کھوج لگانے کی خاطر اُسے ہردوار سے طلب کیا تھا۔ قسمت مجھے درمیان میں لے آئی۔ میں راستے میں نہ آتا تو شیوا، نارنگ کی کوٹھی میں سب سے زیادہ اہم آدمی سمجھا جاتا۔ اُس کی پذیرائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جاتا۔ چھوٹے بڑے سب اُس کی آؤ بھگت میں لگے ہوتے۔ میرے آجانے سے اُس کی اہمیت ختم ہوگئی۔ انکا نے اوشا دیوی کو اپنا معمول بنا لیا۔ اُس کی زبانی امریتا کے اغواء کی کہانی سنوا دی۔ نارنگ ششدر رہ گیا۔ وہ اسے میرا کمال سمجھ رہا تھا۔ میں اور انکا الگ الگ نہیں تھے۔ بہرحال نارنگ میرا گرویدہ ہوگیا۔ میرے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ پنڈت شیوا کی اہمیت دو کوڑی کی رہ گئی۔ میں چاہتا تو دوسرے پنڈت پجاریوں کی طرح اُسے بھی نارنگ کی سرکاری کوٹھی سے باہر نکلوا دیتا لیکن میں نے اُسے روک لیا۔ میں نے طے کیا تھا کہ شیوا کی لاش کے ٹکڑے نول کشور کو روانہ کروں گا، اُس سے بھیانک انتقام لوں گا۔ میری وحشت میرے جنون میں کچھ کمی واقع ہو جاتی۔ نول کشور سوچ میں پڑ جاتا۔ اُس کے لئے صرف دو راستے باقی رہ جاتے، میرے راستے سے ہٹ جاتا۔ گمنامی کی زندگی بسر کرنے کی خاطر کہیں پہاڑوں یا جنگلات میں روپوش ہو جاتا یا پھر کالی کے مندر سے باہر نکل آتا۔ میرے لئے دونوں ہی صورتیں ہر اعتبار سے فائدہ مند ہوتیں۔

میں نے انکا کے اطلاع دیتے ہی نارنگ کی کوٹھی تک پلٹ کر آنے میں کسی غفلت کا ثبوت نہیں دیا۔ میرے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں اُبھرا۔ میں راستے بھر اُسے بھیانک

موت سے دوچار کرنے کی بابت غور کرتا رہا۔ انکا اُسے نارنگ کی کوٹھی میں ایک کمسن ملازمہ کی زلفوں میں اُلجھا کر آئی تھی۔ شیوا کے جنتر منتر کے بیر بھی دھوکہ کھا گئے۔ وہ بھی اُسے یہ نہ بتا سکے کہ موت ہر لمحہ اس سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ میں اُڑتا ہوا شیوا کے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے پہل نہیں کی، مجھے اپنی قوت پر ناز تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیوا میرے مقابلے پر زیادہ دیر نہیں ٹک سکے گا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ اپنے سارے جنتر منتر آزمانے کے بعد بھی اپنی جگہ ڈٹا کھڑا رہا۔ اُس نے اپنی شکست تسلیم کرنے میں بہانہ سازی سے کام نہیں لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ میرے اور اس کے درمیان سیّد کی لاٹھی ایک واضح فرق تھی۔ وہ غلط فہمی کا شکار تھا۔ اُس کی نظریں نندا کے راز کو نہیں پا سکی تھیں۔ میری قوت کے بارے میں اُس کی آنکھیں گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ پہنچ جاتیں تو شاید وہ مقابلے کی حماقت بھی نہ کرتا، پہلے ہی اپنی ہار تسلیم کر لیتا۔ شکست کا اعتراف بھی بہادری کی دلیل ہے۔ وہ میرے رحم و کرم پر تھا، اُس نے کہا بھی تھا کہ میں اس کی زندگی کی کہانی ختم کر دُوں، میں نے بھی یہی ٹھان رکھی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں میرے دل نے مشورہ دیا کہ میں اُسے معاف کر دُوں۔ اس دشمن کو بخش دُوں جس کے دل میں میرے خلاف نفرتوں کا طوفان موجزن تھا۔ جو پنڈت نول کشور کے جتھے سے تعلق رکھتا تھا۔ جسے نارنگ نے بھی دوسرے پنڈت پجاریوں پر فوقیت دی تھی۔ وہ یقیناً میرے دشمنوں کی جماعت میں کسی بڑے رُتبے پر فائز رہا ہوگا۔

بہت کچھ ممکن تھا۔ بہت سی باتیں قرین قیاس تھیں۔ ایک بات واضح تھی، وہ میرا دشمن تھا۔ دشمنوں کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس حرامزادے نے مجھے تاریکی میں رکھ کر مجھ پر اچانک تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے تھے۔ اس کی خصلت میں کہیں نہ کہیں کسی گندے خون کا دخل ضرور رہا ہوگا۔ مرد ہوتا تو میری طرح للکار کر حملے کا آغاز کرتا۔ میں ذرا کمزور پڑ جاتا تو وہ میری لاش پر کھڑا فاتحانہ انداز میں قہقہے بلند کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا، میری ساری خود اعتمادی، سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ جنگ میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ جو موقع سے فائدہ اُٹھا لے، جیت اُسی کی ہوتی ہے۔ سیّد کی لاٹھی نے سہارا نہ دیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ میرے قدم لڑکھڑا جاتے، مجھے سنبھلنے میں دیر لگتی، شیوا اس دوران شیر بنا رہتا۔ بعد میں میرے جوابی حملوں سے اپنی شکست کا اعتراف کرتا۔

میں نے زندگی میں سارے قدم سوچ سمجھ کر نہیں اُٹھائے۔ کئی بار کلدیپ کو بھی شکایت ہوئی کہ میں جذبات کی رو میں بہک جاتا ہوں۔ انکارانی بھی یہی شکوہ کرتی تھی کہ جنون میں بہک کر میں بغیر سوچے سمجھے قدم آگے بڑھا دیتا ہوں، مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں، جوش میں آکر ہوش کھو بیٹھتا ہوں۔ پریتم لال بھی پیش گوئی کر چکا تھا کہ میں جل کے اندر غوطہ نہیں لگا سکوں گا، خود میں گواہ ہوں کہ میری جلد بازی نے کئی حسین مواقع ضائع کر دیئے۔ میں انسان ہوں، فرشتہ نہیں ہوں۔ میں نے غلطیاں نہ کی ہوتیں، کوتاہیوں کی حماقت نہ کی ہوتی تو میری زندگی کی المناک داستان کا اندازِ بیان کچھ اور ہی ہوتا۔ شاید کلدیپ بھی کالی داس کو دیئے ہوئے وچن کی بھینٹ چڑھنے سے بچ جاتی۔ مجھے دربدر کی خاک نہ چھاننی پڑتی۔ لیکن مقدر کے لکھے کو مٹانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری زندگی بڑی گناہ آلود رہی ہے، سیّد مجھ پر مہربان تھا، وہ اشاروں کنایوں میں مجھے راست قدم اُٹھانے کی نصیحتیں کرتا تھا۔ میں کم فہم تھا، اس کی گہرائی تک پہنچنا میرے اختیارات کی بات نہیں تھی۔

شیوا جیسے دشمن کو معاف کرنا بھی شاید میری حماقت ہی تھی۔ وہ میرے اختیار میں تھا۔ اُس کا ترکش خالی ہو چکا تھا، اُس نے اپنی شکست بھی تسلیم کر لی تھی۔ لیکن میں نے اُسے اپنا ایک پیغام پنڈت نول کشور اور چندرا تک پہنچانے کا وعدہ لے کر معاف کر دیا۔ انکا نے غرا کر شیوا کی طرف جھپٹنے کی کوشش کی، میں نے اُسے بھی سختی سے روک دیا۔ وہ ناراض ہوگئی۔ منہ پھلائے میرے سر پر بیٹھی رہی۔ میں اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

رات کے کھانے پر نارنگ بے حد خوش نظر آرہا تھا۔ میں نے اُس کی خوشی کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ امریتا اغواء ہونے سے بچ گئی تھی، نارنگ نے اوشا کماری کی زبانی پوری کہانی سن لی تھی، شیوا بھی چلا گیا تھا۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ ایک رات اور اس چھت کے نیچے گزار کر نارنگ سے رُخصت ہونے کی اجازت طلب کرلوں گا۔

کھانے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ امریتا مجھ سے بے تکلفی سے گفتگو کرتی رہی۔ اوشا کی شکاری نظریں میرے اُوپر جال ڈالنے میں مصروف تھیں، میں کترا کترا کر اپنا بچاؤ کرتا رہا۔ انکارانی میرے سر پر چت لیٹی آسمان کی طرف گھورتی رہی۔ وہ بدستور مجھ سے اُکھڑی اُکھڑی نظر آرہی تھی۔ نارنگ کے چہرے پر مسرتیں رقص کر رہی تھیں۔

بڑا دُور اندیش اور گھاگ آدمی تھا، میں سمجھ رہا تھا کہ سب کی موجودگی میں وہ زبان نہیں کھولے گا۔ وہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کے اصول کا پابند تھا۔ میرا اندازہ ٹھیک ہی ثابت ہوا، کھانے سے فارغ ہو کر وہ مجھے اپنی ساؤنڈ پروف لائبریری میں لے گیا جہاں پوری دنیا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے مختلف لاسلکی نظام موجود تھے۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ لائبریری نارنگ کے لئے کوٹھی کی سب سے محفوظ ترین جگہ تھی، وہاں کسی پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی لائبریری کے فرش سے ایک چور راستہ کوٹھی کے عقب میں بھی نکلتا تھا، اس کا علم بھی نارنگ کے سوا کسی اور کو نہیں تھا۔ اس لئے کہ چور راستے میں نارنگ کا ذہن اور غیر ملکی ماہرین فن کا ہاتھ شامل تھا۔ مقامی لوگوں کو اس کی بھنک بھی نہیں تھی۔

لائبریری میں قدم رکھتے ہی میں نے خود کو نندا کی قوتوں سے لیس کرلیا۔ مجھے نارنگ کے دل میں جھانکنے کا موقع مل گیا۔ میں یہ کام انکارانی سے بھی لے سکتا تھا۔ وہ نارنگ کے سر پر چلی جاتی پھر اُس کی خوشی کا پورا احوال منٹوں میں مجھ تک پہنچا دیتی، نارنگ ہکا بکا رہ جاتا۔ لیکن وہ اس وقت رُوٹھی ہوئی تھی، میں نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

میں نارنگ کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوا تو خود کار دروازہ بند ہوگیا۔ نارنگ نے مجھے بڑی انکساری سے ایک آرام کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا تو وہ میرے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

''مہاراج.....'' اُس نے کہا۔ ''آج میں بہت خوش ہوں۔ میری خوشیوں کا اصل کارن تم ہو۔ تم نہ ہوتے تو مجھے کنارے تک پہنچنے کے لئے بڑے ہاتھ پیر مارنے پڑتے۔ تم نے ایک پل میں میری ساری چنتا دُور کر دی۔ تم پہلے مل جاتے تو میں آج کہیں اور ہی ہوتا۔ یہ راج منتری کا استھان تو کانٹوں کی سیج ہے۔'' اُس نے مجھے بڑی عقیدت مند نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میری نگاہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ پورے بھارت میں تم سے بڑا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ ایک گرو پرتاپ تھا لیکن وہ بھی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکا جہاں تم نظر آرہے ہو۔''

''کیا پالیا نارنگ.....؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''بڑا خوش نظر آرہا ہے؟''

''جن سور کے بچوں نے امریتا کو اغواء کر کے مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے کے سپنے دیکھے تھے، اب وہ نارنگ کی مٹھی میں ہیں۔ وہ اپنی باری پوری کر چکے، اب میں اُنہیں اپنا

کھیل دکھاؤں گا۔ وہ جیت جاتے تو میں تباہ ہو جاتا، ساری جنتا کے سامنے میرے شریر کے کپڑے اُتر جاتے۔ اب میں اُنہیں ننگا کروں گا۔ ایک کے بدلے دس مارے جائیں گے۔ ساری دنیا تماشہ دیکھے گی۔''

''ایک بات کہوں بالک....'' میں نے پہنچے ہوئے پنڈت جیسا انداز اختیار کیا۔ ''دھیان سے سنے گا.....؟''

''تم آ گیا دو مہاراج، سیوک تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔''

''کچھ دنوں کے لئے سرکار سے چھٹی لے کر باہر چلا جا۔ جب اندھیرے چھٹ جائیں تو واپس لوٹ آنا۔ اسی میں تیری بھلائی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج.....؟'' اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''سرنگ میں اُترنا بڑے جان جوکھم کی بات ہے۔'' میں سنجیدگی سے بولا۔ ''کہیں چھت گرنے سے راستہ بند ہو جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے۔''

''تم.....تم کیا کہنا چاہ رہے ہو.....؟'' نارنگ کی نگاہوں میں کئی رنگ جھلملانے لگے۔

''میں زیر زمین (UNDER WORLD) دنیا کی بات کر رہا ہوں نارنگ سنہا۔'' میں نے کھل کر کہا۔ ''جو لوگ تمہارے جال میں پھنس چکے ہیں، ان کی جڑیں بھی بڑی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ تمہارے تجربہ کار لوگوں نے ہوشیاری سے کام لیا ہے، بڑی مچھلیوں کو ابھی تک یہ ہوا نہیں لگی کہ ان کے آدمیوں پر کس نے جال ڈالا ہے۔ وہ تہہ سے نکل کر کھلے ساگر میں کھوج لگانے کا کام شروع کر چکے ہیں۔ ایک ایک لہر کو کھنگالا جا رہا ہے۔ سن رہا ہے بالک میں کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں؟''

نارنگ دم بخود رہ گیا۔ بُت کی طرح ساکت و جامد کھڑا کچھ دیر مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے گھورتا رہا، پھر کسمسا کر بولا۔ ''تم اور کیا جانتے ہو مہاراج.....؟''

''وہ سب کچھ جو تو نہیں جانتا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ ''ابھی ساگر چڑھا ہوا نہیں ہے۔ سمے تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیر کر دوسرے کنارے اُتر جا۔ سمندری طوفان آ گیا تو بڑی تباہی ہو گی۔ کھارے پانی کی گوشت خور مچھلیوں کو میٹھے پانی میں رکھنے کا دھیان دل سے نکال دے، اُنہیں ختم کر دے، خود باہر چلا جا۔ بانس رہا تو بانسری بھی ضرور بجے گی۔ میرا کہا مان لے۔''

نارنگ نے فوراً ہی میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ دُور اندیش ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک ذہنیت کا مالک بھی تھا، اپنے پیچھے کوئی ثبوت چھوڑنا اُس کی سرشت کے خلاف تھا۔ اُس کے ذہن میں کسی کے خلاف اُبھرنے والا معمولی خدشہ بھی مشکوک آدمی کی ہلاکت کا بہانہ بن جاتا تھا۔ اُس کی خاصیت ناگن جیسی تھی جو اپنے بچوں کو کھا جانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ میں اُس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

''کس وچار میں گم ہے بالک.....؟'' میں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارا کہا مان لوں گا۔'' اُس نے ڈھلمل یقین حالت میں شرط رکھی۔

''شرط باندھ رہا ہے.....؟'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''نہیں.....میں بنتی کر رہا ہوں.....'' اُس نے کینچلی بدلنے کی کوشش کی۔

''جو چنتا تجھے بیاکل کر رہی ہے اسے من سے نکال دے، اگلے چندرما سے پہلے باہر چلا جا، موج میلا کر کے تین مہینے نکال دے، پھر واپس آ جانا۔'' میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں کسی اور راستے کا مسافر ہوں، تیرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ دھرم کرم اور دنیا داری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تیری سندر پتری کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ٹانگ نہ پھنساتا۔ سارے منش ایک جیسے نہیں ہوتے مورکھ، میں زبان بند رکھتا تو تیرے من میں بھی اتھل پتھل نہ ہوتی۔ تیرے ساتھ اور بھی کچھ لوگ بھونچال کی لپیٹ میں آ جاتے۔ نیکی کا بدلا بدی سے نہیں دیا کرتے.....سنا تو نے؟''

نارنگ میری دوٹوک بات سن کر سٹپٹانے لگا۔ انکا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی خونخوار نظریں نارنگ کے چہرے پر جمی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں چنگاریاں چٹخنے لگیں۔

''میں کل صبح چلا جاؤں گا۔'' میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں نے تیری بُدھی میں جو بات بٹھانے کی کوشش کی ہے اس میں تیرا ہی بھلا ہے، ماننا نہ ماننا تیرے اختیار میں ہے.....''

''مہاراج.....'' اُس نے سنبھل کر کہا۔ ''آج تک کسی نے نارنگ کی بات ٹالنے کی غلطی نہیں کی۔ میں تم سے بنتی کر رہا ہوں، تم میرے ساتھ رہو گے تو میرا من شانت رہے گا.....''

''چھل کپٹ کی باتیں کر رہا ہے؟'' مجھے غصہ آ گیا۔ انکا کچھ کہے بغیر میرے سر سے اُتر

گئی۔ دوسرے ہی لمحہ لائبریری کا خودکار دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تو نارنگ حیرت سے اُچھل پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ انکارانی کی طرف سے نارنگ کے لئے وہ پہلی وارننگ تھی۔

''اور کچھ دیکھنا پسند کرے گا؟'' میں تیزی سے بولا۔ ''ہٹ جا میرے راستے سے، ورنہ پچھتائے گا۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو تجھے بھاگے راستہ نہیں ملے گا۔ وہ چور راستہ بھی تیرے لئے قبر بن سکتا ہے جس کے اوپر تو سینہ تانے کھڑا ہے۔ بول.....؟ کیا فیصلہ ہے تیرا؟''

پھر نارنگ کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا۔ وہ زمین سے ایک فٹ بلند ہو چکا تھا۔ تھر تھر کانپتے ہوئے اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''مجھے شما کر دو مہاراج..... تمہارا جب من چاہے چلے جانا، میں تمہیں روکوں گا نہیں۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے انکا کو سنانے کی خاطر نارنگ سے سرد آواز میں کہا۔ ''دھرتی پر واپس آجا، قدم جما لے، پھر کوئی کمینگی مت دکھانا۔ ورنہ سارا کھایا پیا باہر آجائے گا.....''

میں لمبے لمبے قدم اُٹھاتا لائبریری سے باہر آ گیا۔ خودکار دروازہ جسے انکا کی پراسرار قوت نے کھولا تھا، دوبارہ بند ہو گیا۔ میں سیدھا اپنی خوابگاہ میں آ گیا۔ چند لمحوں بعد انکا بھی واپس آ گئی۔ وہ پھر چت لیٹ کر چھت کو ٹکٹکی باندھے گھورنے لگی، میں اُس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ وہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ پریتم لال نے اُسے جو قوتیں بخشی تھیں انہوں نے انکارانی کو بڑا قد آور بنا دیا تھا۔ میرا ذہن اُلجھ رہا تھا۔ رہ رہ کر شیوا کا خیال کلبلانے لگتا۔ میں نے یونہی ایک رسالہ اُٹھا کر اُس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ میری نظریں رسالے پر جمی تھیں لیکن میرا ذہن بدستور شیوا کے سلسلے میں اُلجھتا رہا۔ میں پنڈت نول کشور اور چندرا کے بارے میں غور کرنے لگا..... شیوا کی زبانی میرا پیغام سن کر اُن کا ردِعمل کیا ہو گا.....؟ کیا نول کشور اپنی حرامزدگی سے باز آجائے گا.....؟ چندرا کے ذہن میں امرلال کے انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ سرد پڑ جائے گی.....؟ شیوا پر کیا گزرے گی.....؟ وہ اپنے اور میرے مقابلے کی داستان بیان کرے گا تو کیا اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی.....؟ ''نہیں.....'' میرے ذہن نے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور نے میری موت کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ وہ ایک عرصے سے پنڈت پجاریوں کو اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کر رہا تھا، اُن کے دل و دماغ میں میرے خلاف زہر بھر رہا تھا۔ اُسے کالی کا آشیرواد حاصل تھا..... کالی جسے طاقت کی سب سے بڑی دیوی سمجھا جاتا تھا

جس کو دیئے ہوئے وچن کی خاطر میری کلدیپ نے اپنی ہنستی مسکراتی زندگی کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ اُس کی حمایت نے نول کشور کے غبارے میں بھی ہوا بھری ہو گی۔ ایک شیوا کے بیان پر وہ نطفۂ ناتحقیق اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے گا۔ چندرا بھی اپنی جوانی کے زعم میں اُونچے اُونچے خواب دیکھ رہا ہو گا۔ وہ مارنے یا مر جانے کا فیصلہ کر چکے ہوں گے۔ پریتم لال کی آتما نے جو کہا تھا وہ غلط نہیں ہو گا.....''

میں تادیر اپنے آپ سے اُلجھتا رہا، پھر انکا کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''میں کچھ دیر کے لئے جا رہی ہوں۔'' اُس نے رُوٹھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پریتم لال مہاراج کی آتما نے مجھے یاد کیا ہے۔ اپنا دھیان رکھنا.....! میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔''

''تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ جب چاہو، جہاں چاہو جا سکتی ہو.....'' میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

''غلطی تمہاری تھی۔ اور تم ہی جلی کٹی باتیں بھی کر رہے ہو۔'' اُس نے شکوہ کیا۔

''اپنے جملوں کو بھی تولنے کی کوشش کرو انکارانی.....'' میں نے اُسے یاد دلایا۔ ''میں نے بھی تم سے شیوا کو نہ روکنے کی وجہ دریافت کی تھی۔ تم نے اپنی کسی مجبوری کی آڑ لے کر بات ٹال دی، اصل وجہ نہیں بتائی۔ میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔''

انکا نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن کوئی مجبوری لاحق ہو گی جو اُس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے دیکھتی ہوئی خاموشی سے چلی گئی۔ میں پھر اپنے جنون میں مبتلا ہو گیا، اپنی وحشتوں سے اُلجھ رہا تھا جب کسی کے قدموں کی آہٹ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے نظر گھما کر دیکھا، امریتا شب خوابی کا لباس پہنے میرے کمرے میں داخل ہو کر کمرے کا دروازہ بند کر رہی تھی..... میرے ذہن سے سارے پریشان کن خیالات چھٹ گئے۔ میری نظریں امریتا کے جسم پر مچلنے لگیں۔

ذہن پریشان ہو، اعصاب پر کسلمندی طاری ہو، دماغ اُلجھنوں کا شکار ہو اور خیالات میں بیزاری کروٹیں بدل رہی ہو تو کسی حسینہ کا وجود ان تمام علامتوں کو دُور کر دیتا ہے۔ امریتا کو دیکھ کر میری بھی یہی حالت ہوئی۔ وہ دروازہ بند کر کے میری سمت بڑھی تو میں اُس کی

پذیرائی کی خاطر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ گلبدن اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ درمیانی فا
کم کر رہی تھی۔ میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ فضائی سفر کے دوران بھی وہ مجھ سے بے تکلفی
باتیں کر رہی تھی۔ میں نے جب اُسے اغواء کنندگان سے نجات دلائی تھی اس وقت
اظہارِ تشکر کے طور پر بے اختیار میرے سینے کی گہرائیوں میں سما گئی تھی۔ لیکن وہ ایک
ہوئے دماغ کی لڑکی تھی، جنس مخالف کے لئے اپنے اندر بے پناہ مقناطیسی کشش بھی
تھی۔ میرے خیال کے مطابق وہ آوارہ بھی نہیں تھی۔ پھر اتنی رات گئے وہ باریک
سے اپنے جسم کے ہیجان انگیز خطوط کی نمائش کرتی میری خواب گاہ میں کیوں آئی؟ صر
صرف ملاقات ہوتا تو دروازے کو اندر سے بولٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ معاً میر
ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھرا۔ ''کہیں نارنگ نے اسے میری کمزوری تو
سمجھ لیا تھا؟ امریتا کے حسن و جمال کا جادو میرے قدموں میں بیڑیاں ڈالنے کی
استعمال کیا جا رہا ہو؟'' میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میں نے طے کر لیا کہ نارنگ کو اس
مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دُوں گا۔

امریتا بادِ بہار کے معطر جھونکوں کی طرح میرے قریب آ کر رُک گئی۔ اُس کی
آنکھوں میں نیل کنول تیر رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں مجھے اپنے سحر میں اُلجھا رہی تھیں۔
کے گداز بدن کی تپش مجھے جھلسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے پیش قدمی نہیں کی
خواہشات کو بے لگام نہیں ہونے دیا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتی رہی
دانشوروں اور ماہر نفسیات کا خیال ہے کہ مردوں کی نگاہوں کا مفہوم عورت پہلی نظر
بھانپ لیتی ہے۔ شاید امریتا نے بھی میرے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر میرے
بند'' ہونے کے ارادوں کو تاڑ لیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم پھیل کر گہر
چلا گیا۔ میرے اور قریب آ کر بڑی اپنائیت سے بولی۔

''بیٹھنے کو نہیں کہو گے مہاراج.....؟''

میں نے پلکوں کی جنبش سے کام لیا۔ وہ اجازت حاصل کر کے میرے برابر بیٹھ
اُس کے جسم کی خوشبو میرے دل و دماغ میں بسنے لگی۔ میں نے خود کو سنبھالا۔ میں سمجھ
کہ نارنگ نے اس خوبصورت ناگن کو مجھے ڈسنے کی خاطر بھیجا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا
میرے پاس قاتل سے قاتل زہر کا تریاق موجود تھا۔

''کن وچاروں میں گم ہو.....؟'' اُس نے تھوڑے توقف سے سوال کیا۔ اس بار مہاراج کا لقب استعمال نہیں کیا گیا۔

''ایک مشکل درپیش آ گئی ہے۔'' میں نے اُسے آزمانے کی کوشش کی۔ ''تمہارے پتا کا کہنا ہے کہ میں کہیں نہ جاؤں، سارا جیون اسی کے ساتھ رہوں۔''

''تو پھر ان کا کہنا مان لو نا..... کیا ضرورت ہے کہیں جانے کی؟'' وہ بڑی اپنائیت، بڑی لگاوٹ سے بولی۔ ''میں تمہاری سیوا کروں گی، تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دُوں گی۔''

''کیا بھروسا تمہارا.....؟'' میں نے پھر اُسے کریدا۔ ''فضائی سفر کی طرح کہیں تم پھر مجھے بھول گئیں تو.....؟''

''پجارن سے بھول ہو گئی تھی..... شما کر دو۔'' امریتا کا لب و لہجہ تبدیل ہونے لگا۔ اُس کے انداز میں وارفتگی تھی۔

''پہلے تم نے انکار کیوں کیا تھا.....؟'' میں نے شکوہ کیا۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، نگاہوں کے ذریعے میرے دل میں سمانے لگی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اُسے برسوں سے جانتا ہوں، جنم جنم سے میرا اُس کا ساتھ رہا ہو۔ میرے عزم کا مضبوط قلعہ مسمار ہونے لگا۔

''تمہیں وہ جملہ یاد ہے؟'' میں نے مدھم آواز میں کہا۔ ''جو آزمائے جا چکے ہوں انہیں بار بار نہیں آزمایا جاتا۔''

''ہاں.....'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔ ''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا.....''

''کیا مطلب.....؟'' میں چونکا۔ امریتا کے لہجے کا یقین میری یادداشت میں ہلچل مچانے لگا۔ اُس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ پہلے اُس نے بڑی سادگی سے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا، بار بار بڑے وثوق سے میری بات کی نفی کرتی رہی۔ اور اب بڑے اعتماد سے اقرار کر رہی تھی۔

''امریتا.....'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں تمہیں کیا سمجھوں.....؟''

''کلپنا..... کجرا پجارن..... امریتا، جو چاہے سمجھ لو جمیل.....'' اُس کی آواز یکلخت بدل گئی۔ ''ناموں میں کیا رکھا ہے؟ سچا سمبندھ تو من کا من سے ہوتا ہے.....''

میری آنکھوں نے برسنا شروع کر دیا۔ ماضی کے حسین لمحات مجھے ڈسنے لگے، ڈنک

مارنے لگے۔ میرے وجود کی عمارت لرزنے لگی۔ میرے اندر طوفان کی شدتیں پو
اُبھارنے لگیں۔ میں دیوانہ ہوگیا۔ پھٹی پھٹی بے چین نظروں سے امریتا کو دیکھنے لگا۔
نگاہیں ایک بار پھر دھوکا کھا گئیں، میں اُسے پہچان نہ سکا۔ فضائی سفر کے دوران اُس
واضح اشارہ کیا تھا۔ وہ جملہ میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونجتا رہا، میں
تہہ تک نہ پہنچ سکا۔ ندامت کا احساس میرے کرب میں اضافہ کرنے لگا۔ میں نے
جھپکانی بند کردیں۔ امریتا کو دیکھتا رہا۔ اب شبہے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی، پو
پجارن کجرا کا حوالہ بہت تھا..... میری نگاہوں کے سامنے صرف امریتا کا جسم تھا، اُس
جسم کے اندر میری کلدیپ کی رُوح موجود تھی۔

''تم پھر جیت گئیں۔ میں ایک بار پھر ہار گیا۔'' میں نے بڑے خلوص سے اعتراف
''تمہارے سر پر وہ نظر نہیں آرہی۔'' اُس نے انکا کے بارے میں دریافت کیا۔
سمجھ گیا، وہ میری توجہ مبذول کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے میرے درد کا اندازہ لگالیا۔ میں
حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جمیل.....'' کلدیپ کی آواز دوبارہ میرے کانوں میں گونجی۔ ''تم نے اپنی انکا
کے سلسلے میں میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''اُس نے جاتے وقت کہا تھا کہ پریتم لال مہاراج نے اُسے یاد کیا ہے۔'' میں
سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''وہ بھی مجھ سے بار بار رُوٹھنے لگی ہے۔''

''تم اُس کی بات جو نہیں مانتے۔'' اُس نے مسکرا کر کہا۔ ''اُس کا دھیان رکھا
میں جانتی ہوں وہ کتنا بدل چکی ہے۔ اُس کے ننھے سے من میں تمہارے لئے پیار
بھرا ہے۔''

''انکارانی کو شکوہ ہے کہ میں نے شیوا کو زندہ کیوں چھوڑ دیا۔''

''اب وہ شکایت نہیں کرے گی۔'' کلدیپ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''مہارا
اُسے اسی کارن یاد کیا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میری آتما پر بہت سی پابندیاں ہیں جمیل۔'' اُس نے سرد آہ بھری۔ ''میں بھ
بارے میں تم سے کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کیول اتنا بتا سکتی ہوں کہ کبھی کبھی منش کی

اس کے کام آجاتی ہیں.....''

''کلدیپ.....'' میں نے اُس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
زندگی سے جی اُچاٹ ہوگیا، مجھے اپنے پاس بلالو۔ تمہارے بنا سب کچھ بڑا ادھورا
سا لگتا ہے۔''

''میں بھی یہی کہنے آئی ہوں۔'' اُس نے میرے اور قریب آتے ہوئے کہا۔ ''سارے
راگ، سارے جھمیلے، سارے بکھیڑے، تمام جھگڑوں سے منہ موڑ کر کسی ایک جگہ اپنا
بنالو.....''

''یہ..... یہ تم کہہ رہی ہو.....؟'' میں نے اُسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے
پھر میرے اندر بھرے بارود میں آگ لگ گئی۔ ''ان دشمنوں کو بھول جاؤں جنہوں نے
زندگی میں ہر سو کانٹے ہی کانٹے بکھیر دیئے ہیں۔ کہیں ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھنے
دیئے۔ تم گواہ ہو، تمہیں کھونے کے بعد مجھے جینے کی آرزو نہیں تھی۔ میں نے انکا رانی سے
منہ موڑ لیا تھا، موت کا منتظر تھا جب جین نے سامنے آکر جھولی پھیلا دی۔ میں
ہندوستان کو خیر باد کہنے کے رادے سے اُس کے ساتھ انگلینڈ چلا گیا۔ تمہاری یاد نے وہاں
میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں نے پھر خودکشی کا ارادہ کیا، پریتم لال درمیان میں آگیا۔
اُس نے کہا کہ جو کام تم نے ادھورے چھوڑے ہیں وہ مجھے پورے کرنے ہوں گے۔ میں
نے مہاراج کا کہا مان لیا۔ مجھے پریتم لال ہی کی زبانی علم ہوا کہ تمہیں میری زندگی سے
محروم کرنے والے اُس مادر بہ خطا امر لال کی ایک اولاد چندرا کے رُوپ میں بھی زندہ
ہے۔ وہ سنپولا وندھیا چل کی پہاڑیوں میں بیٹھا طاقت حاصل کرنے کے لئے جاپ کر رہا
تھا۔ نول کشور پنڈت پجاریوں کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ میں مہاراج کا اشارہ سمجھ گیا۔
تمہارے دشمن تھے میں نے اُن پرسکون کا ایک ایک لمحہ تنگ کرنے کی ٹھان لی۔ ہندوستان
گیا۔ تاج ہوٹل میں تم ہی نے کجرا پجارن کے رُوپ میں پنڈت کالی داس کی موجودگی
سے مجھے باخبر کیا تھا۔ تم باخبر نہ کرتیں تو میں تاریکی میں مارا جاتا..... اچھا ہوتا..... کہانی ختم
ہوجاتی۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''شاید مرنے کے بعد میں تمہیں پالیتا، تمہارے
قریب آجاتا۔ لیکن تم نے بروقت مجھے بچالیا۔ اس کے بعد میں نے نول کشور کے دست
راست اوم پرکاش کا بھی کریا کرم کردیا۔ میں بمبئی میں ہوتے ہوئے بھی اپنی تزئین سے

نہیں ملا.....تزئین یاد ہے نا تمہیں؟ تم بھی اُس سے بہت پیار کرتی تھیں۔ تمہارے پیار کی خاطر میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ میں پہلے تمہارے ان دشمنوں کا صفایا کرلوں جو تمہاری تزائن اور امرلال کے ادھورے سپنوں میں رنگ بھرنے کی خاطر سر جوڑ رہے تھے۔ سب کو جہنم رسید کرلوں، پھر اطمینان سے تزئین سے ملوں گا.....اور.....اب تم کہہ رہی ہو کہ میں سارے جھمیلے چھوڑ کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلوں، اپنے بدترین دشمنوں کو بیچ راہوں طرح ٹھمکے لگانے اور تالیاں بجانے کا موقع فراہم کردُوں۔'' میں دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ مجھے کلدیپ کی موت کا خیال آیا تو میرے صبر کے آتش فشاں نے بھی منہ کھول دیا۔ ''مجھے تم سے بھی شکایت ہے کلدیپ، تم نے بھی مجھے دھوکے میں رکھا۔ میری خاطر کالی بھینٹ دینے کا وعدہ کربیٹھیں۔ میں بے خبر رہا۔ تم امرلال کو نرک میں جھونک کر سرخرو ہو گئیں۔ میں دربدر ہوگیا۔ مجھے خبر ہوتی تو میں تمہارے اور امرلال کے درمیان آجاتا.....میں کام آجاتا تو شاید تمہیں اس کرب، اس اذیت کا احساس ہوتا جس سے میں دوچار ہوں.....اب تم مشورہ دے رہی ہو کہ میں خاموش ہوجاؤں، چھپ کر کسی کونے کھدرے میں زندگی گزار دُوں.....'' میں تلملا اُٹھا۔ ''نہیں کلدیپ.....نہیں۔ اب میں دشمنوں کے سر پر پہنچ چکا ہوں۔ میری واپسی اب ممکن نہیں ہوسکتی۔ میں نے شیوا کے ذریعے دشمنوں کو پیغام بھیج دیا ہے۔ میں اُنہیں اندھیرے میں رکھ کر شب خون نہیں مارنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں للکار کر مقابلے پر آنے کی دعوت بھیجی ہے۔ شیوا کو زندہ چھوڑ دینے میں میری اور کسی کی مصلحت نہیں تھی۔ انکارانی ناراض ہوتی ہے تو وہ بھی مجھ سے کنارہ کرلے۔ زندگی کی تمنا کس کو ہے؟ میں تو سر سے کفن باندھے گھوم رہا ہوں۔ موت کل آئے یا آج.....کیا فرق پڑ جائے گا.....؟''

''تم بات کو سمجھنے کی کوشش کرو جمیل۔'' کلدیپ نے پیار سے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ ''میں تمہیں کھل کر نہیں بتا سکتی۔ لیکن کسی کے درمیان میں آجانے سے حالات بدل گئے ہیں.....''

''تم شاید دُرگا دیوی کی بات کررہی ہو.....؟'' میں زہرخند سے بولا۔ ''میں ایکیس کے عتاب میں مبتلا کیا گیا تھا۔ گرو پرتاپ نے یہی بتایا تھا۔ لیکن سیّد مجذوب کے جسم کی نے دُرگا کی زنجیروں کی تمام کڑیاں ناکارہ کردیں، سب ٹاپتے رہ گئے۔''

''جمیل.....'' کلدیپ نے منت کی۔ ''میرا کہا مان لو۔ میری آتما کو کسی امتحان میں ڈالو۔ میں دُرگا دیوی یا سیّد مجذوب کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتی، صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اب میری آتما بھی کبھی دوبارہ تمہارے پاس کسی بھی رُوپ میں نہیں آسکے گی۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن میں تمہیں کٹھنائیوں سے بچانا چاہتی ہوں.....کیا تم میری آخری بنتی سویکار نہیں کرو گے؟ نراش کردو گے اپنی کلدیپ کو.....؟''

میں ہونٹ چبانے لگا۔ میرا جنون اپنے شباب پر تھا۔ کلدیپ کہہ رہی تھی کہ یہ میری اور اس کی آخری ملاقات ہے۔ وہ چلی گئی تو پھر میری نظریں اُسے کسی رُوپ میں نہیں دیکھ سکیں گی۔ میں مخمصے میں گرفتار تھا جب ایک خیال میرے ذہن میں اُبھرا۔

''کلدیپ.....کیا تم جانتی ہو کہ پریتم لال نے انکارانی کو کیوں یاد کیا ہے.....؟'' میں نے کلدیپ کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''مہاراج نے بلایا ہے تو اس کا بھی کوئی کارن ہوگا.....'' اُس کے جواب میں صداقت نہیں تھی۔ وہ زبان کھولنے سے گریز کررہی تھی۔

''تم مجھے ٹال رہی ہو.....اپنے جمیل کو.....؟'' میں نے شکوہ کیا۔

''تم نے بھی تو اپنی کلدیپ کی آخری اِچھا (خواہش) قبول کرنے سے انکار کردیا۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی تڑپ کر اُٹھا۔

''کلدیپ.....'' میں نے اُس کا ہاتھ پوری قوت سے تھام لیا۔ ''مجھ سے رُوٹھ کر مت جاؤ۔ میں سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔''

''میں نے تم سے ملنے کی خاطر جو آخری مہلت مانگی تھی اس کا سے پورا ہو رہا ہے جمیل، ہوسکے تو میری بات پر دھیان کرلینا.....''

وہ جانے کے ارادے سے بڑھی تو میں نے اُسے ہاتھوں کے حصار میں دبوچ لیا۔

''یہ پاپ ہے جمیل.....'' اُس نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''تم جس شریر کو چھو رہے ہو وہ میرا نہیں، امریتا کا ہے۔''

میں نے اُسے ہاتھوں کے شکنجے سے آزاد کردیا۔ اُس نے حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا، پھر تیز تیز قدم اُٹھاتی دروازہ کھول کر واپس چلی گئی۔ میرے خواب پھر چکنا چور ہو گئے۔ میرے وجود میں مایوسیوں کی کرچیاں چبھنے لگیں۔ میں سر تھام کر بستر پر بیٹھ گیا۔

کلدیپ کی باتیں میرے جسم کے سناٹے میں گونجتی رہیں۔ میرے دل و دماغ میں کشمکش جاری تھی۔ میں کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مبتلا تھا جب کسی کے کھنکھارنے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے آواز کی سمت نظریں اُٹھائیں..... میری پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا۔

سیّد مجذوب میرے سامنے دیوار سے ٹیک لگائے پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اُس کی داڑھی حسب معمول جھنکاڑ کی مانند بڑھی ہوئی تھی۔ لباس تار تار نظر آ رہا تھا۔ لیکن چہرے پر وہی جلال موجود تھا جسے میں نے پہلی بار رکن الدین کی حویلی میں دیکھا تھا۔ وہ قلندرانہ انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔ ہونٹوں سے ٹپکنے والی رال اُس کے لباس میں جذب ہو رہی تھی۔ وہ کامل بزرگ تھا، مجذوب تھا، اُسے کسی ظاہری رکھ رکھاؤ، نمود و نمائش کی ضرورت نہیں تھی۔ خدا نے اُسے اپنے فیض و کرم سے نواز رکھا تھا..... کچھ دیر تک وہ سنجیدگی سے مجھے گھورتا رہا، پھر مسکرا کر بولا۔

''قلابازیاں کھا رہا ہے..... نوٹنکی کے مسخرے.....''

''میری مشکل حل کر دو پیر و مرشد.....'' میں نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ ''مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔''

''میرے کی سلائی پھیر لے..... چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔''

''میں جس موڑ پر کھڑا ہوں وہاں مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔''

''جہاں سیر..... وہاں سوا سیر.....'' وہ دیدے نچا کر بولا۔ ''کان کا کھونٹ نکالنے کی عادت ڈال لے.....''

''تم نے اب بھی میری مدد نہ کی تو میں ڈوب جاؤں گا سیّد۔'' میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''میرا انجام بڑا بھیانک ہوگا۔''

''ڈر گیا..... لنگوٹی چھوڑ کر بھاگنے کی سوچ رہا ہے.....؟''

''اور کیا کروں.....؟'' میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔

''آنکھوں پر پٹی باندھ لے..... کنوئیں میں چھلانگ مار دے۔''

''تم نے پھر اشاروں میں بات شروع کر دی؟'' میں جھلا گیا۔ ''مجھے روشنی کی ایک کرن دکھا دو..... تمہیں اپنی بزرگی کا واسطہ۔''

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی حرکتیں بلا سبب نہیں تھیں۔ میں نے پھر اُسے آواز دی۔

''سیّد..... اپنے پیروں کی تھوڑی سی دُھول میرے سر پر ڈال دو۔''

''جل جائے گا.....'' اُس نے مجھے غضبناک نظروں سے گھورا۔

''تمہارے ہاتھوں جلا تو میری عاقبت سنور جائے گی...'' میں نے انکساری کا اظہار کیا۔

''ہوا میں اُڑنے لگا..... نوسر باز..... مداری۔''

''مجھے تمہاری بددُعائیں بھی منظور ہیں..... آج کوئی فیصلہ کر دو.....''

''چھلانگیں جاری رکھ۔'' وہ ہاتھ نچا کر مدھم آواز میں بولا۔ ''ٹِک ٹِک..... ٹِک ٹِک پر کان جما دے۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا، وہ پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے خود کو بستر پر ڈھیر کر دیا۔ سیّد کے اشارے میری سمجھ سے بالاتر تھے۔ میں ان کی تہہ تک پہنچنے کی خاطر ذہنی جمناسٹک میں مصروف تھا جب انکا میرے سر پر آ گئی۔ بڑی اُداس اُداس نظر آ رہی تھی۔

''کیا ہو گیا انکا رانی.....؟'' میں نے اُسے چھیڑا۔ ''کیا پریتم لال نے بھی تم پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں جو اُجڑی اُجڑی لگ رہی ہو.....؟''

''پابندی.....'' انکا نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''تم کن پابندیوں کی بات کر رہے ہو.....؟''

میں محتاط ہو گیا۔ میں نے کلدیپ کی آتما کے آنے کی بات ظاہر کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ انکا پراسرار قوتوں کی مالک تھی، اُس کی نظریں دلوں کا بھید بھی جان لیتی تھیں۔ پابندیوں کا ذکر میری زبان سے سن کر اُس کا چونکنا خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا۔

''کس لئے یاد کیا تھا پریتم لال نے.....؟'' میں نے کلدیپ کا خیال دل و دماغ سے نکال کر سوال کیا۔

''مہاراج نے کہا ہے کہ میں تم سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔'' وہ میرے سر پر کسمسانے لگی۔

''کس بات کی معافی.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''مجھے شما کر دو جمیل۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مہاراج نے کہا ہے کہ تم نے شیوا کو زندہ چھوڑ کر کوئی غلطی نہیں کی، وہ تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا.....''

''اور کچھ.....؟'' میں نے بے نیازی سے دریافت کیا۔

''ہاں.....'' وہ کچھ توقف سے بولی۔ ''مہاراج نے ایک بات اور کہی تھی۔ اُس کی ہ کو دھرتی سے آکاش پر بلا لیا گیا ہے۔ اب وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب کوئی میرے جنونی فیصلوں میں اڑنگا نہ لگائے۔ جو ہونا ہے ایک بار ہو جائے۔'' میں نے دلبرداشتہ ہو کر کہا۔ ''انکا رانی، تم چاہو تو تم بھی میرا ساتھ چھوڑ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

''ایسی بات مت کرو جمیل.....'' اُس نے تڑپ کر جواب دیا۔ ''میں تم سے دُور رہ کر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔''

''پھر ایک بات کا وعدہ کرو۔ آج کے بعد تم مجھ سے رُوٹھنے کا کوئی انداز نہیں اختیار کرو گی.....سنا تم نے؟ ہمارے درمیان صرف اچھے دوستوں کا رشتہ برقرار رہے گا.....ہم کسی کو کسی بات کے لئے پابند نہیں کریں گے۔ ہمیں فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا، اثبات میں سر کو جنبش دے کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر میرے بالوں میں دُبک گئی۔ اُس کے خاموش احتجاج کا وہ انداز بھی دیدنی تھا۔ میں نے اُٹھ کر روشنی بجھائی، پھر بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگا۔ کلدیپ اور سیّد مجذوب کی باتیں میرے دماغ میں گونجنے لگیں.....!

کلدیپ، امریتا کے رُوپ میں سامنے آکر مجھے پھر حیران کر گئی تھی۔ اُس نے جاتے جاتے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ آخری بار دیوی دیوتاؤں سے اجازت لے کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ ہو سکے تو میں اُس کے مشورے پر غور کروں۔ اُس کا مشورہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ جنون اور وحشتوں کے سفر میں وہ ہمیشہ میرے شانہ بشانہ میرے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ بدری نرائن جیسے موذی اور سخت جان دشمن سے طویل جنگ لڑنے کے دوران اُس نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ وہ میسور کی پہاڑیوں میں کلدیپ کے رُوپ میں بیٹھی جاپ بھی کرتی رہی، کلپنا کے رُوپ میں میری مدد بھی کرتی رہی۔ پنڈت کالی داس کو تاج محل ہوٹل میں میری وجہ سے بٹھایا گیا تھا۔ پجارن کجرا کو اُس کا من بہلانے کی خاطر بھیجا گیا تھا۔ کلدیپ اگر کجرا کے جسم پر قبضہ کر کے مجھے کالی داس کی موجودگی سے باخبر نہ کرتی تو میں اندھیرے میں کام آجاتا۔ اُسی کے ادھورے کام پورے

کرنے کی وجہ سے پریتم لال نے مجھے خودکشی کرنے سے باز رکھا تھا۔ اور اب جب میں اپنی منزل کے آخری سنگ میل کے قریب پہنچ گیا تو وہ یہ کہنے آئی تھی کہ میں تمام جھگڑوں سے منہ پھیر کر کہیں گوشہ نشینی اختیار کر لوں، دشمنوں کو پیٹھ دکھا کر واپس لوٹ جاؤں.....!!

''کیوں؟.....آخر کیوں؟'' میں نے سوچا۔ ''وہ کون تھا جس کے درمیان میں آجانے سے بساط کا رُخ پلٹ گیا تھا؟ کلدیپ نے کھل کر اُس کا نام لینے سے کیوں گریز کیا تھا؟ وہ ایسی کون سی قوت تھی جس سے کلدیپ کی آتما بھی خائف تھی؟''.....دُرگا.....! وہ یقیناً دُرگا ہی ہوگی جس نے اوم پرکاش کی موت پر سرزنش کرنے کی خاطر مجھے ایکس روز کے عتاب سے دوچار کیا تھا۔ گرو پرتاپ نے کہا تھا کہ میں ایکس روز تک اپنے پنکھ سمیٹے کہیں خاموش بیٹھا رہوں۔ سیّد کو میری کسمپرسی پر رحم آگیا۔ دُرگا کو سیّد کی مداخلت ناگوار گزری، اُسی نے دھرم کرم کے درمیان دیوار کھڑی کی ہوگی۔ کلدیپ زندہ ہوتی تو اور بات تھی۔ مجھے یقین ہے، وہ کئی زندگیاں مجھ پر قربان کر سکتی تھی۔ لیکن اُس کی آتما دیوی دیوتاؤں کے قبضے میں تھی، وہ مجبور ہوگئی ہوگی.....!

انکا نے بھی واپسی کے بعد کوئی اچھی خبر نہیں سنائی تھی۔ لندن کے ہسپتال میں پریتم لال کی آتما نے مجھے خودکشی کے ارادے سے روک دیا تھا، کلدیپ کے ادھورے مشن کی تکمیل کی ہدایت کی تھی۔ میری ہی خاطر اُس نے انکا رانی کو اضافی قوتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اُس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اس کا سایہ میرے ساتھ ساتھ رہے گا.....اب وہ بھی پیچھے ہٹ گیا۔ انکا رانی نے میرے استفسار پر یہی بتایا تھا کہ مہاراج کی آتما کو بھی آسمانوں پر طلب کر لیا گیا ہے۔ وہ بھی میری مدد کو نہیں آئے گا.....

''دُرگا.....دُرگا.....دُرگا.....'' میرے ذہن میں ایک ہی نام کی بازگشت ہو رہی تھی۔

میرا دل چاہا اُٹھ کر پوری کوٹھی کی تمام بتیاں روشن کر دُوں، ایک ایک کو سوتے سے جگاؤں، بے اختیار قہقہے لگانا شروع کر دُوں۔ لوگ میری دیوانگی کا سبب پوچھیں تو میں کہوں۔

''تمہاری دُرگا نے میرے اُوپر پہرے بٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ وہ ایک ایک کر کے میرے ساتھیوں، میرے جانثاروں کو مجھ سے دُور کر رہی ہے۔ مجھے تنہا کر کے میری بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتی ہے۔ سیّد سے نہیں جیت سکی تو اس کا انتقام مجھ سے لے رہی ہے..... کچھ سنا تم نے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟ دُرگا پانی کے اُوپر بند باندھنے کی کوشش کر

رہی ہے۔ بپھرے ہوئے سمندر کی سرکش موجوں کے آگے سرکنڈوں کی باڑھ لگانے کی خواہشمند ہے۔ شاید اُسے نہیں معلوم کہ میں کئی بار کالی کے مندر بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر داخل ہو چکا ہوں۔ کالی کے کئی سیوک میرا راستہ کھوٹا کرنے کی حماقت میں جان گنوا بیٹھے۔ کئی پجارنیں میری وحشت کے درمیان آ کر روندی گئیں۔ کیا دُرگا کو اس کا علم نہیں ہوگا.....؟ اگر وہ واقف ہے تو پھر تم سب مل کر پتھر کی اس مورتی کو سمجھاؤ..... تم نے ہی اسے تشکیل دیا ہے، اس پر رنگ روغن چڑھا کر اس کے نقوش اُجاگر کئے ہیں۔ تم اسے مندر میں بلند مقام پر سجا کر اس کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہو۔ اس کی پوجا کرتے ہو۔ میں تمہارے رسم و رواج، تمہارے دھرم کرم کے معاملات میں ٹانگ نہیں پھنسا رہا۔ لوگ درختوں کی پوجا کرتے ہیں، بھڑکتی ہوئی آگ کے سامنے سجدے کرتے ہیں، جانوروں کو دیوتا مانتے ہیں۔ اپنے اپنے اعتقاد، اپنے اپنے یقین کی بات ہے۔ کون اچھا ہے؟ کون برا؟ اس کا فیصلہ بھی میرے اختیار کی بات نہیں۔ میں تم سے صرف اتنی درخواست کر رہا ہوں کہ تم اپنی زبان میں دُرگا کو سمجھاؤ کہ جمیل احمد خاں کسی انسان کا نہیں، ایک وحشی، ایک دیوانے کا نام ہے۔ وہ ہوش مندی کی باتیں نہیں کرتا، جوش میں آ کر ہوش کھو بیٹھتا ہے، مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، من مانی کرتا ہے۔ اپنی اسی دیوانگی کے سبب وہ کئی بار مرا، کئی بار زندہ ہوا۔ اس کی وحشتوں کی لپیٹ میں آ کر اس کے اپنے بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ سہارے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ اب وہ تنہا ہے، ایک تنہا آدمی کو دُرگا اور کیا تنہا کرے گی؟ جنگلی درندوں کو طوطا مینا پالنے والے تیلیوں کے پنجرے میں نہیں بند کیا جاتا..... جو خود موت کا خواہاں ہو اُسے کوئی موت سے کیا ڈرائے گا.....؟ اسے سمجھاؤ، اس سے کہو کہ ایک گرتی ہوئی دیوار کے سائے میں آنے کی حماقت نہ کرے، دیوار گری تو وہ بھی پاش پاش ہو جائے گی۔ آندھیوں کی زد پر چراغ روشن کرنا شاعروں کی نازک خیالی ہے..... میں شاعر نہیں ہوں، بت پرستی بھی میرا شیوہ نہیں۔ میں پہلے ہی وحشتوں کا مارا ہوں، وہ مجھے چھیڑے گی تو میرے جنون میں کمی نہیں ہوگی، میری درندگی اور بڑھ جائے گی..... ابھی میں ہوش میں ہوں، تم میری بات غور سے سنو۔ دُرگا کو بھی جا کر سمجھانے کی کوشش کرو، کل میں ہوش کھو بیٹھا تو کچھ یاد نہیں رہے گا۔ ایک بات سمجھ لو، میں تنہا نہیں گروں گا، میرے ساتھ بڑے بڑے پنڈت، بڑے بڑے بت بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر مجھ سے کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہ کرنا۔"

میں بستر پر لیٹا کروٹیں لیتا رہا۔ کلدیپ اور پریتم لال کی باتیں میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا رہی تھیں۔ مجھے پریتم لال سے زیادہ کلدیپ کی یاد ستا رہی تھی۔ وہ میری زندگی تھی، میری رُوح تھی۔ جب تک زندہ رہی اُس کی ہر سانس مجھ سے وابستہ رہی۔ اُس کی موت بھی میری خاطر ہوئی۔ زندگی کی آخری سانسیں اُس نے میری آغوش میں گزاری تھیں۔ ان دنوں اُسے مجھ سے ایک لمحہ کی جدائی بھی منظور نہیں تھی، میری بانہوں میں سمٹی بڑی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہتی۔ پریتم لال کی کٹیا اُس کے لئے سب سے پوتر استھان تھا۔ میں پہلے کبھی اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تو وہ اپنا جسم سمیٹ لیتی، دُور دُور رہنے کے بہانے تراشنے شروع کر دیتی۔ مگر آخری دنوں میں وہ خود پروانے کی طرح مجھ پر نثار ہونے لگی، بار بار میرے ہونٹوں کو چومنے لگتی، لگاوٹ کی باتیں شروع کر دیتی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ میسور کی پہاڑیوں سے نیچے آنے کے بعد اسے اپنی زندگی کا ہم سفر بنا لوں گا۔ میری زندگی کا خلاء پُر ہو جائے گا۔ میں اس سے آنے والے کل کی باتیں شروع کر دیتا، اُس سے سہاگ رات کی باتیں کرتا تو اُس کی آنکھوں میں مسرتوں کے سینکڑوں دیئے ٹمٹمانے لگتے۔ اُس کی خوبصورت آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔ میں انہیں خوشی کے آنسو سمجھتا، میں اُس کے انجام سے بے خبر تھا۔ اُسے علم تھا کہ کالی کو دیئے ہوئے وچن کو نبھانے کی گھڑی نزدیک آ رہی ہے..... پھر جب اُس نے حقیقت کا انکشاف کیا تو میں پاگل ہو گیا۔ وہ مجھے آخری سانس تک سمجھاتی رہی، دلاسے دیتی رہی..... مجھے یاد ہے کلدیپ نے آخری سانس اُکھڑنے سے پیشتر بڑی مشکل سے اُٹھ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا تھا، پھر کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح میری آغوش میں گر گئی۔ وہ ہمیشہ کے لئے زندگی سے منہ موڑ گئی۔ میں اُسے روک نہ سکا۔ انکارانی نے مجھے بے ہوشی سے دوچار نہ کیا ہوتا تو میں کلدیپ کے حسین جسم کو ہاتھوں میں لئے کسی بلند چٹان سے چھلانگ لگا دیتا، کہانی وہیں ختم ہو جاتی۔ لیکن موت پر بھی انسان کا بس نہیں چلتا۔ میں کلدیپ کے بغیر بھی زندہ رہا، اُس کا جسم میری نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گیا..... اُس کی رُوح کبھی کبھی دیوی دیوتاؤں سے کچھ مہلت طلب کر کے مجھے بہلانے کے لئے آ جاتی..... اب اُس کی رُوح پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ وہ دُرگا جیسی مہان دیوی کے آگے زبان نہیں کھول سکتی تھی، بے بس ہو گئی ہوگی.....!!

میں کرب کے عالم میں گرفتار تھا جب انکارانی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ شاید وہ بھی جاگ رہی تھی، اُسے بھی میری بے چینی کا علم ہو گیا تھا۔

''جمیل..... دل چھوٹا مت کرو۔ میں جو تمہارے پاس ہوں۔'' وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔

''جو چلے گئے وہ واپس نہیں آسکتے۔ جو باقی ہیں ان کے بارے میں بھی کبھی محبت سے سوچ لیا کرو.....''

''تم تزئین کی بات کر رہی ہو.....؟'' مجھے وہ گڑیا یاد آ گئی جسے میں نے اشرفی بیگم سے زبردستی چھین لیا تھا۔ وہ مجھے بابا کہنے لگی تھی، میری کلدیپ بھی اُسے ماں کی طرح پیار کرتی تھی۔ ہم دونوں نے سیّد غوث کا انتخاب کر کے اُس کی شادی کر دی تھی۔ ایک مدت سے میں نے اپنی گڑیا کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ میرے اندر کا غبار تزئین کا نام سن کر چھٹنے لگا، خیالات کے بہاؤ کا رُخ بھی تبدیل ہو گیا۔

''اور بھی کچھ دلوں میں تمہاری بے پناہ محبت موجود ہے۔'' وہ بڑی اُداسی سے بولی۔ ''تم نے کبھی دل میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔''

''کبھی فرصت ملی تو اطمینان سے دیکھوں گا.....'' میں نے انکارانی کا دل رکھنے کو کہا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے مرجھائے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُمید کی کرنیں اُس کی آنکھوں میں جھلملانے لگیں۔ پہلے وہ احساسات اور جذبوں کی صداقت سے ناواقف تھی، میرے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی سرد و گرم کا فرق سمجھنے لگی تھی۔

''کس کس کو دیکھنے کا وقت نکالو گے.....؟'' اُس نے شوخی سے کہا۔ ''اس چھت کے نیچے بھی ایک باسی کڑھی میں اُبال آ رہا ہے۔ میں اوشا کماری کی بات کر رہی ہوں۔ نارنگ ابھی تک جاگ رہا ہے، اپنے اُلجھے ہوئے بکھیڑوں کا حل تلاش کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اور وہ اُس کے ساتھ لیٹی تمہاری یاد میں ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر رہی ہے.....''

''تمہیں برا نہیں لگ رہا.....؟'' میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔ اب صرف وہی رہ گئی تھی۔ وہ بھی رُوٹھ کر رخصت ہو جاتی تو زندگی میں بڑا سناٹا طاری ہو جاتا۔ کبھی صرف سائیں سائیں کی خیالی آوازیں بھی انسان کو ڈنک مارنے لگتی ہیں، اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

''ایسا مت سوچو جمیل.....'' انکارانی میرے خیالات پڑھ کر کسمسانے لگی۔ پیار سے بولی۔ ''میں خود سے تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ تم دھتکار دو تو اور بات ہے.....''

''میں تمہاری مجبوریاں سمجھتا ہوں انکارانی، مجھے اپنی کوتاہیوں کا بھی احساس ہے۔ لیکن کبھی کبھی انسان خود اپنے آپ سے بھی بے بس ہو جاتا ہے۔ جذبات سر اُبھارتے ہیں تو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔'' میں نے سچے دل سے کہا۔ ''میری باتوں کا برا نہ مانا کرو..... تم تو میری زندگی کے ہر پہلو، تمام نشیب و فراز سے واقف ہو۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا.....؟''

''اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے.....؟'' اُس نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''میں نے طے کر لیا ہے..... میری اگلی منزل ہردوار ہو گی۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں جمیل،! جو ہو گا، دیکھا جائے گا.....'' انکارانی کے لہجے میں اس کا خلوص بھی شامل تھا۔ میرے ذہن سے تنہائی کا احساس چھٹنے لگا.....!!

صبح ناشتے کی میز پر سب ہی اُداس تھے۔ شاید نارنگ نے اُنہیں میری روانگی کی اطلا
دے دی تھی۔ خود نارنگ بھی کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ میری نظریں رہ رہ کر امریتا
جانب اُٹھ رہی تھیں۔ اُس کا جسم بے حد تر و تازہ و شاداب نظر آ رہا تھا۔ اسی جسم میں گزشتہ
رات میری کلدیپ مجھ سے آخری بار ملنے آئی تھی۔ اس جسم کے نشیب و فراز میں مجھے
کلدیپ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اوشا کماری کے چہرے پر اُداسی کے علاوہ اپنی شکست
احساس بھی مچل رہا تھا۔ وہ نارنگ سنہا جیسے قد آور شخص کی بیوی تھی۔ نارنگ پر نہ سہی لیکن
دوسروں پر اُس کا حکم ضرور چلتا تھا۔ اُس کے ایک اشارے پر کوئی بھی اُس کے قدموں میں
جھک سکتا تھا۔ نہ جھکتا تو کسی ناکردہ گناہ کے الزام میں مار دیا جاتا۔ میرے سلسلے میں اُسے
مایوسی ہوئی تھی۔ وہ اپنے شکار کو بے بس کر کے مارنے کی عادی تھی۔ اُس نے میرے اُوپر
بھی جال ڈالنے کی کوشش کی۔ اُس کا خیال تھا کہ میں بھی دو چار روز میں اس کی حیثیت سے
استفادہ حاصل کرنے کی لالچ میں آ کر اس کی خواہشات کی دہلیز پر سر جھکا دُوں گا۔ میں اتنی
جلدی جانے کے لئے پابہ رکاب ہو جاؤں گا، یہ بات اُس کے وہم و گمان میں نہیں تھی۔
ورنہ ممکن ہے وہ مجھے تسخیر کرنے کا عمل تیز کر دیتی۔ انکارانی میرے سر پر بیٹھی سب کے رنگ
ڈھنگ دیکھ رہی تھی۔

''جمیل.....'' میں ناشتے سے فارغ ہو کر اُٹھنے لگا تو اُس نے میرے کان میں سرگوشی
کی۔ ''مجھے نارنگ کے ارادے نیک نظر نہیں آ رہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں چونکا۔

''وہ تمہیں ہردوار جانے سے روکنے کے منصوبے ہے۔'' انکا نے سنجیدگی سے کہا
''اُسے ابھی دہلی میں تمہاری ضرورت ہے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے تحکمانہ آواز میں جواب دیا۔ ''نارنگ مجھے روکنے میں

کامیاب نہیں ہوگا۔ میں اُسے اپنے ارادے سے آگاہ کر چکا ہوں۔''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کی نظریں نارنگ کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ میں سب سے رخصت ہو کر کوٹھی کے باہر آ گیا۔ نارنگ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ پورٹیکو میں ایک کار تیار کھڑی تھی، باوردی ڈرائیور بھی موجود تھا۔

''مہاراج..... کیا تم میرے لئے کچھ دن اور نہیں رُک سکتے؟'' نارنگ نے دبی زبان میں کہا۔ ''تم نے بڑی مچھلیوں کے بارے میں جو کچھ کہا وہ غلط نہیں ہے۔ وہ گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے اُن کی نظریں مجھ تک پہنچ جائیں۔''

''اسی کارن میں نے کہا تھا کہ کچھ دنوں کے لئے ملک سے دُور چلا جا.....'' میں سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اور وہ سور کے بچے جو میری قید میں ہیں؟'' وہ ہونٹ چبانے لگا۔

''اُنہیں ختم کرا دے۔''

''اتنی جلدی میں اُنہیں موت کی نیند نہیں سلاؤں گا۔'' نارنگ کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھانے لگا۔ ''اُن حرامزادوں نے امریتا پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کی تھی۔ نارنگ کی عزت سے کھیلنے کی حماقت کی تھی۔ میں اُنہیں سسکا سسکا کر بڑی اذیتناک موت ماروں گا۔''

''تیری مرضی.....'' میں نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''رُک جاتے تو اچھا تھا.....'' اُس نے بڑی عاجزی کا اظہار کیا۔

''مجھے بھی کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔ موقع ملا تو پھر آؤں گا۔'' میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ اُس نے دوبارہ مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں گاڑی میں بیٹھ کر اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گیا۔ انکا میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی کسی سوچ میں مستغرق تھی۔ میں نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ابھی تک نارنگ کے خیال سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکی تھی۔ میرے دماغ میں بھی نارنگ ہی کلبلا رہا تھا۔ میں نے زیر زمین کام کرنے والے دشمنوں کے بارے میں زبان کھول کر کسی دُور اندیشی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ مجھے اپنی زبان بند رکھنی چاہئے تھی۔ جرائم کی غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے مگرمچھ آدم خور شیروں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ ٹانگ پکڑ لیں تو شیر بھی دلدل سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

وقتی طور پر نارنگ نے میری بڑائی تسلیم کر لی تھی۔ میں نے اُسے اوشا کماری کی زہریلی امریتا کے اغواء کی تفصیل سنوا کر اپنا غلام بنالیا تھا۔ میں دہلی میں اُس کی کوٹھی میں رہتا تو میرے پاؤں دھو دھو کر پینے سے بھی کبھی دریغ نہ کرتا۔ لیکن وہ میری دُوری برداشت نہیں کر سکتا تھا، بڑے پیمانے پر جرائم کرنے والے پیشہ ور افراد اپنے کسی راز کو کبھی دوسروں کے ہاتھ نہیں لگنے دیتے۔ ایک ذرا سے شبہ پر وہ اپنے سگے بھائی کو بھی زندہ درگور کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ میں نارنگ کا رشتہ دار نہیں تھا، میں نے اُسے آنے والے حالات سے بھی باخبر کر دیا تھا، یہ وارننگ بھی دی تھی کہ اگر اُس نے میرا کہا نہ مانا تو اس کے ستارے گردش میں آجائیں گے۔ اگر وہ صرف جرائم پیشہ ہوتا، کسی مافیا کا سربراہ بھی ہوتا تو میری بات پر عمل کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہ کرتا۔ لیکن وہ ایک ہی وقت میں دو کشتیوں پر پیر جمائے کھڑا تھا۔ راج منتری کی حیثیت میں اُس نے جو ساکھ بنالی تھی وہ اُس کے جرائم کی پردہ پوشی کرتی تھی۔ حکومت کا ایک اہم ستون ہونے کے ناتے اُسے بڑے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ اُس کے مخالفین بھی اُس کی سرد و گرم سننے اور برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ وہ اس عہدے کو چھوڑنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا، شیر کی کھال اُس کے جسم سے عارضی طور پر علیحدہ ہو جاتی تو نہ صرف اُس کے سیاسی دشمن اُس کی جان کے لاگو ہو جاتے بلکہ انڈر ورلڈ کے مخالفین بھی پہلی فرصت میں اُسے بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر دانت تیز کرنے لگتے۔ نارنگ کسی ایک کشتی سے بھی پاؤں ہٹانے کو تیار نہیں تھا۔ اسی لئے مجھے روکنے کی بار بار کوشش کر رہا تھا۔ وہ میری پراسرار ماورائی قوتوں کے ذریعے اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ میں اُس کے خواب چکنا چور کر کے واپس جا رہا تھا۔ اُس کا تلملانا قدرتی امر تھا۔

اسٹیشن کے راستے میں میرے اور انکا رانی کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم رہے۔ گاڑی اسٹیشن پر جا کر رُکی۔ میں نیچے اُترا تو ریلوے کے عملے کے ایک اعلیٰ آفیسر نے میرا استقبال کیا۔ شاید نارنگ نے فون کے ذریعے اُسے پابند کیا تھا۔ ہردوار جانے والی گاڑی دوسرے پلیٹ فارم پر تیار کھڑی تھی۔ مجھے ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں بٹھا دیا گیا جس میں دو مسافر پہلے سے موجود تھے۔

''کچھ جل پانی کرو گے مہاراج.....؟'' جس آفیسر کو میری دیکھ بھال کی ہدایت کی گئی تھی

نے بڑی انکساری سے پوچھا۔

''گاڑی چلنے میں کتنی دیر باقی ہے.....؟'' میں نے اُس کی بات نظر انداز کر دی۔ انکا کچھ سوچ کر میرے سر سے اُتر گئی۔

''بیس منٹ.....''

''تمہارا شبھ نام.....؟''

''سیوک کو راجہ رام کہتے ہیں.....'' اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''منتری جی کی بڑی کرپا جو انہوں نے آپ کی سیوا کے لئے میرا چناؤ کیا۔ وہ بتا رہے تھے کہ آپ مہان شکتی کے مالک ہیں۔ مٹی کو ہاتھ لگا دیں تو وہ بھی سونا بن جائے۔ کچھ اپنے اس سیوک کو بھی دان کر دو مہاراج.....''

میں نے سرسری نظر سے اُس کے دل میں جھانک کر دیکھا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ ایک عیاش صفت آدمی تھا۔ جس عہدے پر فائز تھا وہاں تک پہنچنے کی خاطر بھی اُس نے خوشامد اور خوبصورت لڑکیوں کی سفارش استعمال کی تھی۔ ایسا نہ کرتا تو ہیڈ کلرک کے عہدے سے آگے کبھی نہ بڑھ پاتا۔

''تمہارا ایک اشارہ ہو جائے گا، میرے بھاگیہ کے دوار کھل جائیں گے۔'' اُس نے دوبارہ منت کی۔

''میری ایک بات مانے گا.....؟'' میں نے سنجیدگی سے اُسے گھورا۔

''تم حکم دو مہاراج.....''

''صرف رام رام کرنا شروع کر دے۔ راجہ کا پھندنا اپنے نام سے نکال کر پھینک دے۔''

''میں..... میں سمجھا نہیں مہاراج.....'' وہ گڑبڑانے لگا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ میری بات کی تہہ تک پہنچ گیا ہے، جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کر رہا ہے۔

''گھر کی صاف ستھری سبزی، تازہ بھاجی پر گزارا کرنے کی عادت ڈال لے۔ بازار سے چٹ پٹے بھوجن پر منہ مارتا رہا تو پیٹ گڑبڑ ہو جائے گا۔'' میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''جا..... چھٹی کر۔ کوئی دفتر میں بیٹھی تیری راہ تک رہی ہے۔''

میں نے اُس کی پول کھول دی تو وہ سٹپٹانے لگا۔ خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔ میں نے

آنکھیں بند کر کے نشست سے ٹیک لگا لی۔ میرے ذہن میں نول کشور اور چندرا کا
کلبلانے لگا۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کا عمل شروع کیا۔ اندھیرے میری نگاہوں
سامنے سے چھٹنے لگے۔ مجھے کالی کا وہ عظیم الشان مندر نظر آنے لگا جہاں میرے دشمن
بیٹھے تھے۔ مندر بڑے وسیع وعریض رقبے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس کے گنبد پر سونے کے
جھلملا رہے تھے۔ پنڈت پجاری، دیوداسیاں اور پجارنیں جوق در جوق مندر میں داخل
رہے تھے۔ ایک میلے کا سماں نظر آ رہا تھا۔ میں نے مندر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔
ایک نظر چندرا کو دیکھنا چاہتا تھا جو عہد شباب میں پیری کی باتیں سوچ رہا تھا۔ میں اُسے
الزام نہیں ٹھہراتا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو شاید باپ کے انتقام کی آگ مجھے بھی جھلسا
میں بھی عقل و دانش سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ رگوں میں دوڑتا ہوا گاڑھا
جوان خون مجھے بھی سیاہ وسفید کے فرق سے بے نیاز کر دیتا۔ جو لوگ تیرنے کا تجربہ
رکھتے وہ بھی اپنے پیاروں کو بچانے کی خاطر آنکھ بند کر کے سمندر میں چھلانگ لگا
ہیں۔ حماقت کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب موت کے احساس سے دم گھٹنا شروع
ہے۔ چندرا کو بھی غالباً علم نہیں تھا کہ وہ گلہری ہو کر پہاڑ سے ٹکرانے کا فیصلہ کر بیٹھا
نول کشور نے اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا ہوگا، اُسے بتایا ہوگا کہ وہ اُس امرلال
واحد سیوک ہے جسے دوسرے تمام پنڈت پجاریوں کے مقابلے میں کالی کا آشیر
سے زیادہ حاصل تھا۔ گمراہی کے راستوں پر ڈالنے کی خاطر اُس کے معصوم کانوں میں
کے قطرے ٹپکائے ہوں گے۔ زہریلی باتیں کی ہوں گی، اُسے اُکسانے کے لئے
تجربوں کی دو دھاری تلوار استعمال کی ہوگی۔ اُس سے کہا ہوگا کہ جمیل احمد خان کو جان
مارنے کے بعد وہ امر ہو جائے گا۔ امرلال کی آتما کو بھی قرار آ جائے گا۔

چندرا کے علاوہ میں پنڈت نول کشور کے درشن بھی کرنا چاہتا تھا جو منڈل میں
بجا رہا تھا۔ ناعاقبت اندیش پنڈت پجاریوں کو دھرم کے نام پر موت کے اندھے کنوئیں
دھکیل رہا تھا۔ لیکن میری آرزو پوری نہ ہو سکی۔ میرے ذہن کی پرواز مندر کے صدر دروازے
پر ہی کسی نادیدہ دیوار سے ٹکرا کر تھم گئی۔ میں نے نندا کے ایک اور عمل کو آزمایا لیکن
حصار کو نہ توڑ سکا جو پنڈت نول کشور نے قائم کر رکھا تھا۔ میں نے تلملا کر آنکھیں کھول
کمپارٹمنٹ میں ایک برقع پوش خاتون کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ ایک علیحدہ برتھ

بیٹھی سمٹائی بیٹھی تھی۔ دونوں مرد مسافروں کی نظریں بار بار خاتون کی طرف اُٹھ رہی تھیں
برقعہ میں چہرہ چھپائے پلیٹ فارم کی دوسری جانب متوجہ تھی۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا
موجود نہیں تھی۔

گاڑی نے وقت مقررہ پر رینگنا شروع کر دیا۔ میں پھر چندرا اور نول کشور کے خیال
گم ہو گیا۔ نول کشور کو علم ہوگا کہ میں کئی بار جان ہتھیلی پر رکھ کر کالی کے مندروں میں داخل
ہو چکا تھا۔ اُس نے میرا راستہ روکنے کی خاطر بہت سوچ سمجھ کر ہی کوئی موثر قدم اُٹھایا ہوگا۔
کوئی منڈل کھینچا ہوگا جس کے اندر میری رسائی ممکن نہ ہو۔ اُسے دُرگا کی حمایت بھی ضرور
حاصل ہوگی جس نے کلدیپ اور پریتم لال پر بندشیں لگا دی تھیں۔ میں نے سیّد کی لاٹھی پر
گرفت مضبوط کر لی۔ مجھے یاد ہے، ایک بار کلدیپ نے بھی کہا تھا کہ میں اس لاٹھی کو
سنبھال کر رکھوں، کسی آڑے وقت میں یہ میرے بڑے کام آئے گی۔ پریتم لال بھی اس
لاٹھی کو دیکھ کر دیوانہ ہو گیا تھا۔ اُس نے بھی کہا تھا کہ اپنی زندگی بھر کی تمام پونجی اور لازوال
خوشیوں کے عوض بھی اگر وہ اس لاٹھی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو سودا مہنگا نہ
ہوتا۔ میں نے بڑی عقیدت سے لاٹھی کو بوسہ دے کر سینے سے لگا لیا۔

دو اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ انکا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ برقع پوش خاتون بدستور
کھڑکی سے چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ دونوں مسافر مردوں کی دلچسپی اُس میں بڑھتی جا رہی
تھی۔ ایک بار میرا دل چاہا کہ اُن کی تھوڑی سی گوشمالی کر دُوں۔ لیکن میں نے اپنا ارادہ
ترک کر دیا۔ ہر دوار پہنچنے سے پیشتر میں کسی معاملے میں اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن مقدر کے
لکھے کو مٹانا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی۔

گاڑی تیسرے یا شاید چوتھے اسٹیشن پر رُکی تو ڈبے کا دروازہ کھلا۔ ایک انسپکٹر چار
وردی والوں کے ساتھ دندناتا ہوا اندر گھس آیا۔ اُنہوں نے مجھ پر ریوالور اور رائفلیں تان
لیں۔ میں موقع کی نزاکت نہ محسوس کر سکا۔

"تمہارا نام جمیل احمد خاں ہے.....؟" انسپکٹر نے کڑک کر سوال کیا۔

"ہاں....." میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ہمارے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔" وہ گرج کر بولا۔ "تمہیں ہمارے
ساتھ چلنا ہوگا۔"

''میرا جرم کیا ہے.....؟'' میں نے انسپکٹر سے سوال کیا۔

''تمہارے اوپر دہلی کے ایک شریف خاندان کی لڑکی کو زبردستی اغواء کرنے کا الزام ہے۔'' انسپکٹر نے برقع پوش خاتون کی طرف ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی بھی تمہارے ساتھ ہی ہے.....''

میرے ذہن میں انکا کے جملے گونجنے لگے۔ دہلی سے روانگی کے وقت اُس نے نارنگ کی کوٹھی پر اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر مجھے ہردوار جانے سے روکنے کی کوشش کرے گا۔ انکا رانی کو نارنگ کے ارادے نیک نہیں نظر آ رہے تھے۔ میں اُس کی بات ٹال گیا تھا، مگر اب صورت حال واضح ہو گئی تھی۔ نارنگ نے مجھے دہلی سے خاصی دور نکل جانے کے بعد روکنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ عملی صورت میں میرے سامنے تھا۔ میں نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔ انسپکٹر کو ایک جھٹکا دینا ضروری تھا۔

''تم نے سنا نہیں..... میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں.....؟'' اُسے شاید میرے آنکھ بند کر لینے کی ادا پسند نہیں آئی تھی۔

''کیا تم مجھے میرا وارنٹ گرفتاری دکھا سکتے ہو.....؟'' میں نے آنکھ کھول کر سلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

انسپکٹر نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ دو مسافروں کی موجودگی میں وہ قدرے خفیف نظر آ رہا تھا۔ میری بات سن کر اُس نے بڑے اعتماد سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میں اُس کی خود اعتمادی پر مسکرا دیا۔ اُس نے یکے بعد دیگرے تمام جیبیں کھنگال ڈالیں لیکن دو چار نوٹوں کے سوا کچھ اور برآمد نہیں ہوا۔ اُس کی حیرت قابل دید تھی۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے.....'' میں نے بڑے سکون سے کہا۔ ''میں لڑکیاں اغوا کرنے کا کام نہیں کرتا.....''

''یہ..... یہ لڑکی کون ہے؟'' اُس نے جھلا کر برقع پوش خاتون کی سمت اشارہ کیا۔

''تم یہ سوال براہِ راست خاتون سے بھی کر سکتے ہو۔'' میرے لہجے میں رُوکھائی آ گئی۔

انسپکٹر، خاتون کی سمت بڑھنا چاہتا تھا، وہ خود اُٹھ کر قریب آ گئی۔

''میں تمہیں کوئی اغواء شدہ لڑکی نظر آتی ہوں.....؟'' خاتون نے برقع کا نقاب چہرے سے ہٹایا تو دونوں مسافر بھی کسمسانے لگے۔ انسپکٹر کے منہ کا مزہ بھی کرکرا ہو گیا۔ میں نے

مسکرا دیا۔

نقاب پوش خاتون ایک ادھیڑ عمر کی عورت ثابت ہوئی جس کے چہرے پر چیچک کے بدنما داغ نظر آ رہے تھے۔

''آئی ایم سوری میڈم، لیکن.....'' انسپکٹر اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ جو کچھ ہوا وہ شاید اُس کی توقع کے برعکس تھا۔ عورت بل کھاتی اپنی نشست پر واپس چلی گئی۔ انسپکٹر ایک لمحے خاموش رہا پھر جھلا کر بولا۔ ''کچھ بھی ہو، تمہیں ایس پی کے آفس تک بہرحال میرے ساتھ چلنا ہو گا۔''

''اپنا وقت برباد مت کرو انسپکٹر.....'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''بغیر وارنٹ کے تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھ سفر کرنے والے دو مسافر بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ تم بلاوجہ مجھے تنگ کر رہے ہو..... بات بڑھانے کی کوشش نہ کرو تو تمہارے حق میں زیادہ مناسب ہو گا۔ جن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے اُن سے جا کر کہہ دینا کہ اپنی کھال ہی بچا رہیں..... مجھے دوبارہ چھیڑنے کی کوشش کی تو بڑے گھاٹے میں رہیں گے..... سمجھ رہے ہو، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

گارڈ کی تیسری سیٹی کی آواز سنائی دی، انسپکٹر کے تیور یکلخت بدل گئے۔ وہ سپاہیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا ڈبے سے باہر نکل گیا۔ انکا رانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی نگاہوں میں شعلے دہک رہے تھے۔

''دیکھ لیا جمیل.....؟ میں نے نارنگ کے بارے میں جو کہا وہ غلط نہیں تھا۔'' اُس نے مجھے پوری تفصیل سناتے ہوئے کہا۔ ''یہ انسپکٹر اُسی کے اشارے پر آیا تھا.....''

''بغیر وارنٹ کے.....'' میں نے جواب دیا۔

''میں تمہاری قوتوں سے ناواقف نہیں ہوں۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''وہی وارنٹ اُس کی جیب سے دوبارہ برآمد ہو گا تو وہ اپنا سر پیٹ لے گا۔ یہ بھی مت بھولو کہ اگر تم نے پولیس کی خریدی ہوئی حسینہ کو روک کر اُس کی جگہ اس نقشین چہرے والی برقع پوش خاتون کو گاڑی میں نہ چڑھایا ہوتا تو اُس کے بیان پر تم بغیر وارنٹ کے بھی دھر لئے جاتے۔''

''احسان جتا رہی ہو.....؟'' میں نے انکا رانی کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''نہیں..... تم سے دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر کہا، پھر نقاب پوش

خاتون کے سر پر واپس چلی گئی جو اگلے اسٹیشن پر بڑی خاموشی سے اُتر گئی تھی۔ انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

سفر جوں جوں کٹتا رہا، میرے خدشات کم ہوتے گئے۔ میرا خیال تھا جب نارنگ کے آدمیوں نے اُسے میرے بارے میں اپنی ناکامی کی داستان سنائی ہوگی تو وہ پاگل ہو گیا ہو گا۔ اُس کا شمار ان شریف لوگوں میں نہیں کیا جا سکتا تھا جو اپنی شکست مردانگی سے قبول کر لیتے ہیں۔ اپنے منصوبے کی ناکامی کی اطلاع سن کر وہ نئے طریقے بھی اختیار کر سکتا تھا۔ اُس کی پیشانی پر اُبھرنے والی سلوٹیں بھی حکومت وقت کے لئے بڑے معنی رکھتی تھیں۔ اُس کی ٹولی بڑی مضبوط تھی۔ کوئی اُس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ امریتا کے سلسلے میں، میں نے اُس کی مدد کی تھی۔ اس میں نارنگ کی مرضی یا اس کی خواہش کا دخل نہیں تھا۔ حالات خود مجھے اُس کے راستے میں لے گئے تھے۔ میں اس ڈبے میں سفر نہ کر رہا ہوتا جس میں امریتا کو اغواء کیا جا رہا تھا تو شاید نارنگ کا نام بھی میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہ آنے پاتا۔ حالات کی ستم ظریفی مجھے درمیان میں کھینچ لائی تھی۔ دہلی کے پولیس کے محکمے کے تمام بڑے افسران کو اس بات کا علم بھی ہو گیا تھا کہ میں نے نارنگ کی کوٹھی میں قیام کیا تھا۔ نارنگ میرے اُوپر کوئی بھی الزام لگا دیتا، صرف اس بات کا سرسری طور پر ذکر کر دیتا کہ امریتا کے اغواء میں اصل مجرموں کے ساتھ میری ملی بھگت کے امکانات کو خارج نہیں قرار دیا جا سکتا، رائی کا پہاڑ بن جاتا۔ دہلی پولیس کا عملہ مجھ پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑتا۔ مجھے بھاگے راستہ نہ ملتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اپنی ناکامی کی خبر سن کر نارنگ نے یہ بھی ضرور سوچا ہو گا کہ شہد کی مکھیوں کے چھتے میں پتھر مارنا خود اُس کے لئے بھی مصیبت پیدا کر سکتا ہے۔ وہ میری قوت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ امریتا کے سلسلے میں وہ پہلے ہی انڈر ورلڈ کے جرائم پیشہ افراد سے اُلجھا ہوا تھا۔ مزید اُلجھاوے پیدا کرنا اُس کے حق میں مناسب نہ ہوتا۔ یہی سوچ کر اُس نے خاموشی اختیار کر لی ہو گی، صبر کر لیا ہو گا۔ انکا نے بھی میری تشویش محسوس کر کے یہی کہا تھا۔

''تم وسوسوں کو دل و دماغ سے نکال دو جمیل، نارنگ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو گا۔ وہ دوبارہ تمہارے راستے میں دیوار کھڑی کرنے کی غلطی نہیں کرے گا۔''

''تم نے کہا تھا کہ وہ مجھے ہردوار جانے سے ہر قیمت پر روکنے کی کوشش کرے گا.....''

''ہاں۔ لیکن ہردوار کا نام درمیان میں آ جانے سے تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہارے ذہنوں سے مل گیا ہے؟'' انکا رانی نے مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وہم کو ذہن سے نکال دو۔ نارنگ، پنڈت پجاریوں کو اپنی ضرورتوں کے تحت مشین کے پرزوں کی طرح ضرور استعمال کرنے کا عادی ہے۔ لیکن دھرم کرم سے اُس کا دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا اُس وقت تک جب تک زیر زمین کام کرنے والوں سے اُسے مکمل طور پر چھٹکارا نہ مل جاتا.....''

انکا کی باتوں میں وزن تھا لیکن جب تک میں ہردوار نہیں پہنچ گیا، میری بے چینی برقرار رہی۔ اپنی منزل پر قدم رکھنے کے بعد ہی مجھے ذہنی سکون ملا۔ پنڈت نول کشور اب تک کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا دُور دُور سے چنگاریاں چھوڑ رہا تھا، شعلے بھڑکا رہا تھا، سر پھرے پنڈت پجاریوں کو ایندھن کی طرح استعمال کر رہا تھا۔ اب اُسے براہِ راست مقابلے پر آنا پڑے گا۔ جنگ دوسرے کے علاقے میں لڑی جائے تو دھماکوں کی آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ اپنی زمین پر ایک پٹاخے کی آواز بھی دُور دُور تک سنائی دیتی ہے۔ میں بڑی دیر تک پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا کے رُخ کا اندازہ لگاتا رہا۔ انکا بھی پوری طرح محتاط نظر آنے لگی۔ اُس کی پتلیاں بڑی مستعدی سے اپنے حلقوں میں گردش کر رہی تھیں۔ اُس کے لئے فاصلوں کی کوئی قید نہیں تھی۔ اُس کی دُور بین نظریں سمندر کی تہوں تک بھی پہنچ سکتی تھیں۔ وہ بھی قرب و جوار میں نظریں دوڑا کر حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

ہردوار، دریائے گنگا کے ساحل پر واقع صوبہ یو پی کا ایک مشہور شہر ہے۔ ہندو اسے اپنے لئے بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔ وہاں کی سرزمین پر ماتھا ٹیکنا بھی ان کے لئے کسی سعادت سے کم نہیں۔ اس شہر میں ہر بارہ سال بعد شیوا جی کی یاد میں کمبھ کا میلہ منعقد کیا جاتا ہے۔ پورا ہندوستان سمٹ کر اس شہر میں سما جاتا ہے۔ ہندوستان سے باہر رہنے والے پنڈت پجاری بھی اس میلے میں دنیا کے دُور دراز علاقوں سے چل کر آتے ہیں۔ پنڈت پجاری اور پجارنیں سب ایک ساتھ گنگا میں اشنان کرتے ہیں۔ بڑا دُھوم دھڑکا ہوتا ہے۔ دن رات مندر کی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔ سنکھ کی آوازیں دلوں کو گرماتی ہیں۔ ہردوار کو ہری کا دروازہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے نقشے میں اسے ''ہری دوار'' کے نام سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ دو یا تین لاکھ بھی ہوتی تو میری ذات پر اس کا

کیا اثر پڑتا؟ مجھے تو صرف دو افراد سے غرض تھی، پنڈت نول کشور جس نے میری پُرسکون زندگی کی سطح پر کنکر اُچھال کر اضطراب کی لہریں پیدا کر دی تھیں۔ پریتم لال نے بھی مجھے صرف دو ہی نام بتائے تھے۔ دوسرا نام میری کلدیپ کے قاتل امر لال کے اکلوتے بیٹے چندرا کا تھا۔ دونوں کالی کے اس عظیم الشان مندر میں چھپے بیٹھے تھے جس پر مہاجنوں اور سیٹھ ساہوکاروں نے بے دریغ سرمایہ خرچ کیا تھا۔ وہ قلعہ بند تھے، خود کو محفوظ سمجھ رہے تھے۔ لیکن میں اب اُن کا سکون برباد کرنے کی خاطر اُن کے سروں پر پہنچ گیا تھا۔ اب وہ زیادہ دنوں چین کی بنسری نہیں بجا سکتے تھے۔

میرے ذہن میں چندرا اور پنڈت نول کشور کا تصور مچل رہا تھا۔ میں تصور میں نول کشور کو اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی رقت سے گڑگڑا رہا تھا۔ اُس کا لہولہان چہرہ دیکھ کر مجھے اُس پر ترس نہیں آیا۔ وہ بڑا موذی درندہ تھا۔ درندوں کو آزاد نہیں رکھا جاتا، لوہے کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ کر قابو کیا جاتا ہے۔ انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ پھر درندگی کا مظاہرہ شروع کر دیتے ہیں۔ بہتر ہے اُنہیں موت کی نیند سلا دیا جائے۔

میری بے رحم نظریں نول کشور کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر اُس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ وہ مجھ سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ حرامزادہ مگرمچھ کے آنسو بہا کر مجھے رام کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اگر اُسے علم ہو جاتا کہ اُس کے آنسو کے قطرے میرے سینے میں دہکتی آگ پر پٹرول کا کام سرانجام دے رہے ہیں تو شاید اس کے آنسو تھم جاتے۔ وہ میرے پیروں پر سر رکھ دیتا۔

نول کشور کے برابر امر لال کا وہ نوجوان بیٹا بھی دم بخود کھڑا مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا جس نے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی خاطر وندھیاچل کی برفانی گپھاؤں میں جاپ منتر کئے تھے۔ مجھے اُس کی جوانی پر ترس بھی آ رہا تھا۔ اس ولد الحرام نے بھی مجھے نیچا دکھانے کی خاطر اپنے سارے جنتر منتر آزما ڈالے تھے۔ میرے قدم ذرا رپٹ جاتے، میں لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا ہوتا تو وہ اور نول کشور دونوں جنگلی سوروں کی طرح میرے اُوپر چڑھ دوڑتے۔ میری زندگی کا چراغ گل کرنے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ میرے مرجانے کے بعد بھی شاید وہ میرے مُردہ جسم کو بھنبھوڑتے رہتے، روندتے رہتے۔ پھر سنکھ پھونکے جاتے، کالی کو میری موت کا مژدہ سنانے کی خاطر حسین پجارنیں مٹک مٹک کر

نیچے نیچا کر گھنٹیاں بجانی شروع کر دیتیں۔ مدھ اور بھنگ کے پیالے گردش میں آتے، پنڈت پجاری مدہوش ہو کر میری موت کا جشن منانے کی خاطر حسین پجارنوں اور معصوم دیوداسیوں کو مالِ غنیمت سمجھ کر اپنی اپنی آغوش میں گھسیٹ لیتے۔ وہ کولہے مٹکا کر گھنٹیاں بجانا بھول جاتیں، ہٹے کٹے پجاریوں کے بازوؤں میں بے بس ہو کر پھڑ پھڑانا شروع کر دیتیں۔ کالی کا بت خاموش کھڑا تماشے دیکھتا رہتا۔

میں اپنے خوابوں میں گم تھا جب کسی کی آواز نے میرے حسین خیالوں کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ میں نے نظریں گھما کر دیکھا، وہ ایک سیدھا سادھا نوجوان نظر آ رہا تھا۔ ٹھوس اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک۔

''کہاں گم ہو مہاراج.....؟'' وہ میری طرف متجسس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''ہری دوار میں شاید پہلی بار آنا ہوا ہے۔ کہاں جانے کا وچار ہے.....؟''

''تم کون ہو.....؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ انکا رانی کی نظریں بھی نوجوان پر مرکوز ہو گئیں۔

''اپنا سیوک ہی سمجھ لو۔'' اُس نے بدستور انکساری سے کام لیا۔ پھر میرے سیدھے سادھے لباس کو دیکھ کر دبی زبان میں پوچھا۔ ''تمہارا شبھ نام.....؟''

''جمیل، اس پر اپنا نام ظاہر نہ کرنا.....'' انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''یہ ایک سرائے نما ہوٹل کا نمائندہ ہے۔ تمہیں مسافر سمجھ کر اپنے ٹھکانے پر لے جانا چاہتا ہے۔''

''نام نہ ظاہر کرنے میں کیا مصلحت ہے.....؟'' میں نے جان بوجھ کر سوال کیا۔

''تمہارا بھیجا ہوا پیغام شیوا کے ذریعے پنڈت نول کشور تک پہنچ چکا ہوگا۔'' انکا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اُس کے آدمی ہردوار کے تمام راستوں میں پھیل چکے ہوں گے۔ تمہاری خوشبو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ میں تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ دُوں گی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں جانِ من.....'' میں نے لہرا کر جواب دیا۔ ''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ دشمنوں کو میرے آنے کی اطلاع مل جائے۔ ایسا نہ چاہتا تو شیوا کو زندہ چھوڑ کر تمہاری ناراضگی کبھی نہ مول لیتا۔ وہ میرا بہت سکون برباد کر چکے۔ اب میری باری ہے، انہیں میرے آنے کی خبر ملے گی تو اُن کے اندر بھی ہلچل مچے گی۔ اتھل پتھل شروع ہو جائے گی۔ سمجھ رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا پیش کردہ جواز معقول تھا۔ وہ میری طرف سے توجہ ہٹا کر پھر نوجوان کو گھورنے لگی۔

''تم نے کوئی جواب نہیں دیا مہاراج.....'' نوجوان اصل مقصد کی طرف آ گیا۔ ''اگر ہری دوار میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو سیوک کے ساتھ چلو۔ ہمارے مسافر خانے میں تمہیں گھر جیسا آرام ملے گا۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''یہاں کا سب سے بڑا ہوٹل کون سا ہے.....؟'' میں نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

''آنند بھون.....'' نوجوان نے برا سا منہ بنایا۔ ''آج کل رش نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے تمہیں خالی کمرہ مل جائے۔ لیکن.....'' وہ خاموش ہو کر میرے حلیے کا جائزہ لینے لگا۔

''چپ کیوں ہو گئے بالک.....'' میں نے اُس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر پوچھا۔ ''کیا آنند بھون میں مسافروں کی جیب کی بجائے اُن کے تن کے کپڑوں کا زیادہ دھیان رکھا جاتا ہے.....؟''

''تم خود سمجھداری کی بات کر رہے ہو تو پھر میں کیا بتاؤں؟'' اُس نے زہر اُگلنے کی چال چلی۔ ''وہاں سیدھے سادھے یاتریوں کی کھال اُدھیڑ لی جاتی ہے۔ بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار ہی اُدھر کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں کھل کر بتا دیا، آگے تمہاری مرضی۔''

''تم یہیں ٹھہرو جمیل..... میں ابھی آتی ہوں۔'' انکا رانی مجھے رُکنے کا اشارہ کر کے سر سے اُتر گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کہاں گئی ہوگی۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ میں نوجوان سے باتوں میں مصروف تھا کہ ایک بانکا سجیلا جوان میرے سامنے آ کر رُکا۔ سرائے نما ہوٹل کا جوان اُسے دیکھ کر خاموشی سے سرک گیا۔ میں نے آنے والے پر نظر ڈالی۔

''میرے ساتھ آؤ مہاراج.....'' اُس نے بڑے مہذب لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ''باہر گاڑی بھی موجود ہے۔''

''تم.....؟''

''آنند بھون کا مینجر ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا۔ ''مجھے دیر سے خبر ملی ورنہ تمہیں اتنی دیر بھی انتظار نہ کرنا پڑتا۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ انکارانی کے زیر اثر تھا۔ میں باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ آنند بھون شہر سے کچھ فاصلے پر تھا، لیکن اسے دیکھ کر دہلی کا اشوکا یاد آ گیا۔ میری نگاہیں تمام راستہ بھٹکتی

رہیں۔ میں کالی کے مندر کی تلاش میں تھا جو میرے بدترین دشمنوں کی پناہ گاہ تھی۔ مگر وہ مجھے نظر نہیں آیا۔ راستے میں جگہ جگہ پنڈت پجاری چلتے پھرتے نظر آئے۔ دو چار چھوٹے موٹے مندر بھی دکھائی دیئے۔ میں نے راستے میں مینجر سے بات نہیں کی، اپنے خیالوں میں مستغرق رہا۔

گاڑی آنند بھون کے خوبصورت پارکنگ لاٹ میں جا کر رُکی۔ ہوٹل کی چار منزلہ عمارت کا حسن اور رکھ رکھاؤ قابل دید تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ مینجر نے مجھے ہوٹل کے صدر دروازے پر اُتارنے کی بجائے پارکنگ لاٹ کا رُخ کیوں اختیار کیا؟ میں نے فوری طور پر کوئی باز پرس مناسب نہیں سمجھی۔ انجن بند کر کے اُس نے تیزی سے نیچے اُتر کر میرے لئے دروازہ کھولا۔ میں باہر آیا تو کہنے لگا۔

''ایک راستہ پارکنگ لاٹ سے بھی آنند بھون کے اندر جاتا ہے، اسے کیول ہمارے خاص گاہک استعمال کر سکتے ہیں۔ عام مسافروں کو یہ راستہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم اپنے مہربانوں کی سیوا کا خاص دھیان رکھتے ہیں۔ تم تو دھرماتما ہو مہاراج، تمہارے چرنوں کی برکت سے آنند بھون کا کاروبار بھی چمک اُٹھے گا.....''

مینجر باتونی آدمی تھا۔ میں خاموشی سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔ عقبی راستے کو اس طرز پر بنایا گیا تھا کہ کسی سرنگ سے گزرنے کا احساس ہوتا تھا۔ باہر سبزہ ہی سبزہ تھا، اندرونی راستوں پر بھی پیتل کے جھلملاتے مخصوص گملوں میں خوشنما پودے موجود تھے۔ روشنی کا اہتمام بھی اس طرح کیا گیا تھا کہ وہ چھت کے گوشوں سے پھوٹتی نظر آتی تھی۔ مجھے پہلی منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں آرام اور آسائش کا ساز و سامان بھی دہلی کے اشوکا سے کم نہیں تھا۔ مجھے کسی لکھا پڑھی کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ راہداری میں مجھے ہوٹل کے عملے کے افراد بھی نظر آئے۔ اُن میں حسین و جمیل لڑکیاں بھی شامل تھیں جن کے ماتھوں پر سرخ رنگ کی بندیاں موجود تھیں۔ ان بندیوں کے اندر آنند بھون کا نام سنہری حروف سے لکھا گیا تھا جو دُور سے جگمگاتا نظر آتا تھا۔ یہ گویا اُن کی شناخت تھی۔

''کچھ دیر ستا لو مہاراج۔'' مینجر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''دُور سے آئے ہو، تھک گئے ہوگے۔ کوئی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا کر کسی بھی سیوک کو بلا لینا۔ میں بھی آتا رہوں گا۔'' اُس نے بستر کے ساتھ ہی ایک طرف لگے ہوئے سوئچ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑی

انکساری سے کہا۔ ''آنند بھون کے سیوکوں کو تمہاری سیوا کر کے جو آنند ملے گا، وہی تمہارا انعام ہوگا۔''

''تمہارا نام.....؟'' میں نے بستر پر کمر سیدھی کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''سیوک کو بھنڈاری کہتے ہیں.....'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''کالی کا بڑا مندر یہاں سے کتنی دُور ہے.....؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج.....؟'' وہ میرے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ ''تمہارے لئے دُور کیا اور نزدیک کیا۔ تم پلکوں کو ایک اشارہ کر دینا، آنند بھون کی گاڑیاں کس دن کام آئیں گی؟ سب کچھ اپنا ہی سمجھو۔''

''ایک بات اور دھیان سے سن لے بالک.....'' میں نے ذرا تیز لہجہ اختیار کیا۔ ''ہمارے سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ کسی سے کچھ نہ کہنا۔ ہم سنیاسی لوگ ہیں، دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ نمائش تم جیسے بالکوں کو شوبھا دیتی ہے۔ کالی کے مندر میں ہمارا ایک کام نہ اٹک جاتا تو ہم ادھر کبھی نہ آتے۔ کام پورا ہوتے ہی ہم کہیں اور سدھار جائیں گے۔ پنڈت پجاریوں کو ہمارے بارے میں بھنک مل گئی تو آنند بھون میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں ہوگی۔ ہم کس کس کی درشن پیاس بجھائیں گے؟ سن رہا ہے میری بات.....؟''

''تم چنتا مت کرو مہاراج، مجھے بھی اپنا بھگت ہی سمجھو.....''

''بھگت ہی رہنا..... بگلا بھگت بننے کی کوشش نہ کرنا۔'' میں نے اُسے تنبیہی نظروں سے گھورا۔

''تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی مہاراج.....'' وہ سہم کر بولا۔ میں نے آنکھیں موند لیں۔ اُس کے قدموں کی آواز اُبھر کر دُور ہوتی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد انکا کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔

''تم نے تو بھنڈاری کی جان ہی نکال دی۔ بگلا بھگت والی بات سن کر اُس کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔''

''بھنڈاری کو جہنم میں جھونکو انکارانی.....'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں ہردوار میں تفریح کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے دشمن میری گھات

لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے اُوپر کوئی جال پھینکیں، میں پیش قدمی کر کے خون سے ہولی کھیلنا زیادہ پسند کروں گا۔ منزل پر پہنچ کر سستانا میرے اصول کے خلاف ہے۔ اب فیصلے جتنی جلدی ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔ مجھے زندگی کی آرزو کبھی نہیں ہوئی۔ موت کی پرواہ بھی نہیں ہوگی۔''

''ایسی باتیں مت کرو جمیل.....'' وہ کسمسا کر بولی۔ ''میں ہوں نا تمہارے ساتھ.....''

''اب کسی کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' میں نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''تم نے برسوں پہلے میری زندگی میں جو بیج بویا تھا اب اس کی فصل کاٹنے کا وقت سر پر آ پہنچا ہے۔''

''جمیل.....'' انکا نے احتجاج کرنا چاہا، میں نے اُسے موقع نہیں دیا۔

''میں تم سے کوئی شکوہ، کوئی گلہ، کوئی شکایت نہیں کر رہا۔'' میں نے واضح الفاظ میں بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اب ان باتوں کا وقت بھی نہیں ہے۔ بیچ منجدھار میں پھنس جانے کے بعد صرف حسرت بھری نظروں سے ساحل کی طرف دیکھنے سے کام نہیں چلتا۔ مجھے کنارے کی تلاش بھی نہیں ہے۔ لیکن ڈوبنے سے پیشتر میں ان کو بھی غرق کر دینے کا آرزومند ہوں جو بار بار مجھے اُلجھا دیتے ہیں۔ کس کی جیت ہوگی؟ کون گھٹنے ٹیک دے گا؟ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

''تم کچھ دیر آرام کر لو..... میں حالات کی سن گن لگا کر آتی ہوں۔'' انکا نے اپنائیت کا اظہار کیا۔

''جانے سے پہلے ایک بات اور سن لو، میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔'' میں نے کہا۔ ''پریتم لال کو دیوتاؤں نے آسمانوں پر بلا لیا ہے، یہ خبر تم نے ہی سنائی تھی۔ کلدیپ کا ساتھ بھی ختم ہو گیا۔ ایک ہمدرد گرو پرتاپ کی شکل میں سامنے آیا تھا، اُسے دُرگا کا عتاب چاٹ گیا۔ میرا تمہارا ساتھ بڑا پرانا ہے انکارانی۔'' میں نے توقف سے بات جاری رکھی۔ ''ہم ایک دوسرے کی مجبوریوں کو سمجھتے ہیں۔ ہمیں ایک دوسروں کی قوتوں کا بھی اندازہ ہے..... ہوسکتا ہے میرا خیال غلط ہو، مگر فی الحال میں یہی سمجھ سکا ہوں کہ دُرگا میرے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی ہے۔ وہ مجھے تنہا کرنا چاہتی ہے، اپنے بھگتوں کے مقابلے میں اُسے میری فتح منظور نہیں ہوگی..... ہونی بھی نہیں چاہئے۔ اس کا اختیار تم پر چلتا تو شاید

پریتم لال کے بعد وہ تمہیں بھی نوچ کر میرے وجود سے علیحدہ کر دیتی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید.....''

''اس سے آگے اور کچھ نہ کہنا جمیل.....'' انکا تڑپ کر بولی۔ ''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ حالات کیا صورت اختیار کریں گے؟ میں جانتی ہوں۔ لیکن زبان نہیں کھول سکتی..... میں نے تم سے پہلے بھی یہی کہا تھا کہ کچھ مجبوریاں لاحق ہیں..... ایک بات اور بھی کہی تھی، اپنے ذہن کو کرید کرید کر دیکھو، یاد کرو..... میں نے کہا تھا کہ میں خود سے تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی..... ہاں، تم دھتکار دو تو اور بات ہے۔''

انکا کے لہجے میں خلوص تھا، اعتماد تھا۔ وہ ڈیڑھ بالشت کی فتنہ دُرگا کے مقابلے پر میرا ساتھ نبھانے کا یقین دلا رہی تھی۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اُس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا۔ اُس کے ہونٹ چوم لیتا، دل کے کسی محفوظ گوشے میں ہمیشہ کے لئے چھپا لیتا۔ اُس کی بلائیں لیتا..... میری آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے۔ میں نے الفاظ کو اظہارِ تشکر کا ذریعہ بنانے کی ٹھانی۔ اُس نے موقع نہیں دیا، پھڑک کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے دوبارہ آنکھیں موند لیں.....!

شام کو بھنڈاری نہ جگاتا تو میں سوتا ہی رہتا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا رانی وہاں موجود نہیں تھی۔ اُسے گئے بہت وقت گزر چکا تھا۔ ہر دوار اتنا بڑا شہر نہیں تھا کہ انکا رانی کی واپسی میں اتنی دیر ہوتی۔ اُس کے لئے فاصلوں کی کوئی قید بھی نہیں تھی۔ وہ بجلی کی رفتار سے تیز کام کرنے والی حیرت انگیز قوتوں کی مالک تھی۔ کالی کے مندر میں میری ذہنی پرواز بھی منڈل کے نادیدہ آہنی جال سے ٹکرا کر واپس آ گئی تھی۔ ممکن ہے انکا کو بھی اندر داخل ہونے میں دُشواری پیش آ رہی ہو۔ مندر میں داخل ہوئے بغیر وہ نول کشور اور چندرا کے بارے میں نہیں جان سکتی تھی۔ ابھی تک اسی تگ و دو میں لگی ہو گی، ممکن ہے وہ درمیان میں کسی وقت آئی ہو، مجھے محوِ خواب دیکھ کر واپس چلی گئی ہو، اُس نے مجھے جگانا مناسب نہ سمجھا ہو۔ مندر میں داخل ہونے کے لئے اُس کے پاس اور بھی کئی طریقے تھے۔ وہ کسی پنڈت یا پجاری کے سر پر پنجے گاڑ کر بیٹھ جاتی، سارے منڈل دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ وہ کسی طور پر کسی پجارن کا ذہن پلٹ کر اُسے اندر کے حال احوال بتانے پر مجبور کر سکتی تھی۔

''تم اُٹھ کر اشنان کر لو مہاراج، تھکے ہو گے، میں تمہارے لئے جل پانی کا بندوبست

کرتا ہوں۔'' بھنڈاری اپنی بات مکمل کر کے واپس چلا گیا۔ میں نے اُٹھ کر غسل خانے کا رخ کیا۔ نیم گرم پانی سے غسل کرنے سے ذہن قدرے ہلکا ہو گیا۔ میں تیار ہو کر باہر نکلا تو بھنڈاری کی ایک ہوسٹس اپنے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیرے میری منتظر تھی۔ ٹرالی میں پھل، دودھ اور دوسرے لوازمات رکھے نظر آ رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس خوبصورت اور جوان حسینہ سے دل بہلانے کی باتیں ضرور کرتا۔ لیکن میں نے اُسے صرف ایک نظر بھر کر دیکھا، پھر اشارے سے باہر بھیج دیا۔ اُس کو میرا خشک رویہ پسند نہیں آیا، تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ بھنڈاری نے اُسے میرے کمرے میں بھیجنے سے پیشتر محتاط رہنے کی تاکید ضرور کی ہو گی۔

پیٹ کو ایندھن نہ ملے تو دل و دماغ پر بے کیفی مسلط رہتی ہے۔ میت میں شرکت کرنے والوں کے لئے بھی کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ عجیب رسم و رواج ہیں اس دنیا کے۔ ایک باپ اپنے جوان بیٹے کے غم میں نڈھال ہوتا ہے، اُس کے بڑھاپے کا سہارا چھن جاتا ہے، کمر ٹوٹ جاتی ہے، عزیز و اقارب، دوست احباب میت کے نہلانے دُھلانے اور دفنانے تک اُس کی غمگساری میں لگے رہتے ہیں۔ اُس نڈھال شخص کو خود اپنا ہوش نہیں ہوتا، کل کی فکر ستا رہی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی لازم ہے کہ غمگساری کے لئے آنے والوں کی خاطر مدارات کرے، کھانے پینے کا اہتمام کرے۔ نہ کرے تو لوگ باتیں بنانی شروع کر دیتے ہیں۔ ساری رواداری بھول کر تنقید کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ میرے تو ایک دو نہیں، کئی اپنے ایک ایک کر کے بچھڑ چکے تھے۔ میں کسی اور کا نہیں، خود اپنا پیٹ بھر رہا تھا۔ انسان کا جی نہ چاہے تب بھی اُسے کچھ نہ کچھ زہر مار کرنا پڑتا ہے۔ خوراک انسان کے جسم کے لئے ایک ضرورت ہے، اس کے بغیر کام نہیں بنتا۔ مشین کو تیل نہ ملے تو وہ بھی چلتے چلتے جام ہو جاتی ہے۔ خوراک بڑی ظالم شے ہے۔ پیٹ کے لئے خوراک ضروری ہے اور خوراک حاصل کرنے کی خاطر پیسے درکار ہوتے ہیں۔ انسان کے پاس خوراک خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوں تو وہ چوری کرنے، ڈاکہ مارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کچھ نہ بن پڑے تو خودکشی کر لیتا ہے۔ جانوروں میں بھی خوراک ہی کا مسئلہ درندگی تک طول پکڑ لیتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو پھاڑ کھاتے ہیں، انسان اور جانوروں میں صرف خوراک ہی ایک قدر مشترک ہے جو دونوں کے جرم اور درندگی پر اُکساتی ہے۔ یہی خوراک انہیں آپس میں بھی ایک دوسرے کا دشمن بنا

دیتی ہے۔ سلسلہ یوں ہی جڑ پکڑتا ہے۔ پھر بات بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پیٹ بھرنے کے پہلے انسان کو صرف جسم کی غذا کی ضرورت ستاتی ہے۔ پیٹ بھر جائے تو ہری ہری سوجھنے لگتی ہے۔ دانہ گندم کی خواہش انسان کو دربدر بھی کر دیتی ہے۔ ہماری انسانیت کی طویل تاریخ کی ابتداء بھی دانہ گندم ہی سے ہوئی تھی، پھر فسانے میں جوڑ لگتے گئے۔

میں بھی پیٹ میں ایندھن بھر رہا تھا۔ میرے ذہن میں انکا رانی کی غیر موجودگی کا احساس کروٹیں بدل رہا تھا۔ میں جس منزل پر پہنچ چکا تھا وہاں قدم قدم پر خطرات موجود تھے۔ ایک ذرا سی لغزش سارا کھیل چوپٹ کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ وقت تیزی سے گزر رہا۔ ہوسٹس کچھ دیر بعد دوبارہ دروازے پر دستک دے کر اندر آئی۔ کمرہ اُس کے حسن کی چمک دمک سے روشن ہوگیا۔ اُس کے جسم کی خوشبو نے پورے ماحول کو معطر کر دیا۔ میں نے پھر اُسے نظر انداز کر دیا۔ وہ خاموشی سے ٹرالی گھسیٹتی، لہراتی، بل کھاتی واپس لوٹ گئی۔ میں نے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ انکا کے بارے میں میری تشویش بڑھتی جارہی تھی..... وہ میرے سر پر واپس آ گئی تو میں نے عالم تصور میں اُسے دیکھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ اُس کے پاس میرے لئے اچھی بری کئی خبریں سنانے کو موجود تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں متضاد کیفیتیں نظر آ رہی تھیں۔

''جو کچھ جمع کر کے لائی ہو میرے سامنے ڈھیر کر دو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جو چیزیں میرے کام کی ہوں گی، میں ایک طرف کر لوں گا۔ باقی کو نظر انداز کر دُوں گا۔ اختصار سے کام نہ لینا۔ میں تفصیل سننا پسند کروں گا۔''

''جمیل.....'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کالی کے مندر کے چاروں طرف بڑا مضبوط منڈل کھینچا گیا ہے۔''

''کیا تم نے اندر جانے کی کوشش کی تھی.....؟'' مجھے اُس کی مجبوری کا خیال آ گیا۔

''نہیں..... تمہیں معلوم ہے، میں کالی کے مندر میں نہیں جا سکتی۔ لیکن میری نظروں نے جس حصار کو دیکھ لیا ہے اس میں صرف کسی پنڈت یا پجاری کی قوت کو دخل نہیں ہو سکتا کسی دیوی کی شکتی بھی ضرور شامل ہے.....''

''دُرگا.....'' میرے ذہن میں ایک ہی نام اُبھرا۔

''مندر کے اندر کے حالات معلوم کرنے کی خاطر مجھے ایک نئے پجاری کا انتخاب

پڑا جو کچھ روز پہلے ہی بنارس سے آیا ہے۔ اُس کا ذہن کچا تھا اس لئے آسانی سے میرا معمول بن گیا۔ مندر سے واپسی میں اُسے دیر لگی۔ میں سمجھی شاید میرے پنجوں کا اثر اُسے پوری طرح قابو نہیں کر سکا۔ تم جانتے ہو کہ میں کسی کا ذہن بھی معطل کر کے اُسے اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہوں۔ لیکن میری موجودگی اُس کے سر پر ہونا شرط ہے۔ پریتم لال مہاراج نے میری اس قوت میں بھی کچھ اضافہ کیا تھا۔ اب میرے پنجوں کا اثر کسی کے لئے مختصر وقت تک قائم رہ سکتا ہے۔ پجاری کی واپسی میں دیر ہوئی تو میں بھی فکرمند ہوگئی۔ لیکن وہ واپس آ گیا۔''

''کیا بتایا اُس پجاری نے.....؟'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''تمہارا ایک شکار ہاتھ سے نکل گیا۔'' انکا دبی زبان میں بولی۔

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟'' میری وحشتوں میں اضافہ ہوگیا۔ ''کون نکل گیا؟''

''چندرا.....''

''کیا.....؟'' میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ ''وہ سنپولا کیسے نکل گیا؟ مجھے بتاؤ انکا رانی، اس وقت وہ کہاں ہے؟ یہ دنیا میرے پیروں کے چکر سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ وہ حرامزادہ دنیا کے جس کونے میں بھی ہوگا، میں اُسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں اُسے ختم کئے بغیر نہیں مروں گا۔ سنا تم نے؟ میں جب تک اُسے جہنم رسید نہ کر لوں، سکون کا ایک لمحہ بھی میرے اوپر حرام ہوگا..... تم مجھے صرف اُس کا پتہ بتا دو، میں اُسے پاتال سے بھی چٹیا پکڑ کر باہر گھسیٹ لوں گا۔ وہ میری دسترس سے دُور نہیں جا سکتا..... ناممکن ہے۔'' میرے جنون میں اضافہ ہونے لگا۔

''خود کو سنبھالو جمیل.....'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہردوار تک آ گئے ہو تو پنڈت نول کشور کا قصہ پاک کر لو۔ ایک رہ جائے گا، وہ بھی مل جائے گا۔ کہاں تک بھاگے گا؟ کب تک جان بچائے گا.....؟''

''کیا تمہیں علم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے.....؟''

''معلوم ہوتا تو تم سے کیوں چھپاتی.....؟'' انکا کسمسانے لگی۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''تم..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو انکا رانی.....؟'' میں نے اُسے بڑے غور سے دیکھا۔ ''تم

جو لازوال قوتوں کی مالک ہو، جس کے سامنے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، جو دلوں کی گہرائیوں میں جھانک کر انسانی خیالات بھی پڑھنے کی ناقابل یقین صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ..... وہ میرے ایک دشمن کا پتہ نہیں لگا سکتی..... کیا..... کیا میں تمہاری بات پر اعتماد کر لوں؟ دل نہیں مانتا۔''

''ہاں جمیل..... میں غلط نہیں کہہ رہی۔'' اُس نے ہاتھ ملتے ہوئے یقین دلایا۔ ''یہ پہلا اتفاق ہے جب میری نگاہوں کے سامنے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ لندن سے واپسی کے سفر کے دوران بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تم درمیان میں نہ آ گئے ہوتے تو میں اشوک کی اچانک دیوانگی کا بھید ضرور پا لیتی۔ وہ قوت میری نظروں سے دُور نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن اس بار..... اس بار.....''

''اس بار کیا ہو گیا.....؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔ ''اس بار کون سی مجبوری آڑے آ رہی ہے.....؟''

''میں اس کا بھی کھوج لگا لوں گی۔'' انکا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''ممکن ہے تمہارا اندیشہ درست ہو، دُرگا کی مہان شکتی میرے راستے میں آ گئی ہو..... اگر ایسا ہوا ہے تو یہ قوتوں کے توازن کو برقرار رکھنے کے معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ مجھے کچھ سمجھنے کا موقع دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ چندرا کا سراغ لگتے ہی تمہیں آگاہ کر دُوں گی۔''

''اگر سراغ نہ ملا تو.....؟'' میں نے اُسے ضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''پھر دُرگا کی طرح مجھے بھی آسمان پر کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی کرنی پڑے گی۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''اپنی انکارانی پر بھروسا رکھو، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔''

''پجاری نے تمہیں کالی کے مندر کے اندر کا اور کیا حال بتایا ہے.....؟'' میں نے اپنی وحشتوں پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

''شیوا نے تمہارا پیغام پنڈت نول کشور تک پہنچا دیا ہے۔'' اُس نے زہر خند سے جواب دیا۔ شیوا کو اس جرم کی سزا بھی مل چکی ہے۔ اُسے مندر کے تہہ خانوں میں ایک کال کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا ہے۔''

''کیا جرم سرزد ہوا تھا شیوا سے.....؟''

''زندہ رہنے کا جرم.....'' انکا نے پہلو بدل کر کہا۔ ''نول کشور تمہارے سلسلے میں اپنی

آنکھیں دیکھ کر بھی بھڑک اُٹھتا ہے۔ اُسے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم نے شیوا کو محض پیغام پہنچانے کی خاطر زندہ چھوڑ دیا ہوگا۔ وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ شیوا نے زندگی بچانے کی خاطر تم سے کوئی سمجھوتا کر لیا ہے.....''

میرا دل چاہا کہ دیوانہ وار قہقہے لگانا شروع کر دُوں۔ نول کشور کو میرے تصور نے یقیناً پاگل کر دیا تھا۔ اگر وہ پاگل نہ ہوتا تو شیوا پر شبہ نہ کرتا۔ اُسے اپنے خاص خاص آدمیوں کی پہچان ہوتی۔ اُس کے لئے ہیرے اور کانچ کے ٹکڑے کا فرق جاننا ضروری تھا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق شیوا کا کوئی امتحان بھی لے سکتا تھا، شیوا اس امتحان میں بھی ضرور پورا اترتا۔ میری نظروں نے اُسے شناخت کر لیا تھا، وہ کھرا سونا تھا۔ اُس میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ اُس نے میرے مقابلے میں مردوں کی طرح سینہ تان کر اپنی شکست تسلیم کی تھی۔ دامن پھیلا کی زندگی کی بھیک نہیں مانگی تھی۔ اُس نے ٹھوس لہجے میں کہا تھا..... ''میں اب بھی سینہ تانے مردوں کی طرح قدم جمائے کھڑا ہوں۔ مجھے مار دو۔ میں تم سے جیون کی بھکشا نہیں مانگوں گا۔'' انسان جب اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگے تو اُس کی خود اعتمادی برقرار نہیں رہتی۔ اپنے بازوؤں کا اعتماد ختم ہو جائے تو وہ بزدل بن جاتا ہے۔ کسی پناہ گاہ میں چھپ کر بڑی بڑی باتوں کا اعلان کرنا، ڈینگیں مارنا اور بات ہے..... طاقت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب دو حریف میدان میں اُترتے ہیں۔

میں بدری نرائن کا انجام بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ بڑا ذہین، بڑا دُور اندیش، بڑا شاطر اور بڑی کمینی خصلتوں کا مالک تھا۔ جب تک میں کمزور رہا وہ بار بار میرے تعاقب میں لپکتا رہا۔ مجھے آنکھیں دکھاتا رہا۔ انکارانی کو جاپ کے ذریعے حاصل کرنے کے بعد تربینی جیسا بھگتا بھی شیر بن گیا تھا۔ اُس کا انجام بھی میری خواہش کے عین مطابق ہوا۔ بدری نرائن کی تیز رفتار، ہواؤں کا رُخ اور طاقت کا توازن پر کھنے کا عادی تھا۔ میں نے جب قوتیں حاصل کر لیں، جب نندا اور کمپالا کی تعلیم نے مجھے زندگی اور موت، انسانیت اور درندگی کے فرق سے آگاہ کیا، جب انکارانی بھی میری قوتوں سے آنکھ ملانے سے کترانے لگی تب بدری نرائن جیسے پنڈت نے بھی عورتوں کی طرح میرے ساتھ آنکھ مچولی شروع کر دی۔ امر لال بھی اُس کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا.....؟ جیت اعتماد اور یقین کی ہوئی۔ میری کلدیپ تو اس وقت میسور کی پہاڑیوں سے نیچے آئی تھی جب امر لال نے

کمینگی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ وہ درمیان میں نہ آتا تو سیّد کی لاٹھی ہی بدری نرائن کے لئے بہت ہوتی۔

''کیا سوچ رہے ہو جمیل.....؟'' انکا نے پوچھا۔

''تمہارے مشورے پر غور کر رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ہردوار تک آیا ہوں تو پنڈت نول کشور کی ارتھی کو بھی شمشان گھاٹ تک پہنچا دُوں، اس کے بعد چندرا کی باری ہوگی۔''

''ہردوار میں تمہارے آنے کی اطلاع پا کر کالی کے مندر میں بڑے بڑے گیانی دھیانی پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ سب کا خیال ہے کہ مندر کو ایک مُسلے کے گندے خون سے ناپاک نہ کیا جائے، باہر نکل کر گھیرا جائے۔ لیکن وہ پنڈت نول کشور کا کہا بھی نہیں ٹال سکتے۔''

''وہ کیا کہہ رہا ہے.....؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''وہ ابھی تک کالی کے نام پر دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے۔'' انکا نے خلاء میں چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں ہر وقت پوری طرح ہوشیار رہنا ہوگا۔ نول کشور کی چنڈال چوکڑی میں نیچ ذات کا ایک چمار بھی شامل ہے۔ میں نے جس پجاری کو معمول بنایا تھا اُس نے بتایا ہے کہ وہ چمار سفلی کا ماہر ہے۔ اُس نے پنڈت پجاریوں کے بیچ بیٹھ کر دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمہیں دُور رہ کر بھی اپنے گندے عمل سے ہلاک کر سکتا ہے۔''

میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ انکا رانی کی بات سن کر میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ذہن میں آتش فشاں کروٹیں بدلنے لگا، مجھے اپنی کہانی یاد آ رہی تھی۔ میرا پورا ماضی میری نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔ مجھے وہ بھیانک اور خوفناک منزلیں یاد آئیں جن سے گزر کر میں اس مقام تک پہنچا تھا۔ ان ہولناک کہانیوں کو یاد کر کے مجھے جھرجھری آ گئی۔ میرے نام لیوا، میرے قارئین گواہ ہیں کہ میں نے کبھی حالات کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے، کسی سورما سے خوفزدہ ہو کر زندگی کی بھیک نہیں مانگی۔ میں پارسائی کے دعوے نہیں کر سکتا، میری زندگی کا ورق ورق گناہ آلود ہے۔ کیوں ہوا؟..... کیسے ہوا؟..... میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا۔ ہر شخص اپنے جذبات، اپنے احساسات کا خود گواہ ہوتا ہے۔ میں بڑی دیانت داری سے اس بات کی گواہی دے سکتا ہوں کہ میں صرف نام کے اعتبار سے مسلمان ہوں، مذہب سے میرا دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ مگر..... ایک بات یہ بھی درست ہے کہ

میں نے خدا کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا۔ کسی اور کو اُس کے برابر نہیں سمجھا۔ یہ خیال بھی میرے دل و دماغ کے کسی نہ کسی گوشے میں ہمیشہ محفوظ رہا کہ مرنے کے بعد مجھے اُسی کے سامنے پیش ہونا پڑے گا جس نے مجھے زندگی کی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا۔ میرا نامۂ اعمال میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اس ''لم یزل'' کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہوں گا۔ وہاں میری چالاکیاں کسی کام نہیں آئیں گی۔ انکا رانی بھی میرا ساتھ چھوڑ دے گی۔ وہ فیصلہ سنا دے گا۔ بندے کی ترکی تمام ہو جائے گی۔ زبان ہلانے، دُم مارنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اُس دن شیطان مردود اپنی کامیابی کا جشن منائے گا، انسان بے بسی سے کھڑا تماشہ دیکھتا رہے گا..... وقت گزر چکا ہوگا، پچھتاوے کسی کام نہیں آئیں گے.....!

مجھے بھی شیطانوں نے بھٹکا دیا تھا۔ میں نے اُن کا قصہ ختم کرنے کی ٹھان لی تھی۔

''کہاں کا ارادہ ہے جمیل.....؟'' انکا نے مجھے اُٹھتا دیکھ کر پوچھا۔ اُس کی نظریں میرے چہرے کے تاثرات پر مرکوز تھیں۔

''کالی کے مندر کی کشش مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے.....'' میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''آنند بھون میں ستسانے اور رنگ رلیاں منانے کے اور بھی مواقع آئیں گے۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ لیکن تم مندر میں داخل نہیں ہو سکو گے۔''

''میں یہاں بیٹھ کر بھی کیا کروں گا.....؟'' میں کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ سیّد کی ٹولی میرے ساتھ تھی۔ انکا نے میرے سر پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات اُبھرنے لگے۔ میں عقبی راستے سے گزر کر باہر آیا تو بھنڈاری بھاگتا ہوا سامنے آ گیا۔ کسی نے اُسے میرے باہر نکلنے کی اطلاع کر دی تھی۔

''کہاں جانا ہے مہاراج؟'' اُس نے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

''کسی سواری کا بندوبست کر دے.....'' میں نے سرد لہجے میں حکم دیا۔ ''کالی کے درشن کو جا رہا ہوں۔ ڈرائیور سے کہنا کہ جہاں میں کہوں وہیں اُتار کر واپس آ جائے۔ میں بحث کرنا پسند کرتا۔''

''تم جو کہو گے وہی کرے گا۔ لیکن واپسی میں.....''

''پھر تو نے لیکن ویکن شروع کر دی.....'' میری پیشانی پر سلوٹیں اُبھریں تو بھنڈاری کی زبان کو بریک لگ گیا۔ اُس کے حکم پر گاڑی آ گئی۔ میں خاموشی سے بیٹھ گیا، گاڑی

چل پڑی۔

''جمیل.....'' انکا نے دبی زبان میں کہا۔ ''اپنے گرد حصار کھینچ لو، دائرے سے باہر نکلنے کی غلطی نہ کرنا۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں مندر تک پہنچنے سے پہلے کہیں راستے میں گھیرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انکا کا اندازہ بھی غلط ثابت نہیں ہوا۔ ڈرائیور بڑی مستعدی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ لیکن ایک میدان سے گزرتے وقت اُس نے اچانک فُل بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ پھر دروازہ کھول کر ہذیانی انداز میں چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ انکا کی نظروں میں شعلے بھڑکنے لگے۔

''وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا.....'' اُس نے مجھے مخاطب کیا۔ ''چمار نے تمہارے اُوپر سفلی کی ہانڈی چھوڑی ہے۔ تم دیکھنا میں اُس کا کیا حشر کرتی ہوں۔''

میں لپک کر گاڑی سے باہر آیا۔ فضا میں ایک کوری ہانڈی تیرتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی..... ہانڈی کو بند کرنے کے لئے سرخ رنگ کا کورا کپڑا استعمال کیا گیا تھا۔ میدان کے آس پاس جو دس بارہ مقامی لوگ موجود تھے وہ بھی ہانڈی کو دیکھ کر ''رام دہائی.....'' اور ''رام نام ستیہ ہے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان کی دوسری طرف کالی کا فلک بوس مندر سر اُٹھائے کھڑا تھا۔

''چمار ذات نے ہماری ایک اور مشکل آسان کر دی۔'' انکا نے بڑے یقین سے کہا۔ ''تم دیکھنا اب میں کس طرح پنڈت نول کشور کے منڈل کا سواستیاناس کرتی ہوں.....''

میری نظریں کوری ہانڈی پر جمی ہوئی تھیں جو فضا میں تیزی سے گردش کرتی ہوئی نیچے آ رہی تھی۔ مجھے بھگوان پرشاد یاد آ گیا، اُس نے بھی مجھے اُس وقت ایسی ہی کوری ہانڈی دی تھی جب تربینی ایک منڈل میں بیٹھا انکا رانی کو اپنے قبضے میں کرنے کی خاطر جاپ کر رہا تھا۔ میں نے ہانڈی تربینی کی طرف اُچھال دی تھی لیکن اُس کا انجام میری توقع کے برعکس ہوا۔ تربینی بچ گیا۔ بھگوان پرشاد خود اپنے جال میں پھنس کر مارا گیا۔ اُس کی موت بڑی اذیت ناک ثابت ہوئی تھی۔

میں خوفزدہ نہیں ہوا۔ میری نگاہیں اُس ہانڈی کو دیکھ رہی تھیں جو تیر کی طرح میری طرف آ رہی تھی۔ مجھے سفلی کے سلسلے میں کچھ نہیں معلوم، لیکن ان ناپاک طلسمی ہانڈیوں کے

بارے میں بزرگوں سے اتنا ضرور سنا ہے وہ جس کے نام پر اُڑائی جاتی ہیں اُسے پانی میں بہا بھی نہیں چھوڑتیں۔ اگر کسی وجہ سے یہ خطرناک عمل ناکام ہو جائے تو پھر اسے کرنے والا ہانڈی کا شکار ہو جاتا ہے۔

میں نے سیّد کی لاٹھی پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ ہانڈی مجھ سے بیس فٹ کے فاصلے پر رُک گئی تو انکا نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے۔ پھر اُس کی زبان سے ناقابل فہم زبان میں کچھ جملے ادا ہونے لگے۔ میں نے پہلی بار انکا رانی کو ایک انوکھی زبان بولتے سنا تھا۔ اُس کی آنکھیں کوری ہانڈی پر جمی ہوئی تھیں، چہرے سے غیض وغضب کا اظہار ہو رہا تھا۔ جس انداز میں وہ بول رہی تھی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا وہ کسی نادیدہ قوت کو بے نقط سنا رہی ہو۔ ہانڈی فضا میں معلق گردش کرتی رہی۔ انکا رانی کی زبان سے جملے پھسلتے رہے۔ وہ خاموش ہوئی تو کسی نے ناک میں منمنانا شروع کر دیا۔

''تو درمیان میں کہاں سے آ گئی؟ میرا تیرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تو درمیان سے ہٹ جا، میں نے جس دشٹ کے پلید نام پر ہانڈی چھوڑی ہے اُس کا کریا کرم ہو کر رہے گا۔ کالی اور رُدرگا کی بھی یہی اِچھا ہے۔ میری بات مان لے..... درمیان میں آئے گی تو، تو بھی نشٹ ہو جائے گی۔''

انکا رانی کی نگاہوں سے نفرت کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اُس نے پھر اپنی زبان بولنی شروع کر دی۔ لب ولہجے سے اُس کے غصے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ نہیں گرائے، ہانڈی بھی ایک ہی محور پر چکراتی رہی۔

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا مورکھ..... اپنی ہٹ سے باز آ جا، میرا کہا مان لے۔ سمے بیت رہا ہے۔ میں تجھے ایک آخری موقع اور دے رہا ہوں، اس کے بعد میں ڈوری چھوڑ دُوں گا۔ پھر آگے تو جان۔''

جواب میں پھر انکا رانی کے منہ سے شعلوں کی دُھواں دھار آتش بازی چھوٹنے لگی۔ دوسری جانب سے آخری وارننگ دی گئی، انکا دونوں ہاتھ بلند کئے جمی کھڑی رہی۔ اُس کی لبوں کی جنبش ختم ہو گئی، وہ ٹکٹکی باندھے ہانڈی کو چکراتا دیکھتی رہی۔ موت اور زندگی کا صبر آزما کھیل بڑا اعصاب شکن تھا۔

اچانک ہانڈی کو ایک جھٹکا لگا، وہ برق رفتاری سے نیچے آئی۔ انکا رانی شاید اسی بات کی

منتظر تھی۔ اُس نے زور سے پھونک ماری، فضا میں گھن گرج کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کچھ دیر یہ سلسلہ جاری رہا، پھر ہانڈی نے دوبارہ فضا میں بلند ہونا شروع کیا۔ انکارانی کے گلابی ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

کسی کے چیخنے کی آواز سن کر میری توجہ کالی کے مندر کی جانب مبذول ہوئی۔ ایک لمبا تڑنگا کالا بھجنگ پجاری نما شخص دھوتی باندھے بھاگتا ہوا مندر کے دروازے سے باہر نکلا۔ اُس کا اُوپری جسم ننگا تھا، چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

''جمیل.....'' انکارانی نے تیزی سے میرے کاندھے پر آ کر کان میں سرگوشی کی۔ ''پنڈت نول کشور نے جو منڈل کھینچا تھا اس کے ٹوٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ مندر کے اُوپر بجلیاں چمکیں، شعلے لپکیں تو سمجھ لینا کہ تمہارا راستہ صاف ہو گیا۔ تم بلا دھڑک اندر چلے جانا۔ اپنے ہوش برقرار رکھنا۔ میں باہر رہ کر بھی تم سے دُور نہیں رہوں گی۔''

مندر سے برآمد ہونے والا شخص پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا، لیکن کوری ہانڈی بجلی بن کر اُس کے وجود سے ٹکرا گئی۔ پجاری جو یقیناً ہمارا مطلوبہ سفلی کرنے والا چمار تھا، بلبلا کر زمین چاٹنے لگا۔ اُس کے جسم سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ وہ زندگی بچانے کی خاطر دوبارہ اُٹھ کر گرتا پڑتا مندر کی طرف بھاگا۔ اُس کے جسم کے شعلے منڈل سے ٹکرائے تو بجلیاں کوندنے لگیں..... بادل کے گرجنے کی خوفناک آوازیں اُبھرنے لگیں..... مندر کے چاروں طرف چنگاریاں اُڑتی نظر آ رہی تھیں۔ انکا خوشی سے چلائی۔

''جلدی کرو جمیل، نول کشور کا منڈل ٹوٹ کر بکھر چکا ہے..... اپنا خیال رکھنا۔''

میں نے سیّد کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کی اور برق رفتاری سے مندر کے بڑے پھاٹک کی سمت دوڑنے لگا جہاں پنڈت پجاریوں کا ہجوم ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا.....!!

مندر کے اطراف جو منڈل پنڈت نول کشور نے قائم کیا تھا، انکارانی نے اس کا ستیاناس کر دیا۔ ایک غلطی بھی انسان کے حق میں بڑی تبدیلیاں رُونما کر دیتی ہے۔ سفلی جاننے والے چمار کی باتوں نے وقتی طور پر میرے دشمنوں کو ضرور خوش کیا ہو گا، وہ میری موت کا جشن منانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے، پجارنوں نے بناؤ سنگھار شروع کر دیا ہو گا۔ آنے والے لمحات اُن کے دلوں کو گرما رہے ہوں گے۔ لیکن میری انکارانی نے بازی پلٹ دی۔

نول کشور اور اُس کے ساتھیوں کے دل اس وقت دھڑکنے شروع ہو چکے ہوں گے جب خوفناک ہانڈی کو فضا میں چھوڑا گیا ہو گا، سب کی نظریں اُسی ہانڈی پر جمی ہوں گی، اُن کے چہرے تمتما رہے ہوں گے۔ وہ ایک کے مقابلے میں سینکڑوں تھے لیکن منڈل میں چھپے بیٹھے تھے۔ سامنے آنے کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔ نول کشور بھی لمبی چوڑی ڈینگیں مار رہا ہو گا۔ دوسرے ہاں میں ہاں ملانے میں پیش پیش ہوں گے۔ ایک چمار کے آجانے سے اُن کے حوصلے اور بلند ہوئے ہوں گے۔ چھوت چھات اور اُونچ نیچ کا فرق بھول کر اُنہوں نے بھنگی کو بھی اپنا نجات دہندہ سمجھ لیا۔ عام حالات میں پنڈت پجاری کسی مسلمان کے چھوئے برتن میں پانی بھی پینا گوارا نہیں کرتے۔ کوئی غیر اُن کو ہاتھ لگا دے تو ان کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ خود اپنے رسوئی گھر میں بھی وہ ننگے پاؤں داخل ہوتے ہیں۔ ہر تہوار پر چھوٹے بڑے کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ دھرم کے معاملے میں ان کے عقیدے، ان کے نظریات بڑے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن ایک میری ذات نے ان کو اس قدر ہراساں اور خوفزدہ کر دیا تھا کہ انہوں نے کالی کے پوتر مندر میں ایک نیچ ذات چمار کا داخلہ منظور کر لیا تھا۔ نول کشور مندر کا بڑا پروہت ہونے کے باوجود اُس کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ گیا، دوسرے پنڈت پجاری بھی اُس کے ہمنوا بن گئے۔ کسی کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا۔ ساری اُونچ نیچ ختم ہو گئی۔

میرے خوف نے سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

وہ صرف میری موت کے خواہشمند تھے۔ جب چمار ذات نے سفلی کے جنتر منتر پڑھ کر ہانڈی فضا میں چھوڑی ہوگی تو سب ہی کی نظریں اُس پر جم گئی ہوں گی۔ وہ مندر میں کہیں نہ کہیں میری ہولناک موت کا بھیانک انجام دیکھنے کی خاطر دبکے بیٹھے ہوں گے، وقت کے ساتھ ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں بھی بتدریج تیز ہوگئی ہوں گی۔ لیکن پھر نتیجہ کیا نکلا.....؟

جیو دھاری ہانڈی کی واپسی کا سفر دیکھ کر سب کے منہ لٹک گئے ہوں گے، آنکھیں پٹپٹانے لگی ہوں گی، کلیجوں پر سانپ لوٹ گئے ہوں گے۔ سب کی سوالیہ نظریں سفلی کرنے والے پر اُٹھی ہوں گی، اُس کی دھوتی ڈھیلی ہوتی دیکھ کر سب کے دلوں میں چھوت چھات اور اُونچ نیچ کا خیال پھر اُبھرا ہوگا۔ پنڈت نول کشور نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ہانڈی کا پلٹنا نیک شگون نہیں ہے، اُس کی تیوری پر بل آ گئے ہوں گے۔ اُس نے گرج کر بڑے تحکمانہ انداز میں کہا ہوگا۔

''اس نیچ ذات کے چمار کے منہ پر کالک تھوپ دو، اس کی چٹیا کاٹ ڈالو۔ جوتے مار کر باہر نکال دو۔''

انکارانی اسی بات کی منتظر تھی۔ چمار باہر نکلا، اُس کا پلید عمل اُسی پر لوٹ گیا۔ وہ جان بچانے کی خاطر دوبارہ مندر میں جانے لگا تو منڈل سے ٹکرا گیا، انکارانی پلک جھپکتے میں اپنا کام کر گزری۔

ہر طرف چنگاریاں اُڑ رہی تھیں، پنڈت پجاریوں نے خوف کے مارے اُونچی آواز میں اشلوک پڑھنا شروع کر دیا، کالی کو خوش کرنے کی خاطر دیو داسیاں بھجن گانے لگیں، سب کے چہرے ست گئے، سب کو اپنی اپنی پڑی تھی، کسی نے میری طرف دھیان نہیں دیا۔ میں اُن کی بھیڑ میں شامل ہو کر آہستہ آہستہ جگہ بناتا اندر داخل ہو گیا۔ سیّد کی لاٹھی کو میں نے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ چھوٹے بڑے مندروں کو کس انداز میں تعمیر کیا جاتا ہے؟ اس کا تھوڑا بہت تجربہ میں پہلے بھی کر چکا تھا۔ میرے جسم پر سادہ لباس تھا، پنڈت پجاری بدحواس نہ ہوتے تو پہلی ہی نظر میں ضرور چونکتے۔ میں نے عجلت سے کام لیا، مندر کے وسیع و عریض چبوترے کے اطراف مہندی کی باڑھ لگی تھی۔ میں اُس کی آڑ لیتا ہوا برق رفتاری سے عقبی حصے کی طرف نکل گیا جہاں یاتریوں کے ٹھہرنے کے لئے کمرے تعمیر تھے۔ ہر طرف ہاہا کار

مچی تھی۔ سب کے چہرے فق تھے، مجھے موقع مل گیا۔ میں قدم بڑھاتا ایک کمرے میں داخل ہو گیا، سامنے پلنگ پر ایک بوڑھا پڑا تھا۔

''کیا ہوا بلرام؟'' بوڑھے نے مجھے اپنا ساتھی سمجھ کر پوچھا۔ ''باہر کیسا شور ہو رہا ہے؟''

''بڑے پروہت جی کی موسی کا انتقال ہو گیا۔ سب سینہ کوبی کر رہے ہیں۔'' میں نے نفرت سے کہا، پھر لپک کر اُس کی گردن دبوچ لی۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھا جہاں انسان اُٹھ کر پانی بھی نہیں پی سکتا۔ مجھے زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی، دو چار جھٹکوں میں ہی اُس کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ میں نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے کنڈی لگا لی، ایک طرف ٹین کے صندوقچے میں کئی لباس موجود تھے۔ میں نے زرد رنگ کی ایک دھوتی نکال کر باندھ لی۔ کھونٹی پر لٹکی ہوئی دو چار مالائیں بھی گلے میں ڈال لیں۔ مرنے والے کے ہاتھ کا کڑا اُتار کر سیدھے ہاتھ میں پہن لیا، ماتھے پر چندن تھوپ تھاپ کر دروازے کے قریب آ گیا۔ سیّد کی لاٹھی بدستور میرے ساتھ تھی۔ میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ حلیہ تبدیل کر لینے کے بعد وہ مجھے آسانی سے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ دیر دروازے سے لگا کھڑا میں باہر کی سن گن لیتا رہا، پھر کنڈی کھول کر باہر آ گیا۔ میں نے صدر دروازے کی طرف جانے کی غلطی نہیں کی، عقبی حصے کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔ پنڈت پجاریوں کی ٹولیاں جگہ جگہ موجود تھیں وہ سب اسی ہنگامے کی بات کر رہے تھے جو انکارانی نے بپا کیا تھا۔ دو چار بوڑھے پنڈتوں کے ہاتھ میں مجھے لاٹھیاں اور ڈنڈے بھی نظر آئے۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ میں نے بھی سیّد کی لاٹھی اس طرح تھام لی جیسے اسے سہارے کے طور پر استعمال کرنے کا عادی ہوں۔

مندر میں موجود کئی لوگوں نے مجھے سرسری طور پر دیکھا لیکن کوئی نوٹس نہیں لیا۔ میں پوری طرح محتاط تھا، کالی کے اس مندر میں جگہ جگہ لگی تختیوں نے میرے لئے بڑی آسانی پیدا کر دی تھی۔ وہ یاتریوں کی رہنمائی کے لئے آویزاں کی گئی تھیں، اس وقت میرے کام آ رہی تھیں۔

آدھے گھنٹے تک میں اِدھر اُدھر کوئی مناسب جگہ تلاش کرتا رہا، پھر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ہنگامے کی شدت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ پنڈت پجاری صدر دروازے سے ہٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ پنڈت نول کشور کی طرف

سے بار بار چاروں طرف بلندی پر لگے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے اعلان کیا جا رہا تھا کہ صدر دروازہ کچھ دیر کے لئے بند کیا جا رہا ہے۔ سب سے درخواست کی جا رہی تھی کہ وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر بیٹھ جائیں۔ میں اس اعلان کا مطلب سمجھ گیا۔ دھماچوکڑی کے وقت سب ہی کا ذہن معطل ہو گیا تھا، اب دشمنوں کی نظریں مجھے تلاش کر رہی ہوں گی۔ انہیں یہ گمان بھی ضرور ہوا ہوگا کہ میں موقع پا کر ان کے درمیان نہ پہنچ گیا ہوں۔ اپنی تسلی کی خاطر وہ ایک ایک کونے کھدرے میں میری تلاش کریں گے۔ میں ہاتھ آ گیا تو میری تکہ بوٹی کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ میرے لئے چھپنے کی خاطر کسی مناسب جگہ کی فوری ضرورت تھی۔ میں دوبارہ یاتریوں کی رہائش والے حصے کی طرف لوٹ رہا تھا جب ایک خوبصورت پجارن میرے سامنے آ گئی۔ وہ کمسن تھی، حسین تھی۔ لیکن اُس کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ جس انداز میں اُس نے سامنے آ کر اچانک میرا راستہ روکا تھا اس سے یہی گمان ہوا کہ وہ میرے اُوپر کسی اور کا دھوکہ کھا رہی تھی۔ میرے چہرے کے خدوخال اُس کے کسی واقف کار سے ملتے ہوں گے۔

''مہاراج.....'' اُس نے ہاتھ باندھ کر رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بڑی کرپا ہوگی تمہاری، ایک نظر میری ماں کو دیکھ لو۔''

''کیا ہوا اُسے.....؟'' میں نے آواز بنا کر پوچھا۔

''کل رات سے اُس کے منہ میں ایک دانہ بھی نہیں گیا۔ شریر بھی تپ رہا ہے۔ گرودیو ہوتے تو وہ دیکھ لیتے.....'' وہ بڑی سوگوار نظر آ رہی تھی۔

''گرودیو.....؟''

''وہ کچھ دنوں پہلے دیوی درشن کو آئے تھے، دو دن ہوئے واپس چلے گئے۔'' اُس نے مختصراً بتایا۔ ''اُن کے ہاتھ میں جادو تھا مہاراج..... ماں ایک دم بھلی چنگی ہو گئی تھی، جیسے کبھی روگ نہ رہا ہو۔''

''تم یہاں کیا کرتی ہو.....؟'' میں نے دبی زبان میں اُسے ٹٹولا۔

''جب ماں ٹھیک ہوتی ہے تو وہ بڑے پروہت کی سیوا کرتی ہے۔ آج کل یہ کام مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔''

''تمہارا مطلب پنڈت نول کشور مہاراج سے ہے؟'' میں نے دل پر جبر کر کے اپنے

دشمن کے لئے مہاراج کا لفظ استعمال کیا۔

''ہاں مہاراج.....''

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ شاید قسمت مہربان تھی جو میرا اُس کا ٹکراؤ ہو گیا۔ میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا، سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ ''کیا پروہت مہاراج تمہاری ماتا کا علاج نہیں کرتے؟''

''اُن کے پاس اتنا سمے کہاں ہے؟'' اُس کے جواب میں احساس محرومی بھی شامل تھا۔

''میں کیا کر سکوں گا؟'' میں نے کہا۔ ''میں بھی آج صبح ہی دیوی درشن کے کارن بہت دُور سے چل کر آیا ہوں۔''

''اور کچھ نہیں تو بیمار کے شریر پر ہاتھ رکھ کر بھگوان سے پرارتھنا ہی کر دینا۔'' اُس کی نیل کنول جیسی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ ''میرے من کو چین آ جائے گا۔''

میرے پاس وقت کم تھا، میں نے اُس کی بات مان لی، اُس کے ساتھ ہو لیا۔ مجھے زیادہ دُور نہیں چلنا پڑا۔ دو چار موڑ کاٹ کر وہ حصہ آ گیا جہاں دس بارہ ہٹ نما چھوٹے چھوٹے کوارٹر بڑی خوبصورتی سے تعمیر کئے گئے تھے۔ شاید وہ نول کشور کے مخصوص ملازموں کے لئے وقف تھے۔ ادھر سناٹا ہی تھا۔ وہ مجھے ایک کوارٹر میں لے گئی جو چھوٹے چھوٹے دو کمروں پر مشتمل تھا۔ چھوٹا سا صحن بھی تھا۔ پجارن نے مجھے اپنا نام جھرنا بتایا تھا۔ ایک کمرے میں اُس کی بیمار ماں فرش پر پڑی تھی۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بخار کی شدت اور نقاہت نے نڈھال کر رکھا تھا۔ میں نے چٹائی پر بیٹھ کر اُس کی کلائی پر ہاتھ رکھا۔ جھرنا نے غلط نہیں کہا تھا، عورت کا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ شدید بخار میں مبتلا تھی۔

''جمیل.....'' میرے کانوں میں انکا کی مانوس آواز اُبھری۔ ''تم قسمت کے دھنی ہو جو تمہیں سر چھپانے کا ٹھکانا مل گیا۔ جھرنا کے مکان پر کسی کو تمہاری موجودگی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کی ماں جب بارہ سال کی تھی تب سے نول کشور کی سیوا کر رہی ہے۔ جھرنا بھی نول کشور کی شرافت کا کڑوا پھل ہے، تم اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرو، یہ تمہارے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔''

مجھے انکارانی کی آواز سن کر تعجب ہوا۔ وہ کسی طور بھی کالی یا دُرگا کے مندروں میں داخل نہیں ہو سکتی تھی، کسی مندر میں اُس کی آواز بھی پہلی بار میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ شاید

اس میں بھی پریتم لال کی دان کی ہوئی قوتوں کا دخل شامل رہا ہو۔ مندر میں داخل ہوتے وقت انکا نے کہا بھی تھا کہ وہ باہر رہ کر بھی مجھ سے دُور نہیں رہے گی۔ اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ میں اُس کی آواز واضح طور پر سن رہا تھا۔

''کیا تم سب کچھ دیکھ رہی ہو.....؟'' میں نے عالم تصور میں انکا کو مخاطب کیا۔

''ہاں۔ تم جہاں جہاں جاؤ گے، تمہارے آس پاس کا کچھ حصہ مجھے نظر آتا رہے گا۔ میں تمہیں صرف مشورے دے سکوں گی، میری قوت مندر کے اندر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گی.....'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ عورت جو تمہارے سامنے پڑی ہے اس کا نام جمنا ہے۔ کبھی اس کی بھرپور جوانی کو دیکھ کر بڑے بڑے گیانیوں کی رال ٹپکنے لگتی تھی، اب بھی اس کے ماضی کا حسن اس کے چہرے کے خطوط سے جھلک رہا ہے۔ میں زیادہ دیر تم سے مخاطب نہیں رہ سکتی، آتی جاتی رہوں گی..... میری بات غور سے سنو، اپنے سینے کا ایک بال توڑ کر جمنا کے منہ میں ڈال دو۔ ماں بیٹی دونوں تمہاری بے دام غلام بن جائیں گی۔ لیکن جلد بازی سے کام نہ لینا۔ ورنہ.....''

انکا سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا۔ لیکن اُس کے جملے کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔ میری نظریں جمنا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''کس وچار میں گم ہو مہاراج.....؟'' جھرنا کے چہرے پر میری خاموشی سے تشویش کے رنگ اُبھرنے لگے۔

''تمہارے پتا کا دیہانت کب ہوا تھا.....؟'' میں نے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی۔

''مم..... مجھے نہیں معلوم مہاراج۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔ ''ماں بتاتی ہے کہ جب میں نے جنم لیا تھا تب وہ جیوت تھے، پھر میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی بھگوان نے انہیں اپنے پاس بلا لیا.....''

''کیا جمنا پہلے بھی بیمار ہوتی رہی ہے.....؟'' میں نے بات کا رُخ بدل دیا۔

وہ میرے منہ سے ماں کا نام سن کر چونکی۔ میں بھی اُسے حیران کر دینا چاہتا تھا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا، میں نے اُسے موقع نہیں دیا، بڑے ٹھوس لہجے میں بولا۔

''تجھے کس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے پگلی؟ جو جیون سے منہ پھرا کر آکاش سے رشتہ جوڑ

لیتے ہیں وہ سارے بھید بھاؤ سمجھنے لگتے ہیں..... تو ابھی نادان ہے، سیانی ہو جائے گی تو میری بڈھی بھی کام کرنے لگے گی۔'' میں نے اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''جو اندھیروں میں دُور تک دیکھنے کی شکتی پراپت کر لیں، پھر اُجالوں میں ان کا من نہیں لگتا۔ اپنی زبان پر تالے ڈال لے، تیری زبان میرے بارے میں کسی کے سامنے کھل گئی تو بھونچال آ جائے گا۔ میں تیری کوئی سہائتا بھی نہیں کر سکوں گا، سمجھ رہی ہے میری بات؟ میں کب آیا؟ کب گیا؟ کسی کو بھنک بھی نہ ملے۔ کسی سے کچھ نہ کہنا..... پنڈت نول کشور کے سامنے بھی زبان بند ہی رکھنا۔''

''تم میری ماں کو اچھا کر دو، میں سارا جیون تمہارا ابکار نہیں بھولوں گی۔'' اُس نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ ''جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گی۔''

''چنتا مت کر، میں آ گیا ہوں، اب تیری ماں کو کچھ نہیں ہوگا..... نیر بہانا بند کر دے، تو بڑی بھاگوان ہے جو تو نے مجھے کھوج لیا۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے جھرنا کے معصوم ذہن کو تسخیر کرنے کی خاطر یونہی ہونٹ ہلانا شروع کر دیئے۔ وہ اُمید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار تھی۔ جمنا بے سدھ پڑی کراہ رہی تھی۔ کمرے میں کچھ دیر سناٹا طاری رہا۔ جھرنا کبھی حسرت بھری نظروں سے ماں کو دیکھنے لگتی، کبھی پُر اُمید نظروں سے مجھے تکنے لگتی۔ میں نے زیادہ وقت نہیں لیا، ہونٹ ہلانا بند کر کے معنی خیز نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر سینے کا ایک بال توڑ کر جمنا کے منہ میں ڈال دیا، اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اب آنکھیں کھول دے جمنا، اُٹھ کر بیٹھ جا..... میری آگیا کا پالن کر۔ میں نے تیرا روگ دُور کر دیا ہے۔''

جھرنا نے ماں کو میری آواز پر کسمساتے دیکھا تو اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جمنا نے آنکھیں کھول کر مجھے غور سے دیکھا، پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں خود بھی ششدر رہ گیا۔ جھرنا پر بھی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ بے اختیار ماں کے سینے سے لپٹ کر خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ جمنا مجھے گھورے جا رہی تھی۔

''تیری پُتری میرا ہاتھ تھام کر لے آئی تھی۔'' میں نے اُسے سمجھانے کی خاطر کہا۔

''جس گرو دیو نے تیرا علاج کیا تھا وہ کیول تیرے شریر کو اُوپر ہی اُوپر دیکھ سکا، اندر جھانک

کر تیرا اصلی روگ نہیں جان سکا..... میں نے بڑے سوچ وچار کے بعد تجھے وہ دارو دیا ہے جو من کو شانت کر سکے۔ جو گزر گئی، گزر گئی۔ جو باقی رہ گئی اسے بھی ہنس کر بتا دے۔ من کے پچھتاووں کو تن کا روگ کیوں بنا لیتی ہے؟''

''تم..... تم کون ہو مہاراج؟'' جمنا نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نہیں سمجھ سکی۔''

''پُتری..... تو دو پل کے لئے باہر چلی جا.....'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا، جھرنا سہم کر باہر چلی گئی۔ میں نے جمنا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اب پوچھ، کیا جاننا چاہتی ہے، وہ جو بیت گیا؟ یا وہ جو کل پیش آنے والا ہے.....؟''

''میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھ سکی.....'' اُس نے بدستور حیرت کا اظہار کیا۔ ''آج پہلی بار تمہیں دیکھا ہے۔ کوئی بھول ہو گئی ہو تو شما کر دینا۔''

''بھول تو تجھ سے بہت پہلے ہو چکی، اب اسے نبھانے کی چنتا کر۔'' میں نے سرد آواز میں جواب دیا۔ ''جھرنا کو خبر ہو گئی تو اُس کے دل پر کیا بیتے گی مورکھ، بچی کے بھوش کے بارے میں سوچا کر۔ اُس کی رکھشا کرنے کی خاطر آنکھیں کھلی رکھ۔ جو تیرے ساتھ ہو چکا وہ جھرنا کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔ تو سمجھدار تھی، جھیل گئی۔ وہ ناسمجھ ہے، اُس کے ساتھ کچھ ہوا تو وہ جیو ہتیا کر لے گی۔'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''میں خود سے نہیں آیا، تیری پُتری میرا ہاتھ تھام کر لے آئی۔ میری نظروں نے تیرے من کا روگ جان لیا۔ میں ابھی دو چار روز ہوں، پھر چلا جاؤں گا۔ میری بات کان کھول کر سن، ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ بھگوان یا دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں کچھ نہیں کرتیں۔ وہ کوئی دوش کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتیں۔ منش راکشس بن جاتا ہے..... اپنے من میں جھانک، اپنے جیون کی پستک کے پنّے پلٹ کر دیکھ، ایک پنّے پر تجھے اُس چنڈال کی صورت نظر آ جائے گی جو کالی کے پوتر استھان پر دھرنا جمائے بیٹھا پجارنوں کے اُجلے تن سے کھلونوں کی طرح کھیل رہا ہے..... دیو داسیوں سے من بہلا رہا ہے..... سمجھ گئی میری بات یا کھل کر تیرے جیون کی ساری کتھا سنا ڈالوں.....؟''

جمنا نے میرے پیر پکڑ لئے۔ جھرنا پہلے ہی میری شعبدہ بازی سے متاثر ہو چکی تھی۔ مجھے کالی کے مندر میں سر چھپانے کا ٹھکانا مل گیا۔ دونوں ماں بیٹیوں نے یقین دلایا تھا کہ

میرے بارے میں زبان نہیں کھولیں گی۔ میں نے سکون کا سانس لیا..... پنڈت نول کشور کے سیوکوں نے پورا مندر کھنگال ڈالا۔ جمنا کے گھر کی تلاشی نہیں لی گئی، میں محفوظ رہا۔ نول کشور، جمنا کی جوانی سے کھیل چکا تھا، اب جھرنا کی کمسنی میں نقب لگانے کی سوچ رہا تھا۔ اس کے دماغ کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہ آئی ہو گی کہ اس کا سب سے بڑا دشمن اس کے سب سے بااعتماد لوگوں کے گھر میں چھپا بیٹھا ہو گا۔

جھرنا الہڑ تھی، کمسن تھی، نادان تھی۔ ماں کو باتیں کرتا دیکھ کر اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں واپس لوٹ آئیں۔ وہ ہرنیوں کی مانند کلیلیں بھرنے لگی۔ کبھی بھاگ کر باہر جاتی، کبھی دوڑ کر اندر آتی۔ جو ہنگامے ہو رہے تھے اُن کا آنکھوں دیکھا حال بتانے لگتی۔ پنڈت نول کشور پر کیا قیامت گزر گئی، جھرنا کو اس کا مطلق اندازہ نہیں تھا۔ جمنا کے چہرے پر البتہ تشویش کے گھنے بادل منڈلانے لگے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے جمنا کو کریدنے کی خاطر انجان بن کر پوچھا۔ ''یہ جھرنا کیا خبریں سنا رہی ہے؟ باہر کیا ہو رہا ہے.....؟''

''بھگوان ہی جانے۔'' وہ نقاہت سے بولی۔ ''بہت دنوں سے ہر دوار کے آکاش پر کالے کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔ پنڈت پجاری بڑے پروہت کے ساتھ بیٹھے کھسر پھسر کرتے رہتے ہیں، کسی کو اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے..... تم آرام کرو۔ میں اب چلتا ہوں۔'' میں نے جان بوجھ کر اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی رہنے کا ٹھکانا بھی دیکھنا ہے۔ پنڈت نول کشور سے ملاقات بھی کرنی ہے.....''

''تم کہاں سے آئے ہو مہاراج.....؟'' جمنا نے دبی زبان میں پوچھا۔

''بنارس سے.....'' میں نے اُس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے بے پرواہی سے جواب دیا۔ ''دو تین دن ٹھہروں گا، پھر واپس چلا جاؤں گا۔''

''بڑے پروہت سے تمہاری ملاقات پہلے سے ہے یا پہلی بار ملو گے؟''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو.....؟'' میں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جب میں غنودگی کی حالت میں تھی تو تم جھرنا سے باتیں کر رہے تھے۔ تم نے کہا تھا کہ اگر کسی کے سامنے اس کی زبان تمہارے بارے میں کھل گئی تو بھونچال آ جائے گا۔'' وہ مجھے گھورنے لگی۔ ''تم نے کہا تھا کہ بڑے پروہت کو بھی تمہارے بارے میں معلوم نہ

ہو.....اوراب تم خود چل کر اُس کے پاس جا رہے ہو۔''

میں ایک لمحے کو سٹپٹا گیا، پھر مسکرا کر بولا۔ ''تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی.....''

''پھر جیسا تم چاہو.....لیکن میری مانو تو اس سمے بڑے پروہت سے نہ ملو تو اچھا ہوگا۔''

''کیوں.....؟''

''میں کوئی کارن تو نہیں بتا سکتی، پرنتو اتنا جانتی ہوں کہ کالی اپنے سیوکوں سے ناراض ہو گئی ہے۔'' اُس نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''کوئی چنتا ضرور ہے جس نے بڑے پروہت کو بیاکل کر رکھا ہے۔ وہ اپنے لوگوں پر بھی شک کرنے لگا ہے۔ تم نئے آئے ہو، وہ تمہارے اوپر بھی شبہ کرے گا۔''

''تم.....'' میں نے جمنا کی بات سن کر آنکھیں بند کر لیں، اُسے متاثر کرنے کے لئے میں کچھ دیر آنکھیں موندے رہا۔ اُس نے جو جملہ کہا تھا اس کے پس پردہ مجھے شیوا کا چہرہ نظر آنے لگا۔ انکارانی نے بتایا تھا کہ نول کشور نے اس کی بات نہیں سنی تھی، تہہ خانے کی کسی کال کوٹھڑی میں قید کر دیا تھا۔ میں جمنا کو اعتماد میں لے کر شیوا کا پتہ معلوم کر سکتا تھا۔ بات اگر شیوا کی نہ بھی ہوتی تو جمنا اس کا نام سن کر ضرور چونکتی۔ وہ اگر نول کشور کی خاص پجارن تھی تو پنڈت شیوا کے بارے میں بھی ضرور جانتی ہوگی۔ میں نے اُسے مرعوب کرنے کی خاطر صرف 'تم' کہہ کر بات ادھوری چھوڑ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ یقیناً پوری طرح میری طرف متوجہ ہوگی۔ میں نے کچھ توقف کے بعد دوبارہ آنکھیں کھولیں تو میرا قیاس درست ثابت ہوا۔ جمنا مجھے ٹکٹکی باندھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پہلو بدل کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں تم کس کی بات کر رہی ہو۔ میں بھی اُسی کو کھوجنے آیا ہوں۔ نول کشور نہیں جانتا، مجھے معلوم ہے کہ وہ نردوش ہے۔'' میں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر گمبھیر آواز میں سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''وہ نردوش نہ ہوتا تو کالی اپنے سیوکوں سے ناراض بھی نہ ہوتی، اس سمے جو شور وغل ہو رہا ہے، وہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔''

''تم کس کی بات کر رہے ہو مہاراج؟'' جمنا نے کسمسا کر پوچھا۔

''وہی..... جو پہلے بڑے پروہت کا خاص آدمی تھا۔'' میں نے شیوا کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے سرسراتی آواز میں کہا۔ ''اب بغیر کسی پاپ کے سزا بھوگ رہا ہے۔''

''میرے من کی دُبدھا سمجھ رہا ہوں۔ تو بھی اسی نیک منش کے لئے بیاکل ہو رہی ہے.....''

''مہاراج.....'' اُس نے بڑی عقیدت سے میرے قدموں کو ہاتھ لگا کر چومتے ہوئے زبان میں کہا۔ ''جب تم دلوں کا بھید جاننے کی شکتی رکھتے ہو تو پھر بڑے پروہت سے بھی کیوں کر رہے ہو.....؟''

''سر چھپانے، رات گزارنے کے لئے کوئی ٹھکانا تو ڈھونڈنا پڑے گا۔'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر ہلکی سی ضرب لگائی، مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

''ایک بنتی کروں مہاراج.....'' وہ ہاتھ جوڑ کر مجسم التجا بن گئی۔ ''غریب پجارن کا یہ ٹھکانا تم جیسے مہان دیوتا سمان منش کو شوبھا تو نہیں دیتا۔ لیکن تم یہیں بسیرا کر لو تو زیادہ اچھا ہوگا۔ ہمارے بھاگیہ بھی کھل جائیں گے۔''

''کسی کو بھنک مل گئی تو وہ تیرے اور جھرنا کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کریں گے۔'' میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

''تم اس کی چنتا مت کرو، جھرنا بھی زبان بند رکھے گی۔ میں بھی کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔'' اُس نے یقین دلایا۔

''ایک شرط پر.....'' میں نے اُس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''میرے من کی بھید..... ایک کال کوٹھڑی چمچما رہی ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ اُسے وہیں قید کیا ہوگا۔ اسے کھوجنے میں تجھے میری سہائتا کرنی ہوگی..... تیار ہے جان جوکھم میں ڈالنے کو.....؟''

''تم..... تم پنڈت شیوا ہی کی بات کر رہے ہو نا مہاراج؟'' جمنا کی زبان پر شیوا کا نام آ گیا۔ اُس نے اپنی مجبوری کا اظہار بھی کر دیا۔ ''میں تمہیں وہاں تک نہیں لے جا سکتی، لیکن راستہ ضرور دکھا سکتی ہوں جو اس تہہ خانے کو جاتا ہے، جہاں اُس مہان پنڈت کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا ہے۔''

میرے لئے جمنا کا وجود کالی کے اس مندر میں جہاں ہر طرف کھلبلی مچی ہوئی تھی، کسی سہارا دار درخت سے کم نہیں تھا۔ میں نے اُسی کے کوارٹر کے ایک گوشے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ رات ایک دن سکون سے گزر گیا۔ انکا نے جھرنا کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔ وہ کمسن ہونے کے باوجود بڑی ذہین ثابت ہو رہی تھی۔ اُس کے کہیں آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ نول کشور، جمنا کے بعد جھرنا کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے سہانے سپنے

دیکھ رہا تھا۔ ایک دو بار اُس نے جمنا کو بھی اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔ جمنا ایک مال بھی تھی۔ وہ نول کشور کی بات سن کر کانپ اُٹھی تھی۔ اُس کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی مندر کے اندر کھلنے والی ہر کلی پر پہلا حق بڑے پروہت کا ہوتا ہے، اس کے بعد دوسرے بھی اس کی مہک سے حیثیت بھر استفادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ مندروں میں یہی کچھ ہوتا ہے، چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اس لئے ایک دوسرے پر اُنگلیاں بھی نہیں اُٹھائی جاتیں۔ کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کے لئے بھی پجارنوں کے خون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بڑی ہولناک رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ پجاریوں اور دیوداسیوں کی تعداد کا حساب کتاب بھی ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ تمام باتیں خود جمنا نے رو رو کر بتائی تھیں۔ میرے اُوپر اُس کا اعتماد بڑھتا جا رہا تھا۔

اس وقت بھی میں جمنا کے ساتھ بیٹھا حالات کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا جب اچانک پانچ چھ ہٹے کٹے پجاری ہاتھوں میں لٹھ لئے دندناتے ہوئے اندر گھس آئے..... سیّد کی لاٹھی میرے قریب ہی رکھی تھی۔ میں نے برق رفتاری سے اُسے اُٹھا کر گھمایا، لاٹھی بجنے لگی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے حلق سے بڑی کربناک چیخ کی آواز بلند ہوئی تھی۔ میں نے اُچھل کر پوزیشن تبدیل کی۔ جمنا بھاگ کر ایک طرف ہو گئی۔ ایک پجاری نے اُسے بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا، وہ چکرا کر منہ کے بل گری۔ میں نے پینترا بدل کر دوسرا وار کیا، ایک شخص اور ڈھیر ہو گیا۔ باقی پیچھے کھسکنے لگے۔ میں نے لاٹھی لہرا کر اُنہیں للکارا۔

''پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو حرام زادو..... مرد بنو، باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرو۔ اپنے باقی ساتھیوں کو بھی بلا لو۔ آج یہ فیصلہ بھی ہو جائے کہ کون بڑا ہے، کون چھوٹا.....''

''تم پوری طرح ہمارے نرغے میں پھنس چکے ہو۔'' اُن میں سے ایک غرایا۔ ''سیدھی طرح لکڑی پھینک کر خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''پنڈت نول کشور کے اشاروں پر ناچ رہے ہو کمینو.....'' میں گرج کر بولا۔ ''تم اس منڈل کا انجام بھی دیکھ چکے ہو جو تمہارے پروہت نے بڑے مان سے کھینچا تھا، کیا حاصل ہوا.....؟ آنکھیں کھولو، حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ خود عیش کر رہا ہے، تمہیں ایک اور کے میرے انتقام کی آگ میں جھونک رہا ہے۔ پنڈت کالی داس کا انجام کیا ہوا..... اوم پرکاش بھی کام آ گیا۔ میں اب بھی تمہارے سامنے سینہ تانے کھڑا ہوں۔ اُس بیچارے

کو کہ اگر مرد ہے تو سامنے آئے۔ تم کیوں مفت میں گاجر مولی کی طرح خود کو کٹوانے پر تلے ہو۔'' میں سیّد کی لاٹھی لہراتا رہا، میرے حلق سے انگارے اُبلتے رہے۔ میں نے کہا۔ ''سامنے آنے سے ڈرتا ہے تو مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ سن رہے ہو میری بات؟''

''تمہارا سے پورا ہو گیا جمیل احمد خاں۔'' اُنہوں نے سفاک لہجہ اختیار کیا۔ ''ہم کالی کے پوتر مندر میں تمہارا پلید خون نہیں بہانا چاہتے۔ تم جو سپنے دیکھ رہے ہو وہ پورے نہیں ہوں گے۔ دُرگا کے علاوہ کالی کا آشیرواد بھی ہمارے ساتھ ہے۔ تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔''

میرے جنون میں اضافہ ہونے لگا۔ میں لاٹھی لہراتا آگے بڑھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے کوارٹر سے باہر آ گئے۔ میں سمجھا اُن کے قدم اُکھڑ رہے ہیں۔ وہ میرے خلاف جال بُن رہے تھے۔ انکارانی نے آخری وقت تک یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاؤں، جلد بازی کا مظاہرہ نہ کروں۔ خود کو حصار میں رکھوں، اس سے باہر نکلنے کی حماقت نہ کروں۔ میں جمنا اور جھرنا پر بھروسا کر کے بے فکر ہو گیا تھا۔ یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ پنڈتوں کے جنتر منتر کے بیر بھی مجھے تلاش کر سکتے ہیں۔ پہلے بھی کئی موقعوں پر میری خوش فہمی مجھے بدترین حالات سے دوچار کر چکی تھی۔ ایک بار پھر میرے ستارے گردش میں آ گئے۔ میں جمنا کے کوارٹر سے باہر نکلا تو اُن کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا..... باہر درکئی سورما دروازے کے دائیں بائیں لٹھ اُٹھائے موجود تھے۔ کسی بزدل نے چھپ کر پشت سے بھرپور وار کیا..... سیّد کی لاٹھی پر میری گرفت کمزور پڑنے لگی۔ میرے سر پر کئی سورج طلوع ہو کر تیزی سے غروب ہوتے چلے گئے..... میں سنبھل نہ سکا، وہ میرے سر پر، جسم پر مسلسل برسا رہے تھے۔ میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ساری حسرتیں تڑپ کر رہ گئیں..... میری آنکھوں تلے اندھیرا پھیلنے لگا۔

''مار ڈالو سالے مُسلے کو..... قیمہ بنا دو.....'' کئی ملی جلی آوازیں میرے کانوں میں گونجیں۔ پھر ہر احساس تاریکی میں گم ہو کر رہ گیا.....!!

میں کب تک بے ہوش رہا، کتنے عرصے بے خبری کی کیفیت سے دوچار رہا، اُنہوں نے میرے اُوپر کیا کیا ستم ڈھائے، کیا کیا ظلم کئے، مجھے کچھ یاد نہیں۔ جب دوبارہ ہوش آیا تو میرا جوڑ جوڑ ناسور کی طرح دُکھ رہا تھا۔ اذیتناک تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو یوں لگا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہوں..... لیکن

وہ خواب نہیں، حقیقت تھی۔ میں کالی کے قد آور بت کے سامنے بیس فٹ کے فاصلے پر ایک ستون سے بندھا کھڑا تھا۔ میرا جسم رسیوں سے نہ جکڑا ہوتا تو شاید میری ٹانگیں میرے وجود کا بوجھ برداشت نہ کر سکتیں۔ میرے دائیں بائیں پنڈت پجاری قطار بنائے کھڑے مجھے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھور رہے تھے۔ کالی کے بت کے سیدھے ہاتھ پر ایک ہٹا کٹا دراز قد شخص ایک اُونچی کرسی پر بیٹھا مجھے بڑی کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں پنڈت نول کشور کا نام گردش کرنے لگا۔ اُس کی خوفناک نظروں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میری نظریں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر میرے خون نے جوش مارا۔ میں نے نندا کے بتائے ہوئے عمل کو پڑھنے کی کوشش کی، میری زبان نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے عالم تصور میں انکارانی کو آواز دی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ مندر سے باہر رہ کر بھی مجھ سے دُور نہیں رہے گی، میں جہاں جاؤں گا اس کے آس پاس کا کچھ حصہ اُسے نظر آتا رہے گا۔ جھرنا سے ملاقات کے بعد میں نے واضح طور پر اُس کی آواز بھی سنی تھی..... اُس نے کہا تھا کہ جھرنا میرے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔ لیکن اس وقت کوئی میری بدنصیبی میں شریک ہونے کے لئے سامنے نہیں آیا۔ مجھے تنہا ہونے کا احساس ڈنک مارنے لگا۔

میں اپنی بے بسی پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ کلدیپ نے کہا تھا کہ سیّد کی لاٹھی کسی آخری موقع پر میرے کام آئے گی..... وہ بھی میرے ہاتھ سے کہیں نکل گئی تھی۔ انکارانی بھی کہیں دُور کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہوگی۔ دُرگا نے کلدیپ اور پریتم لال کو میرے راستے سے علیحدہ کر دیا تھا۔ کالی کی شکتی نے شاید انکارانی کی قوتِ پرواز بھی چھین لی ہوگی..... کمسن جھرنا کیا کر سکتی تھی؟ وہ تو خود عتاب کا نشانہ بن رہی ہوگی۔ مجھے جمنا کے گھر سے برآمد کرنے کے بعد اُنہوں نے جمنا کو ضرور مار ڈالا ہوگا۔ اُس کا جرم بے حد سنگین تھا، اُس غریب نے کالی کے مندر کے بڑے پروہت پنڈت نول کشور مہاراج کے مقابلے میں جمیل احمد خاں کی مدد کی تھی۔ اُسے سنگین جرم کی سزا بھی بڑی سنگین ملی ہوگی۔ جھرنا شاید محفوظ ہو..... اُس کمسن جوانی دیکھ کر میرے دشمنوں کو شاید اُس پر رحم آ گیا ہو۔ گودے دار ہڈی دیکھ کر تو خارش زدہ کتا بھی دُم ہلانے لگتا ہے۔ جھرنا تو جوانی کی سرحدوں پر دستک دے رہی تھی۔ ہوسکتا ہے نول کشور نے اُسے خود سزا دینے کی خاطر اپنے کسی کمرۂ خاص میں بند کر

رکھا ہو، بہت کچھ ممکن تھا۔

میرے ذہن میں گرم ہوا کے تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ میں نے کئی بار اپنی قوتوں کو آزمانا چاہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ شاید کالی کی مہان شکتی نے مجھے پوری طرح بے بس کر دیا تھا، میری تمام قوتیں سلب کر لی گئی تھیں۔ میرے دل نے کہا۔

"جمیل احمد خاں، اب اپنی شکست تسلیم کر لو۔ بہت کھیل کود چکے، ہر کہانی کا کوئی نہ کوئی انجام ضرور ہوتا ہے۔ تمہاری زندگی کی کہانی تو بڑی رنگین تھی۔ تم ہمیشہ سرکش گھوڑے کی مانند ہنہناتے رہے، تم نے جو چاہا وہ ہوا۔ جو مانگا وہ ملا۔ انکارانی کے سر پر آنے سے پیشتر تم کچھ بھی نہ تھے، وہ مہربان ہوئی تو قارون کا خزانہ تمہارے ہاتھ آ گیا، تم اپنی اوقات بھول گئے، ہواؤں میں پرواز کرنے لگے، دُور دُور کی سوچنے لگے۔ دولت، عزت، شہرت تمہیں سب کچھ ملا۔ جن مہ جبینوں کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے وہ بھی تمہاری آغوش میں مچلنے پر مجبور ہوگئیں۔ نرگس کے بارے میں سوچو، مالا رانی پر غور کرو، کلدیپ کے حسن کا اندازہ لگاؤ۔ کیا تم اُن کے قابل تھے؟..... نہیں، سب انکارانی کی مہربانی تھی، اُس کی پراسرار قوت تمہارے کام آتی رہی۔ تم رنگ رلیاں مناتے رہے۔ لندن میں بھی تم نے کھیل تماشے دکھا لئے، ہندوستان کے گوشے گوشے میں تمہارے نام کی گونج کسی نہ کسی طور سنائی دیتی رہی۔ لیکن کب تک..... کبھی نہ کبھی تو تمہارے عروج کو زوال ہونا ہی تھا۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔ کل تک تم دوسروں کی موت پر قہقہہ لگاتے تھے، فخر سے سینہ تان کر چلتے تھے، آج اپنی باری آئی تو بغلیں جھانکنے لگے..... ایسی بھی کیا کم ہمتی؟ مرد بنو..... مرد۔ گردن اُٹھا کر موت کا استقبال کرو۔ دوسروں کو بھی ہنسنے کا موقع دو....."

"کیا سوچ رہے ہو جمیل احمد خاں.....؟" پنڈت نول کشور نے مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ "تم تو ساگر کی لہروں کی طرح بڑا اُچھل کود کرنے کے عادی تھے۔ بڑا شور شرابا مچا رکھا تھا تم نے۔ جنگلی سور کی طرح کھیت کھلیان کو روندتے پھر رہے تھے، کسی کو منہ میں لگام ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے تھے..... آج دم سادھے کھڑے ٹکر ٹکر کیا گھور رہے ہو؟ کیا سانپ سونگھ گیا؟ من ہی من میں ہمیں کشٹ دینے کے بارے میں کیا کیا سندر سپنے دیکھ رہے ہو؟ کچھ ہمیں بھی سناؤ....."

"کالی کے سامنے آتے ہی میّا مرگئی سالے کی۔" ایک منہ زور پنڈت نے دل کی

بھڑاس نکالی۔ ''کل تک بڑے اُونچے سُروں میں لمبی چوڑی باتیں کرتا تھا۔''

میں رسیوں کے شکنجے میں جکڑا کھڑا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی زبان میں زہر اُگل رہے تھے۔ میری قوتِ گویائی میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میرے لئے وہ لمحے بڑے اعصاب شکن تھے، مجھے بے عزتی کی موت منظور نہیں تھی۔ میں نے بار بار پھڑ پھڑانے کی کوشش کی، ہر بار بندشیں میرے گوشت میں ہی پیوست ہوتیں تو میں اذیت سے بلبلا اُٹھتا۔ وہ حق بجانب تھے۔ میں نے بھی اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی۔ جو بھی سامنے آیا اُسے اپنے قدموں تلے روندتا چلا گیا، لیکن ایک فرق ضرور تھا، میں نے کسی کے ہاتھ پیروں کو جکڑ کر اُس کو اپنی مردانگی کا ثبوت نہیں دیا۔ مجھے ایک ایک کہانی یاد آ رہی تھی، میرے اندر طوفان کروٹیں بدلتا رہا، شعلے بھڑکتے رہے لیکن شاید دُرگا اور کالی کی قوتوں نے مل کر مجھے بے بس کر دیا تھا۔ کتوں کے غول میں عید منائی جا رہی تھی۔ پنڈت نول کشور دُور بیٹھا سر پھرے پجاریوں کو بھڑکا رہا تھا، وہ سب آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ بڑی مغلظات گالیاں بک رہے تھے۔ میری طرف منہ اُٹھا اُٹھا کر تھوک رہے تھے۔ اُن کے بس میں ہوتا تو مجھ پر ہلا بول دیتے، میرے جسم کی تکہ بوٹی کر ڈالتے۔ لیکن نول کشور نے اُنہیں قریب آنے سے روک رکھا تھا، وہ مجھے آسان موت نہیں مارنا چاہتا تھا، سسکا سسکا کر، اذیتیں دے دے کر مارنا چاہتا تھا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔

''بڑی آنکھیں لال پیلی کر رہے ہو مہاراج.....'' نول کشور نے میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کی کوشش کی۔ ''کیا ہم سے تمہارے سواگت میں کوئی بھول ہو گئی؟ تم تو بڑے بڑے دعوے کر رہے تھے، بڑے بڑے جال بُن رہے تھے، اب چپ کیوں ہو؟..... کوئی منتر پڑھ کر پھونک مارو، ہمیں جلا کر بھسم کر دو، دیوی دیوتاؤں کی شان میں برے شبد اپنی گندی زبان سے نکالو، تم یہی کیا کرتے تھے نا، اور..... وہ کہاں گئی؟ تمہاری بیر بہوٹی، ڈیڑھ بالشت کی چھیا۔ سنا ہے وہ بھی تمہارا ساتھ چھوڑ گئی۔ ایک بار اُسے پھر آواز دو، شاید اُس پودنی حرافہ کو تمہارے اُوپر دیا آ جائے، تمہارا اُس کا تو برسوں کا گٹھ جوڑ تھا، اُسی کے کارن تم کیچڑ کے مگرمچھ کی طرح شکار کھیلا کرتے تھے۔ پنڈت بدری نرائن یاد ہے تمہیں؟ تمہاری وہ رکھیل کلدیپ پہاڑ سے اُتر کر نیچے نہ آ جاتی تو مہاراج امرلال تمہارا وہ انجام کرتا کہ دنیا دیکھتی۔ بدری نرائن بھی تمہیں تڑپا تڑپا کر کتوں کی موت مارتا۔ تمہاری اس

بدصورت رکھیل کے دن بھی پورے ہو چکے تھے۔ آخری سمے میں وہ کالی کے چرنوں میں گر گئی۔ کالی نے دیا کھا کر اُس کی بھینٹ سویکار کر لی..... یاد ہے تمہیں.....؟''

کلدیپ کا نام لے کر اُس نے بھڑکتی چنگاری پٹرول کے کنویں میں ڈال دی تھی۔ میری آنکھوں میں خون اُتر آیا، پُتلیاں حلقوں سے اُبل پڑنے کے لئے بے چین ہو گئیں۔ میری رگوں میں خون کی جگہ کن کھجورے دوڑنے لگے۔ میں نے پھر پوری قوت صرف کر دی لیکن زچ کر رہ گیا۔

''سندر ناریوں کو جال میں پھنسانا تجھے خوب آتا ہے۔'' نول کشور نے میری وحشت، میرے جنون کی بے بسی کا تماشہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جمنا بھی تیری باتوں میں آ گئی۔ اُسے بھی اپنے کئے کی سزا بھوگنی پڑے گی۔ ہم نے اس ویشیا کو کالی کے پوتر چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کا فیصلہ کر لیا ہے.....''

میرا دل چاہا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر نول کشور کی ذہنی قلاشی پر قہقہے لگانا شروع کر دُوں۔ وہ جمنا کو ویشیا بھی کہہ رہا تھا اور اُسے کالی کے پوتر چرنوں میں قربان کرنے کی باتیں بھی کر رہا تھا۔ کل تک جس کی چھاتیوں کے درمیان منہ رگڑ کر رانی جانی کہتا تھا، آج اُسے ویشیا کہہ رہا تھا۔

''مہاراج.....'' ایک پستہ قد پجاری نے قطار سے نکل کر پنڈت نول کشور کو مخاطب کیا۔ ''گرو دیو، تم آ گیا دو تو میں اس لچھ کو اپنے دو چار کرتب بھی دکھا دُوں.....؟''

نول کشور نے اجازت دے دی ٹھگنے پجاری نے سر جھکا کر ڈنڈوت کیا، پھر پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں نے رنگ بدلنا شروع کیا۔ اُس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ کسی منتر کا جاپ کر رہا تھا، سب کی نظریں ہم دونوں پر جمی تھیں۔ پستہ قد پجاری نے منتر پڑھ کر زوردار پھونک ماری، میرے چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اُس کی تپش میرے جسم کو جھلسانے لگی۔ اُس نے اُلٹا ہاتھ اُٹھا دیا، شعلے غائب ہو گئے۔ میں نے عکون کا سانس لیا۔ لیکن میرا سکون زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ پجاری نے اُچھل کر سیدھا پاؤں زمین پر مارا، میرے کانوں میں کسی خوفناک درندے کی غراہٹ کی آواز اُبھری..... میں نے پلٹ کر بائیں جانب دیکھا، وہ خرگوش اور بندر سے ملتا جلتا کوئی عجب الخلقت جانور تھا جو پنجے سکیڑے پیٹ زمین سے چپکائے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اُس کی

آنکھیں سرچ لائٹ کی تیز روشنی کی طرح چمک رہی تھیں۔ مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قسم کا کوئی جانور پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بار اُس نے منہ کھولا تو میں کپکپا کر رہ گیا..... اُس کے لمبے لمبے نوکیلے دانت بے حد خوفناک دکھائی دے رہے تھے۔ اُس کی زبان پر جنگلی نیبو کے درخت کی طرح بڑے بڑے کانٹے اُگے ہوئے تھے۔

''جے بجرنگ بلی..... جے بھوانی.....'' پجاری نے کھڑے کھڑے ہوا میں قلابازی کھا کر نعرہ بلند کیا۔ عجیب الخلقت جانور فضا میں اُچھل کر میری سمت آیا۔ اُس کے نشتر جیسے پنجے ایک ہی جھپٹے میں میرے جسم میں کئی شگاف پیدا کر گئے..... میرے بدن سے لہو کی دھاریں اُبلنے لگیں..... پنڈت پجاریوں نے ''جے ماتا، جے کالی'' کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ زمین پر ٹکتے ہی اُس منحوس درندے نے بلی کی طرح دوبارہ چھلانگ ماری۔ اپنے پنجے میرے بدن میں گاڑ کر میرے جسم سے لپٹ گیا..... اُس کے نوکیلے دانت میری چھاتی کی بوٹیاں اُدھیڑنے لگے..... اُس نے اپنی گندی زبان کے زہریلے کانٹے میرے جسم میں چبھوئے تو میں کربناک حالت سے دوچار ہو گیا۔ میرے زخموں پر جیسے کسی نے پسی ہوئی سرخ مرچ چھڑک دی ہو..... میری پلکوں کے نیچے اندھیرے کوندنے لگے۔ نوجوان پجاری نے اُلٹا پاؤں زمین پر مارا تو جانور اُچھل کر فرش پر گرا، پھر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ پراسرار طور پر اپنی جسامت کم کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چیونٹے کی شکل اختیار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ میرا جسم لہولہان ہو رہا تھا..... میرے زخموں میں اُس جانور کی زبان کے کانٹوں نے جیسے آگ بھر دی تھی۔ میں بے کسی کے عالم میں کسمسا رہا تھا۔ میرے دشمن قہقہے لگا رہے تھے۔ میرا ذہن ڈوبنے لگا۔ شاید موت کے سرد ہاتھ میری مشکل آسان کرنے کی خاطر میری رُوح قبض کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے..... میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

''نہیں جمیل احمد خاں..... نہیں۔'' پنڈت نول کشور کی کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''ہم تمہیں اتنی آسان موت نہیں مرنے دیں گے۔ اپنے ایک ایک آدمی کا حساب گن گن کر لیں گے۔ تم ہماری اجازت کے بغیر مر بھی نہیں سکو گے۔ تم نے جو کچھ دیکھا، جو محسوس کیا وہ تو کیول ایک ناٹک تھا۔ ہم تمہیں اپنے بالکوں کی شکتی کا کھیل دکھا رہے تھے۔

آنکھیں کھول کر دیکھو، تم بھلے چنگے کھڑے ہو۔ اتنی جلدی کیسے مر سکتے ہو؟ ابھی تو تم کو بہت کچھ اور دیکھنا ہے.....''

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ میری نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں..... میں دم بخود رہ گیا۔ پریشان نظروں سے اپنا جسم ٹٹولنے لگا، میرے بدن کے کسی حصے پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ لہو کا ایک قطرہ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ میرے زخموں کی جلن چھومنتر ہو گئی تھی۔ پستہ قد پجاری میرے اور نول کشور کے بیچ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ درمیان سے ہٹ گیا۔ میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گا کہ ایسا شعبدہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کچھ دیر بعد نول کشور کے حکم پر جمنا کو گھسیٹ کر سامنے لایا گیا۔ اُس کے منہ سے خون جاری تھا، آنکھوں سے موت کا بھیانک احساس جھانک رہا تھا۔ اُس کے جسم پر لباس نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ وہ کالی کی قد آور مورتی کے سامنے مادر زاد برہنہ کھڑی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کچھ پنڈت پجاریوں کی زبان اس وقت بھی ہونٹوں پر لپلپا رہی تھی۔ دو ہٹے کٹے پجاریوں نے جمنا کو ہاتھ تھام کر جکڑ رکھا تھا، اُس غریب نے میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا غو غاں..... آں غاں کی آوازیں نکالنی شروع کیں تو میں ساری جان سے لرز اُٹھا..... ظالموں نے اُس کی زبان کاٹ کر بولنے سے محروم کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ مجھے اپنی بے گناہی کا یقین دلا رہی تھی۔ مجھے پہلے بھی یقین تھا کہ اُس نے یا جھرنا نے میرے خلاف مخبری نہیں کی ہو گی۔ میں اس بدنصیب کی کوئی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے وہاں موجود پنڈت پجاریوں کو رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان میں کئی اُس کے جسم سے کھیل چکے ہوں گے، بہتوں نے اُس کے تلوے چاٹ کر بوڑھی رگوں کے نیم گرم خون کو جھوٹی تسلی دی ہو گی، کچھ کل تک اُس کے طلب گار بھی رہے ہوں گے، آج سب سے آنکھیں پھیر رکھی تھیں۔

پنڈت نول کشور کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کالی کی مورتی کے سامنے کئی بار جھک جھک کر ڈنڈوت کرتا رہا، پھر اُس نے بلند آواز میں کچھ اشلوک پڑھنے کے بعد بولنا شروع کیا۔

''ماتا..... تو مہان ہے۔ تیری شکتی اپرم پار ہے، ہم تیرے پجاری، تیرے بالک سمان ہیں۔ ہم سے کوئی بھول چوک ہوئی ہو تو ہمیں شما کر دینا۔ ہم منش ہیں، اَن کھاتے ہیں،

دھرتی کے چکر میں اُلجھ کر ہماری بدھی کام نہیں کرتی تو کبھی کبھی پاپ کر بیٹھتے ہیں۔ اس پاپ کا پراسچت بھی اپنا دھرم سمجھتے ہیں..... ماتا تو دیوی ہے، تو ہمارے من کے بھید بھاؤ جانتی ہے۔ ہم سب تیری شرن میں ہیں، تیرا ابکار نہ ہوتا تو ہم بھی دوسرے پاپیوں کی طرح در بدر ٹھوکریں کھا رہے ہوتے۔ ہم تیرے بتائے ہوئے راستوں پر پگ دھرنے کے عادی ہیں۔ تیری سیوا کرنا ہمارا دھرم ہے، تیرے چرنوں میں بھینٹ اور بلیدان پیش کرنا بھی ہمارا دھرم ہے۔ تجھے راضی کرنا، تجھے خوش رکھنا بھی ہمارا دھرم ہے۔ آج تیرا یہ سیوک پھر تیرے پوتر چرنوں میں ایک ایسی پاپی پجارن کی بھینٹ چڑھا رہا ہے جس نے تجھ سے پریم کرنے والوں کے ساتھ دھوکا کیا۔ ہم بنتی کرتے ہیں ماتا، کہ ہماری اس بھینٹ کو اپنے چرنوں میں سویکار کر لے۔''

نول کشور نے اپنی چرب زبانی ختم کی تو کالی کے پجاریوں نے جے جے کار کے نعرے بلند کئے۔ پجارنوں کی ایک ٹولی نے اندر آ کر بھجن گانا شروع کر دیا۔ جھرنا مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ نہ جانے اُس کمسن کے ساتھ ان ظالموں نے کیا برتاؤ کیا ہوگا۔ میرے ذہن میں جھرنا کی معصومیت کلبلا رہی تھی۔ نظریں جمنا پر تھیں جسے بھنگ یا پھر کوئی اور نشیلی چیز زبردستی پلائی جا رہی تھی۔ کچھ دیر میں وہ نشے سے چکرانے لگی تو اُسے گھسیٹ کر کالی کے قدموں کے سامنے چبوترے پر چت لٹا دیا گیا۔ دو پجاری اور لپک کر سامنے آ گئے۔ چاروں نے مل کر اُس کے ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک پاؤں کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔ موت کا بھیانک تصور نشے پر غالب آتا تو جمنا کا جسم کمان کی طرح اکڑنے لگتا، چاروں پجاری پھر طاقت کے استعمال سے اُسے سیدھا کر دیتے۔ میں اس ہولناک رسم کو آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا۔ پنڈت نول کشور قریب کھڑا ہاتھ کے اشاروں سے اپنے آدمیوں کو ہدایتیں دیتا رہا۔ ایک پجاری نے آگے بڑھ کر جمنا کے سر کے بال کاٹ ڈالے۔ پھر دو پجاری بڑے بڑے چھرے لہراتے میدان میں کود پڑے۔ پجارنوں کے بھجن گانے کی آواز بتدریج بلند ہونے لگی۔ چھرے لہراتے ہوئے پجاری اُچھلتے کودتے جمنا کے قریب جاتے اور اُس کے جسم پر وار کر کے پھر رقص شروع کر دیتے۔ جمنا کے حلق سے غوں غوں، غاں غاں کی کربناک چیخیں بلند ہوتی رہیں..... اُس کا بدن لہولہان ہو رہا تھا۔ اُس کے جسم نے جھٹکے کھانا شروع کیا تو دونوں پجاری ایک دوسرے سے پشت ملا کر اُس کے خون آلود جسم پر بیٹھ گئے، اُن

کے اعضا جسم سے کاٹ کاٹ کر علیحدہ کرنے لگے..... میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

پجارنوں کے بھجن گانے کی آواز میں پجاریوں کا شور وغل بھی شامل ہو گیا۔ غالباً وہ بھینٹ کی بھیانک اور ہولناک رسم کی ادائیگی کے بعد خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کا شور وغل ختم ہوا تو میں نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اُبکائیاں آنے لگیں..... میں اُس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کرنے کی کوشش کی تو پجاریوں نے تیز دھار چیزوں سے مجھے ٹھونگے مارنا شروع کر دیئے۔ میں آنکھ کھلی رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ جمنا کے ہاتھ پاؤں اور چھاتیاں جسم سے علیحدہ کرنے کے بعد اُس کے خون سے چلو بھر بھر کر کالی کے جسم کو غسل دینے کی رسم پوری کر رہے تھے۔ میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ رسم ختم ہوئی تو جمنا کے جسم کے ٹکڑوں کو ٹھوکریں مار مار کر چبوترے سے ہٹا دیا گیا۔ پنڈت نول کشور کی نظریں پھر میری جانب اُٹھیں۔ ان میں فاتحانہ چمک تھی۔

''ہم نے جمنا کے بھینٹ کی رسم بہت سادگی سے ادا کی ہی..... تم نراش مت ہونا۔'' اُس نے سرد آواز میں کہا۔ ''تمہارے ساتھ ہم پورا پورا نیائے کریں گے، تم مہان شکتیوں کے مالک ہو تو پھر تمہارے ساتھ جو سلوک ہوگا، دُھوم دھام سے ہی ہوگا۔ ہم تمہیں موقع دیں گے، تم اُس ڈیڑھ بالشت کی چھمیا کو بھی بلا لینا، وہ بھی تماشہ دیکھ لے گی۔ اپنے دھرم کے دو چار بڑوں کو بھی بلا لینا، وہ اپنے دھرم کے انوسار تمہارا کریا کرم بھی کر دیں گے۔''

''مہاراج.....'' ایک ادھیڑ عمر پجاری نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''میں تو کہتا ہوں کہ آج ہی اس مُسلے کا جھٹکا کر ڈالو۔''

''ہاں مہاراج.....'' دوسرے نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ''شیوا کی نیت کے کھوٹ کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ اگر اُس نے اپنے ہاتھوں سے اس مُسلے کا سر کاٹ کر دیوی کے چرنوں میں رکھ دیا تو اسے شما کر دینا۔ میرا من کہتا ہے کہ وہ نردوش ہی ہوگا۔''

کئی اور آوازیں بھی شیوا کے حق میں بلند ہوئیں۔ پنڈت نول کشور سب کی سنتا رہا۔ سب اپنی اپنی کہہ چکے تو اُس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''دھیرج سے کام لو..... ہم شیوا کا امتحان بھی اوش لیں گے۔ سمے کا انتظار کرو۔ میں چندرا کو سندیس بھیجتا ہوں کہ پنچھی ہمارے جال میں پھنس گیا ہے۔ اُس کا بھی کچھ حساب کتاب نکلتا ہے، اُس کے من میں بھی سورگ باشی امرلال مہاراج کی چتا کی اگنی ابھی تک

سلگ رہی ہوگی۔ وہ آجائے گا تو مل بیٹھ کر آرام سے فیصلہ کریں گے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو جمیل احمد خاں پہاڑ تلے آئے ہیں، یہ بڑی مہان شکتیوں کے مالک رہ چکے ہیں، ان کے سر پر کبھی انکارانی براجمان ہوا کرتی تھی، ہمارے بڑے بڑے گیانی دھیانی بھی اُس نٹ کھٹ بلا کو قابو کرنے کے کارن جان گنوا چکے ہیں۔ وہ بھی بڑی حرافہ ہے، جس کے سر پر ہوتی ہے کیول اُسی کی بات سنتی ہے، دوسروں سے سارے پرانے رشتے ناتے تمام بندھن توڑ لیتی ہے۔ منش کے خون کا بھوجن کرتی ہے، سندر ناریوں کی رگوں میں دوڑتا ہوا جوان خون اُسے زیادہ بھاتا ہے۔ بڑے بڑے پنڈت پجاری اُس کے درشن کو ترستے ہیں، کئی اُس کی آشا میں آج بھی منڈلوں میں دُھونی رمائے بیٹھے سندر سندر سپنے دیکھ رہے ہوں گے، جاپ کرتے ہوں گے۔ وہ بڑی مشکل سے کسی کے جال میں پھنستی ہے۔ لیکن یہ مُسلا بڑا بھاگیہ شالی (خوش قسمت) ہے۔'' نول کشور نے میری جانب اشارہ کیا۔ ''قسمت کا بڑا دھنی ہے جو بیٹھے بٹھائے وہ چنچل گجریا اس کے سر پر بیٹھ گئی۔ یہ اپنی اوقات ہی بھول گیا، سب سے پنجہ لڑانے لگا۔ بڑے عیش کر لئے اس نے، بڑی رنگ رلیاں منا چکا، بہت دُھوم دھڑکا کر لیا، اب پھنسا ہے ہمارے جال میں..... چندرا کو آنے دو، پھر ہم اُس سور کی اولاد کا کریا کرم بھی دُھوم دھام سے ہی کریں گے۔''

میں صرف سن سکتا تھا، کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ میری کلدیپ کی شان میں گستاخانہ جملے بولتے رہے، میں آگ پر لوٹتا رہا۔ وہ انکارانی کو بھی برا بھلا کہتے رہے، میں سنتا رہا۔ انہوں نے میری قسمت کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کی، اُنہیں اُس سنپولے چندرا کا انتظار تھا جس کے باپ کو میری کلدیپ نے بڑی عبرتناک سزا دی تھی۔ اُس نے پہل نہیں کی تھی۔ آخری وقت تک امر لال سے یہی درخواست کرتی رہی کہ وہ میرے اور بدری نرائن کے درمیان سے ہٹ جائے، ہمیں آپس میں نمٹ لینے دے۔ اُس نے بھی یہی میں نہ بولنے کا وعدہ کیا تھا، امر لال نے کلدیپ کی بات نہیں مانی۔ وہ بے قصور تھی، میری خاطر اُس نے پوری جوانی داؤ پر لگا دی۔ میری ہی خاطر اُس نے کالی کو اپنی زندگی کی بھینٹ دینے کا وچن دیا تھا، وہ جب تک زندہ رہی پریتم لال کی کٹیا میں بیٹھی دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتی رہی۔ آج انہی دیوی دیوتاؤں کے ماننے والے اس عظیم عورت کو گالیوں سے نواز رہے تھے۔ میرے ہاتھ کھلے ہوتے، میں آزاد ہوتا تو ان کو اتنی جرأت کبھی نہ ہوتی۔ میں ان

کی زبانیں گدی سے کھینچ کر پیروں تلے روند ڈالتا۔ مرجاتا لیکن کلدیپ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کرتا۔

پنڈت نول کشور میری دھجیاں بکھیرتا رہا، مجھ پر طنز کرتا رہا، گھناؤنے الفاظ استعمال کرتا رہا۔ میں خاموش کھڑا سب کچھ سننے پر مجبور تھا۔ بازی یکلخت اتنی تیزی سے پلٹی تھی کہ میں بھی حیران رہ گیا۔ میں نے انکارانی کا مشورہ قبول کیا ہوتا، اپنے گرد حصار کھینچ لیا ہوتا، اس کے اندر پاؤں جمائے کھڑا رہتا تو شاید بساط کا رُخ نہ پلٹتا، صورت مختلف ہوتی۔

میں خاموش کھڑا اپنے خیالات میں مستغرق تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک سیّد مجذوب کو بھی میرے بارے میں خبر نہیں ہوئی۔ خبر ہوتی تو وہ ضرور آتا۔ نہ آتا تو دُور بیٹھے ہی اشارہ کر دیتا، میری مشکل حل ہو جاتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دوسروں کی طرح سیّد نے بھی نگاہیں پھیر لی ہوں، میری طرف سے مایوس ہو گیا ہو۔ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا، اُس کی رسائی بہت اُوپر تک تھی۔ قدرت نے اُسے دونوں ہاتھوں سے نواز رکھا تھا، وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہوگا۔ شاید اُسے بھی میرے انجام کی خبر ہو گئی ہو، اُس نے سمجھ لیا ہو کہ توبہ کے دروازے میرے اوپر بند ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد کسی کی مداخلت کام نہیں آتی، سب بے بس ہو جاتے ہیں۔ سیّد بھی بے بس ہو گیا ہوگا۔ اُس نے بارہا اشاروں کنایوں میں میری اصلاح کی کوشش کی تھی، میری بدنصیبی کہ اُس کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اُسے کھل کر کہنے کا اختیار نہیں تھا، میں اس کی تہہ تک ڈُبکی لگانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، بات بگڑتی چلی گئی، اب پچھتاووں سے کچھ حاصل نہیں تھا، بربادی شاید میرا مقدر بن چکی تھی۔ میں کیا شکوہ کرتا؟ کس منہ سے گلہ کرتا؟ انسان جو بوتا ہے وہی اُسے کاٹنا بھی پڑتا ہے..... میں نے تو کچھ بھی نہیں بویا تھا، ہواؤں کے دوش پر تصورات کے محل تعمیر کرتا رہا، خود بھی بھٹکتا رہا، دوسروں کو بھی بھٹکاتا رہا۔ کبھی اپنے گریبان کی سمت توجہ ہی نہیں کی..... پھر کس سے شکایت کرتا.....؟

پنڈت نول کشور دل کی بھڑاس نکال چکا تو اُس نے مجھے کسی تہہ خانے کی کال کوٹھڑی میں ڈلوا دیا۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ میں راستوں کا اندازہ بھی نہیں لگا سکا۔ چار گٹھے ہوئے جسم کے ہٹے کٹے پجاریوں نے مجھے دھکے مار مار کر کال کوٹھڑی تک پہنچایا۔ مجھے سیلی ہوئی بدبودار زمین پر اوندھا لٹا کر میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ پیروں

میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ زنجیر کا دوسرا سرا سنگلاخ دیوار میں لگے مضبوط آہنی کنڈے میں ڈال کر وزنی تالے لگا دیئے گئے۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ وہ جاتے جاتے کہہ گئے تھے کہ میں نے فرار کی کوشش کی تو میرا انجام اور بھیانک ہوگا۔ میں کوئی جواب نہ دے سکا، بدبو اور تعفن سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا، اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا، میرا ذہن پھر تاریکی میں ڈوبنے لگا.....

گھپ اندھیروں میں وقت کا احساس نہیں ہوتا، نظروں میں کانٹے سے چبھنے لگتے ہیں، ذہن اُلجھنے لگتا ہے، گھٹن کا احساس شدت پکڑنے لگتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہو، ذہن منجمد ہو گیا ہو۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا، موت کی خواہش ہوتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ زندگی ایک نعمت ہے، اُنہیں پکڑ کر کسی اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دو، روشنی کی کوئی کرن اُن کی آنکھوں تک نہ پہنچ سکے، کوئی بات کرنے والا نہ ہو، یہ خیال بھی لاحق ہو کہ باہر دشمن کی فوج موجود ہے، فرار کا کوئی راستہ نہ ہو، ہاتھ پیروں میں آہنی زنجیریں پڑی ہوں، ہر طرف تعفن پھوٹ رہا ہو، پھر میں دیکھتا ہوں کہ وہ زندگی کو نعمت سمجھتے ہیں یا موت کے لئے گڑگڑا کر دُعائیں مانگتے ہیں۔ میں درویشوں کی بات نہیں کر رہا، اُن برگزیدہ بندوں کی بات بھی نہیں کر رہا جو اللہ کو محبوب ہوتے ہیں۔ پیر و فقیر کی بات بھی اور ہوتی ہے، ان کے دل میں خدا کی یاد ہوتی ہے۔ جہاں خدا کی ذات مضمر ہو، وہاں اندھیروں کا گزر بھی نہیں ہوتا، روشنی ہی روشنی ہوتی ہے، نور کی بارش ہوتی ہے، تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، تنہائی کا احساس قریب نہیں پھٹکتا، فرشتے آس پاس موجود ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے اندھیرے بھی روشنی سے زیادہ منور ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے جیسوں کی بات کر رہا ہوں جو سوئی چبھنے سے بھی کراہ اُٹھتے ہیں۔

میں بے ہوش نہ ہو گیا ہوتا تو اذیت سے دوچار رہتا، بیہوشی بھی ایک نعمت ہے۔ انسان ہر فکر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شب و روز کے ہنگاموں سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا، زمین کی سیلن اور تعفن کے سبب میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں کب تک بیہوش رہا؟ مجھے اس کا مطلق کوئی اندازہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا یاد ہے کہ دوسری بار میری غفلت اس وقت ٹوٹی جب کوئی میرا ہاتھ تھام کر زور زور سے جھنجھوڑ رہا تھا۔ شاید میرے دشمنوں کو میری بیہوشی بھی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ مجھے بیدار رکھنا چاہتے تھے۔ میرے ذہن

ری غنودگی چھٹنے لگتی تو میں ہاتھ جھٹک کر پہلو بدل لیتا۔ سنگلاخ اور ناہموار زمین نے میرا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔ میں بیہوش رہنا چاہتا تھا، اسی کیفیت میں مر جانا چاہتا تھا۔ میں مر جاتا تو پنڈت نول کشور کے سارے خواب چکنا چور ہو جاتے، سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ چندرا واپس آ کر میری سرد لاش کو دیکھتا تو وہ بھی دل تھام کر رہ جاتا۔ اُس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک امر لال کا انتقام نہ لے لے گا، کسی عورت کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ اُس کی قسم پوری نہ ہوتی تو وہ پجارنوں اور دیوداسیوں کو دیکھ کر صرف ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر سکتا تھا، اُن کے تصور سے کھیل سکتا تھا، اُن کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ اُن کے کنوارے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو سے ہمیشہ محروم ہی رہتا۔ دوسرے موج میلا کرتے رہتے، وہ ولد الحرام دُور بیٹھا ندیدوں کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہتا۔ میری موت بھی ایک زاویئے سے اُن کی شکست ہوتی۔ شاید اسی لئے وہ مجھے ہوش میں لانا چاہتے تھے۔

ممکن ہے وہ میرا وہم رہا ہو، وہ دشمن کا آدمی نہ ہو کوئی حشرات الارض ہو، کوئی سانپ ہو جو میری خوشبو پا کر میری کلائی پر اپنی گرفت جمانے کی کوشش کر رہا ہو، میرے آس پاس منڈلا رہا ہو، خوشی سے پھن اُٹھائے ناچ رہا ہو..... میں اُس کے لئے ''بڑا کھانا'' ثابت ہوتا۔ اُسے ہفتوں خوراک کی تلاش میں بھٹکنا نہ پڑتا۔ مجھے سموچا نگلنے میں اُسے دقت ضرور پیش آتی، میں اُس کے لئے بھی ''لوہے کا چنا'' ثابت ہوتا۔ لیکن وہ پھر بھی اپنی کوششوں سے باز نہ آتا..... سانپ کی بجائے کوئی نیولا بھی ہو سکتا تھا، کوئی گھونس جو پتھروں کے اندر کی اندر سرنگ کھودنے کا کام اتنی مہارت اور چابکدستی سے کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ نول کشور کے گرگوں نے کوئی ایسا موذی جانور پال رکھا ہو جو نیندیوں کو سکون کی نیند نہ سونے دیتا ہو۔ وہ میرا روندا ہوا احساس بھی ہو سکتا تھا، نیند اور بے چینی کے درمیان کشمکش ہو تو حواسِ خمسہ پوری طرح سے معطل نہیں ہوتے، کوئی ایک حس دوسری حس پر غالب آتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی بلاوجہ بھی یہ خیال گزرتا ہے جیسے کوئی شے جسم پر رینگ رہی ہو، کوئی بدن کو چھو رہا ہو!

میں بھی ٹوٹتی ہوئی غنودگی کے عالم میں امکانات کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔ لیکن ایک بار پھر جب کسی نے مدھم آواز میں میرا نام لے کر آواز دی تو میں کسمسانے لگا۔

''کون ہے؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔ ''کون ہے جو میرے سکون کو برباد کر رہا ہے.....؟''

''اُٹھو مہاراج.....'' ایک نسوانی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ ''دیر مت کرو، ہو گئی تو تمہارے ساتھ میں بھی ماری جاؤں گی۔''

''کون.....؟'' میں نے اُس آواز کی بازگشت کو شناخت کرنے کی کوشش کی۔

''مم..... میں ہوں مہاراج، جھرنا۔ اُن ظالموں نے میری ماں کو کالی کے چرنوں پر بھینٹ چڑھا دیا، وہ مجھے بھی تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں اُن کے ہاتھ لگ گئی تو وہ دشٹ میرے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کریں گے۔''

خلافِ توقع جھرنا کی آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اُٹھا..... پاؤں میں پڑی زنجیریں بھی جاگ اُٹھیں۔

''آہستہ مہاراج..... آہستہ۔'' جھرنا نے سرگوشی کی۔ ''چار پانچ مستنڈے باہر بھی پہرہ دے رہے ہیں، اُنہیں خبر ہو گئی تو دروازہ کھول کر اندر آجائیں گے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، ہاتھ بڑھا کر گھپ اندھیرے میں جھرنا کے کمسن جسم کے نشیب و فراز کو ٹٹولنے لگا۔ اس عمل میں کسی نفسانی خواہش کو دخل نہیں تھا، وہ عمر میں میری تزئین سے بھی چھوٹی تھی، اُس کے بارے میں کوئی برا خیال دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ میں محسوس کرنا چاہتا تھا کہ میں زندہ بھی ہوں یا مر چکا ہوں؟

''کیا کرتے ہو مہاراج.....؟'' جھرنا نے پھر خطروں کا احساس دلایا۔ ''ہمارے پاس سمے بہت کم ہے۔''

''تم..... تم نول کشور کے آدمیوں سے بچ کر یہاں تک کیسے پہنچ گئیں؟'' میں نے ٹٹول کر اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''جس راستے سے آئی ہو اُسی راستے سے واپس چلی جاؤ۔ ہو سکے تو ایک دو روز کسی محفوظ مقام پر چھپی بیٹھی رہو۔ ابھی پنڈت پجاریوں کو تمہاری تلاش ہوگی۔ دو چار روز میں تھک کر بیٹھ جائیں تو کالی کے مندر سے کچھ دُور چلی جانا۔ ہر دوار بھی تمہارے لئے محفوظ نہیں ہوگا۔ سمجھ رہی ہو میری گڑیا، میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں؟ جلدی سے واپس بھاگ جاؤ.....''

''تم غلط سمجھ رہے ہو مہاراج.....'' اُس نے بدستور مدھم آواز میں کہا۔ ''میں مندر کے اندر نہیں تھی۔ جب وہ تم پر لٹھ برسا رہے تھے اُس وقت میں مندر ہی میں تھی، وہ تمہیں لے کر چلے گئے تو میں کوارٹر میں گئی، وہاں میری ماں نیم بیہوش پڑی تھی۔ میں اُس سے لپٹ گئی

نے اُس کو گنگا جل پلانے کی کوشش کی، اُس نے گنگا جل بھی نہیں پیا، جب تک ہوش رہا بار بار ایک ہی جملہ دہراتی رہی..... بھاگ جا جھرنا، بھاگ جا..... مندر سے دُور چلی نہیں چھپ کر بیٹھ جا۔ میرے بعد وہ تیرا بھی برا حشر کریں گے۔''

''پھر..... پھر کیا ہوا.....؟''

''میں ماں کے کہنے پر سہم کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں نے بھاگتے بھاگتے وہ لاٹھی بھی جسے تم نے سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر کسی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی تو اسی لاٹھی سے اس پاپی کا سر پھوڑ دُوں گی۔ لیکن وہ سب تمہارے چکر میں لگے تھے۔ میں کسی نہ کسی طرح چھپتی چھپاتی مندر سے نکل گئی.....''

جھرنا کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ شاید دیوانی ہو گئی تھی۔ اُسے غالباً اپنی ماں کے ہولناک انجام کی تفصیل معلوم ہو گئی تھی۔ وہ تاب نہ لا سکی، پاگل ہو گئی۔ پاگل نہ ہوتی تو بہکی بہکی باتیں نہ کر رہی ہوتی..... وہ اگر مندر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی تو پھر اس نے دوبارہ اسی مقتل گاہ میں پلٹ کر آنے کی حماقت کیوں کی جہاں اُس کی بے قصور ماں کے برہنہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے تھے.....؟

میں مان ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ مندر سے نکلنے میں کامیاب ہوئی ہوگی۔ صرف پنڈت نول کشور ہی نہیں اور بھی سینکڑوں پنڈت پجاری اُس کی کمسن جوانی پر دانت جمائے بیٹھے تھے، وہ بڑے پروہت کی وجہ سے خاموش تھے لیکن جب ہنگامہ ہو تو ہر طرف لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے۔ جس کے ہاتھ جو لگتا ہے وہ اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لے بھاگتا ہے۔ جھرنا تو سراسر سونا تھی جس کی چمک دمک نے کالی کے مندر میں ہر طرف اپنے پرستاروں کی فصل اُگا رکھی تھی، وہ جمنا کے کہنے پر ضرور بھاگی ہوگی۔ ہو سکتا ہے اُس نے میری لاٹھی بھی اُٹھا لی ہو لیکن وہ مندر سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہوگی۔ کسی نہ کسی نے ہمت سے کام لے کر اسے راستے میں ہی دبوچ لیا ہوگا، ہنگاموں سے فائدہ اُٹھا کر اسے بھی ضرور لوٹا کھسوٹا گیا ہوگا۔ دسترخوان بچھا ہو، دعوتِ عام ہو تو ندیدے ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جن کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں وہ بھی ''مال مفت دل بے رحم'' کے مصداق دو چار لقمہ ضرور زہر مار کر لیتے ہیں۔ جھرنا کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا۔ جہاں لنگر جاری ہو، وہاں کون چیک کرتا ہے؟ ''غریب کی جورو سب کی بھابھی'' بننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جھرنا حملہ

آوروں کی یلغار سے بوکھلا گئی ہوگی، کسی کو بھی درندگی سے ہوس کا نشانہ بنایا جائے تو دوا
ذہنی توازن برقرار نہیں رکھ سکتا۔ جھرنا تو معصوم تھی، کمسن تھی، ٹہنی پر ادھ کھلی کچی کلی کی مانند
تھی۔ میری بدنصیبی کی لپیٹ میں آ کر وہ بھی ''آدم خور درندوں'' کی وحشت کا شکار ہوگئی.....
لیکن ایک سوال باقی رہ گیا تھا..... جھرنا مجھ تک کس طرح پہنچ گئی.....؟ کیا نول کشور جھر
کے ذریعے مجھے کوئی پیغام پہنچانا چاہتا تھا؟ مجھے ذہنی طور پر خوفزدہ کرنے کے خواب دیکھ رہا
تھا؟ یا یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک اپنی کمینگی کا ثبوت دے سکتا ہے.....؟؟

''تم کن وچاروں میں گم ہو مہاراج؟ کیا سوچ رہے ہو؟'' جھرنا نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سمے بڑی تیزی سے بیت رہا ہے۔''

''جھرنا.....'' میں نے بڑے پیار سے اس معصوم کو ٹٹولنے کی خاطر سوال کیا۔ ''تم نے ابھی کہا تھا کہ مندر سے بھاگتے سمے تم نے میری لاٹھی اُٹھالی تھی۔''

''ہاں..... میں نے سچ کہا تھا، میں جھوٹ نہیں بولتی۔ تمہیں وشواس نہیں آتا تو خود چھو کر دیکھ لو.....'' اُس نے جواب میں لاٹھی میرے ہاتھ میں دی تو میرا دل دھڑکنے لگا۔

شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا، میں مر چکا تھا، مرنے کے بعد میری رُوح آخری ایام کے سہانے خواب دکھا کر اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ..... ''دیکھو جمیل احمد خاں..... یہ مقامِ عبرت ہے۔ تم نے کیا سوچا تھا؟..... کیا ہوگیا۔ کوئی تدبیر تمہارے کام نہ آئی۔ تم مسلمان ہو کر ایک مندر کے تہہ خانے میں بیہوشی کے عالم میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے تھے..... تم 'عالم برزخ' میں ہو۔ ایک بار پھر سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کا دیدار کر لو..... اس کے بعد تمہیں ایک سفر اور کرنا ہوگا۔ اس کے بعد.....''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے مہاراج.....'' جھرنا کی آواز نے میرے خیالات کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ وہ سہمی سہمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''اُس نے کہا تھا کہ اگر دیر ہوئی تو پھر اُس کا بس نہیں چلے گا۔ اُس نے مجھے جادو کے خول میں چھپا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں تم کو بھی اسی خول میں چھپا کر مندر سے باہر نکال لاؤں۔ سمے بیت گیا تو گپ اندھیرے کا منڈل ٹوٹ جائے گا۔ دشمن ہمیں دیکھ لیں گے تو میں بھی تمہاری وجہ سے ماری جاؤں گی..... بھگوان کے لئے، اب نکل چلو، میرا من بے چین ہو رہا ہے۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔''

''جھرنا.....'' میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اندھیرے میں اُس نے کوئی لاٹھی ہاتھ میں تھما دی تھی..... وہ پھر بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔ میرے دل و دماغ میں ہلچل شروع ہوگئی۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کس کی بات کر رہی ہو میری گڑیا؟ تمہیں کس نے جادو کے پٹارے میں بند کر کے اس کال کوٹھڑی میں لانے کو کہا تھا؟ اندھیروں کے منڈل ٹوٹ جانے کی بات کس نے کی تھی؟ تم..... تم کس کی بات کر رہی ہو.....؟''

''میں اُسے نہیں جانتی۔'' جھرنا نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''وہ پلاسٹک کی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ بالکل میری طرح باتیں کر رہی تھی۔ میرے سر پر بیٹھی تھی۔ میں نے اُس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، میں مندر میں واپس نہیں آنا چاہتی تھی لیکن..... اس نے میرے سر میں کوئی چیز چبھو دی، میں نے اُس کا کہا مان لیا۔ مندر میں قدم رکھتے ہوئے میرا دل ڈول رہا تھا، کوئی شکتی تھی جو مجھے آگے آگے چلا رہی تھی۔ میری نظریں پنڈت پجاریوں کو دیکھ رہی تھیں، وہ سب بوکھلائے ہوئے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ میری آنکھوں نے بھی مجھے اپنی نگاہوں کے سامنے سے گزرتے دیکھا..... اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا مہاراج..... میں سب کو دیکھ رہی تھی، کوئی مجھے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ اس سندر گڑیا نے مجھے سچ مچ جادو کے پٹارے میں بند کر دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ میں نے دیر کی تو پٹارا ٹوٹ جائے گا..... وہ کون تھی؟..... کیا سمبندھ ہے اُس کا تمہارا.....؟''

میں خوشی سے دیوانہ ہونے لگا۔ جھرنا مجھ سے انکارانی کی بات کر رہی تھی۔ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میرا اُس کا کیا تعلق ہے؟ میرے پاس وقت ہوتا تو اُس معصوم کو ضرور بتاتا کہ انکارانی سے میرا تعلق بڑا گہرا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہوگئیں۔ انکارانی نے کالی کے مندر کا حال احوال لینے کی خاطر بھی، ایک پجاری کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اُس نے پنڈت نول کشور کا منڈل توڑنے میں بھی بڑی دُور اندیشی سے کام لیا تھا..... اب اُس نے جھرنا کو میرے پاس بھیجا تھا۔

وہ مجھ سے بے خبر نہیں تھی، مجھے جال میں پھانس لینے کے بعد پنڈت نول کشور نے غالباً پھر کوئی منڈل کھینچ لیا ہوگا۔ ایسا نہ ہوتا تو انکارانی سے میرا رابطہ نہ ٹوٹتا، اُس نے جو کہا تھا، غلط نہیں کہا تھا۔ میری نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ بھی مضطرب ہوئی ہوگی۔ اُس

کے ذہن میں بہت سارے خطرات اُبھرے ہوں گے۔ وہ میری مدد کی خاطر مختلف پہلوؤں پر غور کر رہی ہوگی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا ہوگا، جھرنا کو مندر سے نکلتا دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمک اُٹھی ہوں گی۔ وہ کسی اور پر بھی اعتماد کر سکتی تھی، کسی پنڈت پجاری کو دوبارہ معمول بنا سکتی تھی۔ لیکن اُس نے جلد بازی کا مظاہرہ مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ جھرنا اور جمنا سے وہ میری باتیں سن چکی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ جھرنا میرے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔ وہ آنے والے وقت کے بارے میں بھی صحیح اندازے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اُس نے کئی بار کہا تھا کہ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ کچھ مجبوریاں لاحق تھیں جو وہ زبان نہیں کھول سکتی تھی۔

بہرحال، انکارانی کو یقین رہا ہوگا کہ جھرنا دشمنوں کے ہاتھ نہیں آسکے گی۔ وہ اُسی کی راہ دیکھ رہی ہوگی۔ اور آخر کار اُس کی لازوال قوتوں نے جھرنا کو میرے پاس بھیج دیا..... سب اُس کی پراسرار قوتوں کے سامنے اندھے ہوگئے، پریتم لال نے انکارانی کو جو اضافی قوتیں دان کی تھیں وہ حیرت انگیز تھیں۔

پہلے مجھے شبہ تھا، جھرنا کی بات سن کر یقین آگیا کہ میرے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی، وہ سیّد مجذوب ہی کا دیا ہوا تحفہ تھا۔ میں نے اُسے آزمانے کی خاطر زنجیر پر ہلکی سی ضرب لگائی، میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ زنجیر ٹوٹ کر علیحدہ ہوگئی۔ میرے ہاتھ پشت پر بندھے تھے، اس لئے لاٹھی زنجیر تک لے جانے میں مجھے کچھ دُشواری ضرور ہوئی۔ لیکن زنجیر کے ساتھ ساتھ میرے ہاتھ بھی بندشوں سے آزاد ہوگئے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میری توانائی بھی آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

''میرا ہاتھ تھام لو مہاراج.....'' جھرنا نے کہا۔ پھر خود ہی ہاتھ بڑھا کر میری کلائی تھام لی۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے لاٹھی اُٹھا کر دروازے سے ٹکائی، ہلکا سا زور دیا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ باہر روشنی ہو رہی تھی۔ چار ہٹے کٹے پجاری لٹھ لئے ایک تخت پر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، اُنہیں دروازہ ٹوٹنے کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ صرف اندھے نہیں ہوئے تھے، گونگے بہرے بھی ہوگئے تھے۔ جھرنا میرا ہاتھ تھامے تیز تیز قدم اُٹھانے لگی۔ کئی پُر پیچ راستوں سے گزر کر ہم کھلے آسمان کے نیچے پہنچ گئے۔ ہر طرف پنڈت پجاری گھوم پھر رہے تھے۔ پجارنیں اور دیوداسیاں بھی مٹکتی پھر رہی تھیں۔ کسی کی توجہ ہماری جانب مبذول نہیں ہوئی۔

میں انکارانی کی بے شمار حیرت انگیز قوتوں کا چمتکار دیکھ چکا تھا۔ وہ ناممکن کو ممکن بنا دینے کی عادی تھی۔ جو کچھ اس وقت میرے ساتھ گزر رہی تھی، مجھے اس پر بھی کوئی تعجب نہیں ہوا۔ [illegible] ساری مخلوقات ایسی ہیں جو عام انسانوں کو نظر نہیں آتیں لیکن ان کے وجود سے انکار [illegible] کیا جا سکتا۔ بھوت پریت..... چڑیل اور چھل پیریوں کا تصور خیالی ہو سکتا ہے، کچھ [illegible] قسم بھی کھاتے ہیں کہ ان کا واسطہ شیطانی بدروحوں سے پڑ چکا ہے۔ وہ بڑی عجیب و [illegible] اور مختلف شکلوں میں نظر آتی ہیں۔ جنات کے وجود سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ [illegible] اشکال میں سامنے آنے کی قوت رکھتے ہیں۔ قدرت نے اُنہیں ڈھیل دے رکھی [illegible]۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کے نظریات اور عقائد بھی مختلف ہوتے ہیں۔ وہ بھی کچھ [illegible] باتوں پر یقین رکھتے ہیں جنہیں انسانی ذہن قبول نہیں کرتا۔ آپ کس کس کو جھٹلاتے [illegible]، کس کس بات کی نفی کریں گے؟..... میں اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا۔

کالی کے مندر کی کھلی فضا میں آکر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میری توانائی سیّد کی [illegible] لاٹھی سے بحال ہو چکی تھی، مجھے وہ ظلم یاد آئے جو مجھ پر ستون کے ساتھ رسیوں سے [illegible] کر ڈھائے گئے تھے۔ پنڈت نول کشور کی گندی زبان سے ادا ہونے والے جملے میرے [illegible] میں گونجنے لگے۔ پنڈت پجاریوں کی خرمستیاں بچھو بن کر میرے جسم سے لپٹ [illegible]۔ جمنا کا بھیانک انجام، اُس کی آخری ہچکی مجھے آواز دینے لگی۔ وہ بدنصیب مجھے پناہ [illegible] کے جرم میں ماری گئی۔ اُس وقت میں بے بس تھا۔ اب آزاد تھا۔ سیّد کی لاٹھی بھی [illegible] ساتھ تھی۔ میں نے اپنا رُخ پنڈت نول کشور کی پناہ گاہ کی طرف موڑنے کی کوشش [illegible]۔ جھرنا نے میرا ارادہ بھانپ لیا۔ ہو سکتا ہے انکارانی نے اُس کے ساتھ ذہنی رابطہ [illegible] قرار رکھا ہو، اُسے میرے خطرناک ارادے سے باخبر کر دیا ہو۔

''کسی اور دِشا میں جانے کی مت سوچو مہاراج۔'' جھرنا نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ ''سمے [illegible] ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ ہم باہر نہیں نکل سکے تو دوبارہ دھر لئے جائیں گے.....''

''جھرنا.....'' میں نے اُسے کریدنے کی کوشش کی۔ ''تم جس پلاسٹک کی نٹ کھٹ، [illegible] بولتی گڑیا کی بات کر رہی تھیں، کیا اس وقت بھی وہ تمہیں نظر آرہی ہے.....؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو.....؟'' اُس نے مجھے گھور کر کہا۔ ''وہ کالی کے مندر میں خود آ [illegible] تو مجھے کیوں مجبور کرتی.....؟''

میں لاجواب ہوگیا۔ میں نے مندر کی عمارت کی سمت دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔

''پنڈت نول کشور، میں اس وقت تجھے چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم نے اور تیرے حرام زادے جنے ساتھیوں نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ میرے دل پر نقش ہے۔ تو بھی یاد رکھ ..... میں پھر واپس آؤں گا۔ جب تک پائی پائی کا حساب چکتا نہ کرلوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ چندرا کو سندیسہ بھیج کر اُسے بھی بلوا لے۔ تم دونوں کی ارتھی ایک ساتھ اُٹھے گی تو تمہارے ساتھیوں کو بھی دو بار مرگھٹ تک جانے کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑے گی۔ چندرا سے یہ بھی کہہ دینا کہ اُس کا باپ امرلال مرگیا ہے تو اُس کا غم نہ کرے۔ اُس کا ایک باپ میری شکل میں ابھی زندہ ہے۔ اُس کی چتا کو میں اپنے ہاتھوں جلتی ہوئی لکڑی دکھاؤں گا..... سمجھ رہا ہے میری بات کا مطلب.....؟''

میں دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ جھرنا نے تیز تیز قدم اُٹھانے کی بجائے دوڑنا شروع کر دیا۔ میں بھی اُس کا ساتھ دینے لگا۔ شاید جادو کے پٹارے کے ٹوٹنے کا وقت قریب آرہا تھا۔ ہم بھاگتے ہوئے کالی کے مندر کے پھاٹک سے باہر نکلے۔ انکا رانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ مجھے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''انکارانی.....'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''تمہارا یہ احسان میں زندگی بھر.....''

''غیریت کی باتیں مت کرو جمیل.....'' وہ پھدک کر میرے شانے پر آ گئی۔ میرے گال پر اپنی نرم نرم اُنگلیاں پھیر کر بولی۔ ''دو سنگوں حساب ہمیشہ دل میں ہوتا ہے..... دل کی باتوں کو زبان تک نہیں لایا کرتے۔''

''اب کیا ارادہ ہے.....؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔ لیکن کچھ دیر سستا لو، مجھے بھی کچھ سوچنے کی مہلت دو۔''

''جھرنا کا کیا بنے گا.....؟'' اُس نے پوچھا۔

''یہ بے سہارا اب کہاں جائے گی جمیل.....؟'' انکا کی مخمور آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ ''جمنا نے تمہارے ساتھ جو مہربانی کی تھی، ہمیں اُسے بھی نہیں بھولنا چاہئے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں اسے فی الحال کسی محفوظ جگہ پہنچا دوں گی۔ تم اپنے جھمیلوں سے فارغ ہولو تو پھر یہ تمہارے پاس واپس آجائے گی۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے چونک کر انکا رانی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میں نے کہا نا..... پہلے کچھ دیر ستا لو، پھر آرام سے باتیں بھی ہوتی رہیں گی.....''

اُس نے کھل کر میری بات کا جواب دینے سے گریز کیا۔

میں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، اسی وقت ایک گاڑی تیزی سے قریب آ کر رُکی۔ اسٹیئرنگ سیٹ پر آنند بھون کا منیجر بھنڈاری نظر آ رہا تھا۔ اُس نے نیچے اُتر کر میرے لئے پچھلا دروازہ کھولا۔ میں جھرنا کا ہاتھ تھام کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ انکا میرے سر سے اُتر کر جھرنا کے سر پر چلی گئی۔

میرے ذہن میں انکا رانی کے وہ آخری جملے گونجنے لگے جو اُس نے جھرنا کے بارے میں کہے تھے.....!!

❁❁❁

وقت کی طنابیں میرے ہاتھ میں آ کر ایک بار پھر بام مچھلیوں کی طرح نکل گئیں۔ وہ میرے جال میں آ گئے تھے، انکارانی نے کالی کے مندر میں میرا داخلہ ممکن بنا دیا تھا۔ میں صرف قدم جما کر ڈوری کھینچ لیتا..... ساری مچھلیاں پھنس جاتیں۔ وہ مگرمچھ بھی ہاتھ آ جاتا جو دلدل میں چھپا بیٹھا دوسروں کی جانوں کا زیاں کر رہا تھا۔ میں اُس کا کریا کرم کر کے ہاتھ جھاڑ لیتا۔ سپہ سالار مار دیا جائے تو فوری طور پر کمان سنبھالنے سے سب پہلو تہی اختیار کرتے ہیں۔ کوئی مجھ سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک چندرا باقی رہ جاتا میرے بہی کھاتے میں۔ میں اُس کے پیچھے لگ جاتا۔ انکارانی نے کہا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ روپوش ہو گیا ہے جہاں اُس کی نظریں نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔ کچھ دوسری قوتیں بھی چندرا کا ساتھ دے رہی تھیں۔ انکا کی دوربین نظروں کے سامنے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں۔ اُس نے میرے استفسار پر یہی بتایا تھا۔

پنڈت نول کشور کو مارنے کا ایک سنہری موقع بھی ہاتھ آ کر نکل گیا۔ میں آنند بھون کے کمرے میں بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا جب انکارانی میرے سر پر آ گئی۔ مجھے جھرنا کے بارے میں اُس کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔

''جھرنا اس وقت کہاں ہے.....؟'' میں نے سنبھل کر گفتگو کا آغاز کیا۔

''میں اُسے ایک اناتھ آشرم میں چھوڑ آئی ہوں۔ وہاں وہ دوسرے ہم عمر بچوں کے ساتھ رہے گی تو اُس کا دل بہلتا رہے گا۔''

''تم نے کہا تھا کہ میں جھمیلوں سے نمٹ لوں تو وہ پھر میرے پاس آ جائے گی؟''

''جو بھوش میں لکھ دیا جائے اسے سمے آنے سے پہلے کوئی نہیں جان سکتا۔'' انکا سنجیدگی سے بولی۔ ''انسان اگر آنے والے کل کے بارے میں سب کچھ جان لیتا تو پھر جھگڑا کس بات کا رہ جاتا؟ سارے ہنگامے، جھگڑے، فساد ختم ہو جاتے۔ ہر طرف امن و شانتی نظر

آتی۔''

''تم مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہی ہو.....؟'' میں نے شکوہ کیا۔

''ضد کرنے کی عادت بدلنے کی کوشش کرو جمیل.....'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ مہان شکتیوں نے بہت سے پردے میری نظروں کے سامنے سے ہٹا رکھے ہیں۔ میں مستقبل میں جھانک سکتی ہوں لیکن زبان نہیں کھول سکتی۔ اسی لئے میں نے کالی کے مندر میں داخل ہوتے سمے تم سے کہا تھا، میں صرف مشورہ دے سکتی ہوں۔ یاد ہے تمہیں.....؟''

''کیا کہا تم نے.....؟'' میں نے چونک کر اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم جانتی تھیں کہ کالی کے مندر میں میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟''

''ہاں.....'' اُس نے دروغ گوئی سے کام نہیں لیا۔ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ ''میں زبان کھول دیتی تو بھی وہی ہوتا جو اب ہوا ہے۔ البتہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتی۔ پھر شاید کبھی ہمارا ساتھ ممکن نہ ہوتا.....''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے پہلو بدل کر اُسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے جمیل، میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تک پریتم لال مہاراج کی آتما میرے حق سے دستبردار نہ ہو جائے، دھرتی کا کوئی دوسرا پنڈت یا پجاری مجھے کسی بھی شکتی یا جاپ منتر کے زور سے اپنانے کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔'' اُس نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''اب اُسے آکاش پر بلا لیا گیا ہے..... دھرتی سے اُس کی آتما کے تمام سمبندھ بھی ٹوٹ چکے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' انکا کے جملے کا مفہوم میرے اضطراب میں اضافہ کرنے لگا۔ ''مجھے بتاؤ انکارانی۔ کیا پریتم لال کے بعد اب کوئی اور پنڈت یا پجاری تمہیں حاصل کرنے کے لئے کہیں چوروں کی طرح چھپا بیٹھا جاپ کر رہا ہے.....؟''

''ابھی سے پریشان مت ہو.....'' اُس نے بڑی لگاوٹ سے جواب دیا۔ ''پہلے پنڈت نول کشور اور چندرا کا حساب چکتا کر لو، پھر دیکھا جائے گا۔''

انکارانی نے کھل کر میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اُس نے وضاحت مناسب نہیں سمجھی تھی، لیکن میرے وجود میں بچھوؤں نے ڈنک مارنا شروع کر دیا، رگوں میں سنسناہٹ

شروع ہوگئی۔ مجھے میری قوتیں واپس مل چکی تھیں، سیّد مجذوب کی لاٹھی بھی معجزاتی طور پر میرے پاس واپس آ گئی۔ اگر جمنا کے بعد جھرنا بھی میرے دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو اُس کا انجام بھی بھیانک ہوتا۔ پھولوں کی مہک ختم ہو جائے، اُس کی پنکھڑیوں کا مخملی تاثر ختم ہونے لگے، وہ مرجھانے لگیں تو پھر اُنہیں گلدانوں سے نکال کر کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا ہے۔ کالر سے نکال کر جوتوں تلے مسل دیا جاتا ہے۔ میرے دشمن بھی جھرنا کا رس نکالنے میں بڑی عجلت سے کام لیتے۔ پھوک رہ جاتا تو وہ اُسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہیں گٹر میں ڈال دیتے، کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیتے، دریا برد کر دیتے۔ لیکن میری قسمت کی خوش نصیبی سے ایسا نہیں ہو سکا۔ جھرنا بھی بچ گئی، سیّد کی متبرک لاٹھی بھی دوبارہ میرے ہاتھ آ گئی۔ نندا اور کپالا کی قوتیں بھی میرے شامل حال تھیں۔ انکارانی نہ ہوتی تو طاقت کے توازن میں کوئی فرق بھی نہ پڑتا۔ مگر بات طاقت کی نہیں، محبت کی تھی، قرب کی تھی۔ ایک تعلق کی تھی جو چوتھائی صدی سے زیادہ پر محیط تھا۔ وہ میرے وجود کا ایک حصہ بن گئی تھی، میں اُس کی خاطر کئی بار جان کی بازی لگا چکا تھا۔ جب رفاقتوں میں ایک ہی جیسے خون کا رنگ جھلکنے لگے تو سود و زیاں کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ایک پسندیدہ گلاس بھی ہاتھ سے پھسل کر ٹوٹ جائے تو اس کی یاد ذہن میں مدتوں کروٹیں لیتی رہتی ہے۔ انکارانی تو میری رگ رگ میں سما چکی تھی، میری رُوح میں گھل مل گئی تھی۔ میں اُس کی جدائی کا تصور بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں اُس سے بار بار اصرار کرتا رہا کہ وہ مجھے اُس پنڈت یا پجاری کا نام بتا دے۔ وہ بہانے تراشتی رہی۔ میں رُوٹھ گیا تو بڑی حسرت سے بولی۔ ''جمیل..... تم مجھ سے ناراض مت ہوا کرو۔ ہنستے بولتے رہا کرو۔ تم اُداس ہوتے ہو، خفا ہو جاتے ہو تو مجھے اپنی زندگی بھی پھیکی پھیکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم جذبوں اور احساس کی بات کرتے ہو، میں ان خوبصورت لفظوں کے معنی نہیں سمجھتی۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اب میرے تمہارے درمیان کوئی اور آیا تو بات میری برداشت سے بھی باہر ہو جائے گی۔ طاقت کا توازن بگڑ جائے تو کبھی کبھی نحیف دشمن بھی اپنے سے جری حریف پر موت بن کر جھپٹ پڑتا ہے۔ اُسے اپنے انجام کی نہیں، اپنی بقا کی فکر جنون کی حدوں سے گزر جانے پر اُکسا دیتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تمہاری انکارانی تم سے کیا درخواست کر رہی ہے.....''

''انکا.....'' میں اُس کے پیار کی تپش، اُس کے خلوص کی گرمی سے پگھلنے لگا۔ ''اب صرف تم ہی تو رہ گئی ہو جس کی باتیں میرے کانوں میں رس گھولتی ہیں۔ کبھی کبھی حالات کے بارود کی طرح چنگاری دکھا دیتے ہیں، میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ تمہیں بھی اپنے زہریلے جملوں سے دُکھ پہنچانے لگتا ہوں۔ لیکن جو اپنے ہوں، اُنہی پر مان بھی ہوتا ہے، شکوہ شکایت بھی اُنہی سے کی جاتی ہے۔ غیر آنسو پونچھنے کی کوشش کہاں کرتے ہیں؟ بھڑکتی آگ کو اور ہوا دیتے ہیں۔ تم مجھے معاف کر دیا کرو۔ نرگس، مالا رانی، کلدیپ سب میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ قسمت کی بدنصیبی دیکھو، میں لندن سے واپسی کے بعد ابھی تک اپنی زمین سے بھی نہیں مل سکا۔ اب اگر تم بھی.....''

''مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل۔'' اُس نے بڑے پیار سے کہا۔ ''ہمت سے کام لو۔ سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔''

''نہ ہوں تب بھی پنڈت نول کشور کو زندہ چھوڑ کر ہردوار سے واپس نہیں جاؤں گا۔ میرے ذہن میں پھر میرے دشمن زخموں میں پڑے کیڑوں کی طرح بلبلانے لگے۔

''تم سے جانے کی بات کون کر رہا ہے.....؟''

''چندرا کا کوئی سراغ ملا.....؟'' میں نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''نہیں ملا تو اب مل جائے گا.....'' وہ خلاء میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

''میں سمجھا نہیں..... اب کیا فرق پڑ گیا.....؟''

''اب اندھیروں کے چھٹنے کا وقت قریب آ رہا ہے۔'' اُس نے بدستور خلاء میں گھورتے ہوئے یقین سے کہا۔ ''کچھ دن اور انتظار کر لو، چندرا زیادہ دیر تک میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا.....''

''ایک بات پوچھوں..... بتاؤ گی؟'' میں نے اُسے رازداری سے مخاطب کیا۔

''کیا جاننا چاہتے ہو.....؟'' وہ میری جانب متوجہ ہو گئی۔

''جو تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوشش کر رہا ہے اُس کا جاپ کب شروع ہوا؟ کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟'' میں ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''ترنبنی اور دوسرے پنڈتوں نے تمہیں مجھ سے بار بار چھیننے کی کوشش کی، وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ لیکن اُس وقت کی بات اور تھی۔ اب میں خالی ہاتھ نہیں ہوں، میرے ترکش میں بھی کئی تیر موجود ہیں، تم واقف ہو، میں تمہیں بچانے

کی خاطر آخری دم تک اُن کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر منڈل سے باہر کھینچتا رہوں گا۔ آسانی سے شکست تسلیم نہیں کروں گا، اُنہیں بھی دانتوں پسینہ آجائے گا۔ مجھ سے ایک وعدہ کرو، تم مجھے اندھیرے میں نہیں رکھو گی۔''

''جمیل..... جمیل..... ایسی باتیں مت کرو۔'' اُس کے جذبات میں بھی طوفان اُمنڈنے لگا۔ میرے بالوں میں لپٹ کر مچلنے لگی۔ کچھ توقف کے بعد اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی نیل کنول آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ میری نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بہکتے لہجے میں بولی۔ ''کاش میں مکمل عورت ہوتی تو اس وقت تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتی، دل بھر کر تمہیں پیار کرتی، دل کی دھڑکنوں میں چھپا لیتی، تمہیں اپنا سینہ چیر کر دکھاتی کہ اس میں صرف تم ہی تم ہو، کوئی اور نہیں ہے۔ ایسی ہی پیار بھری میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہا کرو۔ میں نے شروع شروع میں بس یوں ہی تمہارے سر کا انتخاب کیا تھا۔ تم نے رام دیال کی ماں کی بات نہیں مانی، پنڈتوں نے اُس سے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ تم اگر چاہتے تو ایک چھوٹے سے جاپ کے ذریعے بھی مجھے حاصل کر سکتے تھے، تم نے انکار کر دیا۔ مجھے تمہاری بات اچھی لگی۔ چھوٹے موٹے پرندے بھی سردی، گرمی اور برسات سے بچنے کی خاطر کوئی گھونسلا بنا لیتے ہیں، میں نے تمہارے خوبصورت بالوں میں بسیرا کر لیا۔ میں تمہیں آزمانا چاہتی تھی۔ تمہیں اپنے دفتر کا وہ موٹا کرسچین آفیسر یاد ہے جس نے دیر سے دفتر پہنچنے پر دفتر میں بلا کر تمہاری بے عزتی کی تھی۔ تم نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تو کسی بد کے ہوئے سانڈ کی طرح منہ سے جھاگ اُڑانے لگا۔ آپھیسر سے آر گیو کرتا..... نو ماپھی..... ہم تم کو ابھی ڈس مس کرتا..... اپنا پگار لو اور گٹ آؤٹ ہو جاؤ..... ہم کچھ نہیں سننا مانگتا..... تم خاموش ہو کر جانے لگے۔ مجھے اچھا نہیں لگا۔ مجھے اُس وقت انسانی خون کی فوری ضرورت تھی۔ بس..... مجھے اُس کا تمہاری بے عزتی کرنا برا لگا تھا..... میں نے تمہارے ہاتھوں اُس کو موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔ پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ اور آج..... یوں لگ رہا ہے کہ اگر تم میری زندگی میں نہ آتے تو میرا ڈیڑھ بالشت کا وجود بھی ادھورا ہی رہ جاتا۔ شاید میں.....''

انکا رانی اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ اُس کے شرماتے لجاتے چہرے پر اچانک ایک سایہ کپکپانے لگا۔ وہ سہم کر تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں مضطرب ہو گیا۔ میں اُس کے اچانک چلے جانے کے بارے میں غور کرنا چاہتا تھا جب ایک مانوس آواز میرے کانوں

میں گونجی..... میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا، سیّد ایک کرسی پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ گنجان داڑھی کے اُلجھے ہوئے بالوں میں خوراک کے ذرات اٹکے ہوئے تھے۔ وہ بار بار ''ہوحق..... ہوحق..... حق اللہ'' کے نعرے لگا رہا تھا۔ میں اُسے عاجزانہ نظروں سے گھورنے لگا۔

''ایسے مت دیکھا کر..... دیدے پھٹ جائیں گے.....'' اُس نے رازداری سے کہا۔

''وقت گزرتا جا رہا ہے سیّد۔'' میں نے التجا کی۔

''رسّی تھام کر لٹک جا..... ڈگڈگی بجانا شروع کر دے.....'' وہ اپنے انداز میں بولنے لگا، پھر نظریں چمکا کر کہا۔ ''چلی گئی..... پھر بھاگ گئی۔''

''وہ بھاگی نہیں.....'' میں نے سنجیدگی سے اُسے یقین دلایا۔ ''اُس نے تمہارا احترام کیا ہے۔''

جواب میں سیّد نے ایک غضبناک قہقہہ لگایا۔ پھر سر کھجلانے لگا۔

''وہ میرے ہاتھ آ کر نکل گیا.....'' میں نے کہا۔ ''میں مر جاؤں گا لیکن اُس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔''

''کس کی بات کر رہا ہے مخبوط الحواس؟..... بے دُم کے بندر؟'' سیّد کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔

''وہی جو مندر میں چھپا بیٹھا ہے..... دوسرا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔'' میں نے آواز میں رقت پیدا کی۔ ''تم رہنمائی کر دو..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ اُن دونوں کو ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کر لوں گا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے ایک بار پہلے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اُنہوں نے زبردستی مجھے ٹانگیں پکڑ کر پھر میدان میں کھینچ لیا۔''

''آبادی چھوڑ کر جنگل کی طرف پھوٹ لے۔ کسی اُونچے درخت پر چڑھ کر بیٹھ جا.....'' سیّد کے لہجے میں درشتگی اُتر گئی۔ ''ڈال ڈال پات پات کھیلنا بند کر دے۔''

''تمہاری مبہم باتیں مجھے دیوانہ کر دیں گی۔'' میں اُلجھنے لگا۔ ''جو کچھ کہنا ہے صرف ایک بار کھل کر واضح الفاظ میں کہہ دو۔ تمہاری پیچیدہ باتیں میرے سر سے گزر جاتی ہیں۔''

''سر میں کنگھی کیا کر.....'' سیّد دیدے نچانے لگا۔ ''کدو کا تیل چپوڑ لے۔''

''مم..... میں اپنی جان دے دُوں گا۔'' میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میرا خون تمہارے نام

لکھا جائے گا۔"

سید اُچھل کر کرسی سے اُٹھ گیا۔ دیوانوں کی طرح مجھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"بیل کے دہانے پر کھانڈ بُرک دے..... چیونٹے بوکھلا کر باہر نکل آئیں گے..... پھر..... پھر تو تالی بجانا..... تھرکنا شروع کر دینا۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ سیّد....." میں نے ہاتھ جوڑ لئے۔ "صرف ایک بار میری کلائی تھام کر سیدھا راستہ دکھا دو..... میں دوبارہ پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھوں گا..... میری بات کا یقین کرو۔"

"گھنگھور گھٹائیں..... کالی بدریا..... رِم جھم....." سیّد اپنے آپ سے ہم کلام نظر آرہا تھا۔ پھر یکلخت وہ ٹھمکے لگانے لگا۔ "آرہا ہے..... آرہا ہے..... نشہ چھا رہا ہے....."

میں تیزی سے لپکا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ سیّد سے لپٹ جاؤں گا، اُس کے پیر پکڑ لوں گا۔ شاید اُس کو مجھ پر رحم آجائے۔ مجھے یقین تھا کہ جس دن وہ مجھ پر مہربان ہو گیا، میرے سارے دلدر دُور ہو جائیں گے۔ ساری مشکلات دُور ہو جائیں گی۔ وہ مجذوب تھا، خدا نے اُس کو اپنی نگاہِ کرم سے نواز دیا تھا۔ اُس کا ایک بار ہاتھ آجانا شرط تھا، پھر میں اُسے آسانی سے نہ چھوڑتا۔ یا وہ میری درخواست قبول کر لیتا یا میں اُس کے قدموں میں سر ٹکرا ٹکرا کر جان دے دیتا۔

سیّد میرا ارادہ بھانپ گیا..... قبل اس کے کہ میں قریب جاتا، وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں تڑپتا رہ گیا۔ وہ پھر اپنی بولی بول کر چلا گیا۔ میں ڈور کا سرا تلاش کرنے میں اُلجھنے لگا۔ اُس کے اشارے میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ وہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے پردے چاک کرنے کی جسارت اُس میں بھی نہیں تھی۔ وہ بار بار میرے سامنے آجاتا تھا، پھر پلک جھپکتے میں نظروں سے غائب ہو جاتا تھا۔ اُس کی آمد و رفت بلا سبب نہیں تھی۔ اُسے مجھ سے لگاؤ نہ ہوتا تو وہ یونہی اپنا وقت کبھی برباد نہ کرتا۔ اُس نے محض تفریحاً اپنی لاٹھی میرے حوالے نہیں کی تھی، وہ مجھے سہارا دینا چاہتا تھا۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا اس میں مشیت ایزدی کو بھی دخل تھا۔ اُس کے شب و روز کی ایک ایک مصروفیت، اُس کا اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، اُس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ، ایک ایک

زبر، پیش سب خالق حقیقی کے تابع تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو نگاہوں سے اوجھل ہونے کی قوت نہ ہوتا۔ کوئی نہ کوئی راز تھا..... کوئی پردہ تھا جو میرے اور اُس کے درمیان حائل تھا۔ ایک کل جو میرے ہاتھ نہیں آرہی تھی، وہی ساری مشکلات کی کلید تھی۔ وہ میرے ہاتھ آ جاتی تو سارے پردے سرک جاتے، راستہ صاف نظر آنے لگتا۔ کوئی روک ٹوک باقی نہ رہتی۔

سیّد کی آمد سے پیشتر میرے قلب پر جو اضمحلال طاری تھا، جو بے کیفی مسلط تھی وہ کائی کی طرح پھٹ کر صاف ہو گئی۔ اُس کی باتیں میری سمجھ میں نہ آسکیں، یہ دیگر بات ہے لیکن اُس کی آمد کا معجزہ تھا جس سے میرے قلب کی کیفیت حیرت انگیز طور پر تبدیل ہو گئی تھی۔ میرا ذہن اُس کی باتوں کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ صرف ایک اشارہ کچھ کچھ واضح ہو رہا تھا۔ سیّد نے کہا تھا کہ "بیل کے دہانے پر کھانڈ بُرک دے، چیونٹے بوکھلا کر باہر نکل آئیں گے....." میرے دماغ میں پنڈت نول کشور کا تصور رہ رہ کر اُبھر رہا تھا۔ وہ میری نفرت کا سبب بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس جملے سے نول کشور کی ذات کا بھی کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہو گا..... "کھانڈ بُرکنے" کا مطلب واضح ہو جاتا تو تمام مشکل آسان ہو جاتی۔ سیّد کا اشارہ یقیناً کسی ایسی شے کی طرف تھا جسے دیکھ کر یا محسوس کر کے پنڈت نول کشور کی کھوپڑی پلٹ جاتی۔ وہ بلبلا کر منڈل اور مندر سے نکل کر باہر آجاتا۔ بس اُس کا قصہ تمام کر دیتا۔ پھر خوشی سے "تالی بجانا اور تھرکنا شروع کر دیتا۔"

میرے دل کی دھڑکنیں ہر لمحہ تیز ہو رہی تھیں۔ میرا دماغ "کھانڈ بُرکنے" کا کلیدی حل تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ اشارہ بہت صاف تھا۔ سیّد سے میری پہلی ملاقات رکن الدین کی حویلی میں ہوئی تھی۔ اُس روز ایک خوشی کے موقع پر رکن الدین کی حویلی میں فقیروں اور یتیموں کے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ میں بھی اُس لنگر میں شریک تھا جب سیّد اچانک سامنے آگیا۔ اُس روز میں نے پہلی بار اُس مردِ قلندر سے رہنمائی کی درخواست کی تھی۔ سیّد حسب معمول اشاروں میں کچھ مبہم جملے کہہ کر غائب ہو گیا۔ لیکن اُس کی ملاقات مجھے دیوانہ کر گئی۔ میری دیوانگی اکارت نہیں گئی۔ سیّد بھی میری دیوانگی کا راز جان گیا۔ میری اُس کی مڈبھیڑ ہونے لگی۔ وہ جب بھی سامنے آتا دو ایک اشارے دے کر غائب ہو جاتا۔ میں سر کھجلاتا رہ جا... اپنے اندازوں سے اُس کے اشاروں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن کبھی میرے دل ... ے اندازوں کی سیّد کی کہی ہوئی بات کی تائید یا تصدیق نہیں کی۔

''کھانڈ بُر کنے'' کا وہ پہلا اشارہ تھا جس کا مفہوم تلاش کرتے ہوئے میرے دل کی عجیب کیفیت ہوئی تھی۔ وہ کیفیت سکونِ قلب کی تھی۔ میرے ذہن اور دل کی دھڑکنوں میں ایک ہم آہنگی تھی جو اس بات کی تائید کر رہی تھی کہ سیّد مجذوب کا وہ اشارہ میرے دشمن پنڈت ٹول کشور ہی کی جانب تھا..... بات صرف ''کھانڈ'' کے اشارے کے حل کی تلاش میں آ کر اٹک گئی۔ میں اسی سلسلے میں دل و دماغ کی انتہائی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوششوں میں مصروف تھا جب انکارانی میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اُس کا چہرہ بڑا سوگوار نظر آ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھیگی بھیگی، سرخ سرخ نظر آ رہی تھیں۔ وہ سرخی کسی گہرے زخم کی پیداوار لگ رہی تھی۔ سیّد کے جانے کے بعد انکا نے واپسی میں دیر کر دی تھی۔ وہ کہاں گئی تھی؟ اُس نے کیا دیکھ لیا تھا؟ کیا خبر سن لی تھی جس نے اُس کے چہرے کو اس قدر اُداس کر دیا تھا؟ وہ مجھ سے نگاہیں ملاتے ہوئے بھی کترا رہی تھی ..... ان آنسوؤں کو بھی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جو اُس کی پلکوں کی اوٹ سے طوفان کی طرح اُبل پڑنے کو ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں.....؟

وہ یقیناً کوئی اہم بات تھی جس نے انکارانی کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا.....!

''کیا بات ہے.....؟ تم اتنی اُجڑی اُجڑی، اتنی اُداس اور غمگین کیوں نظر آ رہی ہو؟..... کیا خبر سن لی؟ کون مر گیا.....؟''

''جمیل.....'' اُس کی آواز بھرا کر رہ گئی۔ آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

میرے دل میں وسوسے سر اُبھارنے لگے۔ میں انکارانی کی کیفیت اور اپنے دل کی دھڑکنوں میں کوئی ربط تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اتنی سوگوار زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ میرے اندر طوفان سر اُبھارنے لگا۔ میرا ماضی میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ میرے دشمنوں نے میرے ساتھ ہمیشہ کم ظرفی کا ثبوت دیا تھا، وہ مجھ سے اپنی شکست کا بدلہ میرے خونی رشتوں سے لیا کرتے تھے۔ مجھے ایک محاذ پر مصروف کر کے دوسری طرف میری دنیا اُجاڑ دیتے تھے۔ اُنہوں نے نرگس کو مار دیا تھا، انکا نے مجھے بعد میں خبر دی۔ مالا رانی بھی ہاتھ سے نکل گئی، میری طاقت اور انکا کی لازوال قوتیں کسی کام

کبھی وہ میری توجہ بٹانے کی خاطر، مجھے ذہنی طور پر کمزور کرنے کے لئے ترئین کو اغواء کیے، کبھی چچا جان کی لڑکی کو اُٹھا کر لے جاتے۔ میں دیوانہ ہو جاتا۔ وہ دُور بیٹھے قہقہے لگاتے رہتے.....!!

اس وقت بھی مجھے انکارانی کی نظروں سے اُبلتے آنسوؤں میں اپنے کسی عزیز کی لاش نظر آ رہی تھی۔ میرا ذہن ترئین کی طرف گیا، میں لرزنے لگا۔ ساری جان سے کانپ گیا۔ نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا..... وہ دو بار ترئین کو ہدف بنا چکے تھے، میں نے بل پر اپنی جیتی جاگتی گڑیا کو واپس لے آیا، وہ منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس بار شاید انہوں نے ترئین کو..... میں اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔ میرے وجود کے اندر طوفان مچلنے لگا۔ میں نے دل ہی دل میں دشمنوں کو للکارا۔

''حرامزادو..... کمینو..... سور کے بچو..... خبردار، کوئی ایسا قدم مت اُٹھانا جو میرے ماضی کے زخموں کو دوبارہ تازہ کر دے۔ جو کھرنڈ جمی ہے، اس میں برسوں لگے ہیں۔ تم نے اسے کھرچنے کی کوشش کی تو پھر کچھ باقی نہیں بچے گا۔ شاید میں بھی اپنے جنون، اپنی وحشتوں، اپنی دیوانگی، اپنے پاگل پن کا شکار ہو جاؤں۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، جہاں ارادے سچے ہوں، ارادوں میں کوئی کھوٹ نہ ہو، وہاں قسمت بھی ساتھ دیتی ہے، خدا کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے..... میری آواز غور سے سنو، اب کوئی حماقت نہ کرنا..... جھگڑا تمہارا ہے۔ میرے اور اپنے درمیان کسی اور کو شامل کرنے کی غلطی مت کر بیٹھنا۔ میری یا میرے کسی اور عزیز دار نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ تم نے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا تھا میں تنہا تھا، تمہاری تعداد ان گنت تھی۔ تمہیں دُرگا، کالی اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی بھی حاصل تھی۔ لیکن تم مجھ سے خوفزدہ بھی تھے۔ تمہیں ڈر نہ لاحق ہوتا تو مجھے زنجیروں میں باندھ کر کبھی نہ رکھتے۔ ایک ایک کر کے مقابلے پر آتے تو میں بتاتا کہ جمیل خان سے ٹکرا کر تم نے اپنی موت کو للکارا ہے۔ تم بزدل تھے، بزدل ہو۔ مرد ہوتے تو مردوں کی طرح مقابلہ کرتے۔ میں نے پھر بھی کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں کی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ اپنے دیکھتے گئے، میں پھر تمہاری نظروں میں دُھول جھونک کر باہر آ گیا۔ ہر دوار میں ہندو آبادی زیادہ ہے، کئی چھوٹے چھوٹے مندر اور بھی ہوں گے۔ میں چاہتا تو تمہاری گنگا میں آگ لگا دیتا، اُنہیں جلا کر راکھ کر دیتا۔ اُن میں کچھ تمہارے اپنے بھی ضرور

ہوتے۔ میں تمہارے دوسرے مندروں کو مسمار کر کے انتقام کی آگ سرد کرنے کی کوشش کرتا تو شاید تمہارے اپنے ساتھی ہی تمہیں گردن سے پکڑ کر میرے سامنے لے آتے۔ بہت کچھ ممکن تھا، بہت کچھ ہوسکتا تھا، اب بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی طرف سے کسی منفی حرکت کا مظاہرہ نہیں کیا..... تم کو بھی خبردار کر رہا ہوں کہ ایسی کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا کہ پھر مجھے سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ کالی داس، اوم پرکاش کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ اُن پنڈت پجاریوں کی طویل فہرست پر ایک نظر ڈال کر دیکھو جو میرے عتاب، میرے غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو، کیا بدری نرائن کے انتقام کی آگ تمہارے دل میں نہیں سلگ رہی؟ چندرا سے پوچھو، جو ابھی تک امر لال کے غم میں تڑپ رہا ہے..... اگر تم نے میری تزئین کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں ہندوستان کے سارے پنڈت پجاریوں کو چن چن کر ماروں گا۔ کوئی نہیں بخشا جائے گا..... سب کے ٹینٹوے دبا کر جہنم رسید کر دوں گا۔''

میں وحشتوں میں ڈوبا دل ہی دل میں ہذیان بکتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ انکارانی نے صرف جمیل کہہ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی.....؟ کہتے کہتے رُک کیوں گئی.....؟

''انکارانی.....'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ ''جو بات بھی ہو، مجھے کھل کر بتا دو، تجسس مت پیدا کرو۔ میں بری بھلی سب کچھ سننے کو تیار ہوں۔ اوکھلی میں سر دینے والے موسلوں سے نہیں ڈرا کرتے۔ جب آگ بھڑکتی ہے تو اپنوں اور پرایوں کی تمیز نہیں کرتی۔ مجھے بتاؤ، کون زخمی ہوا؟ کون جل کر راکھ ہو گیا؟ میری قوتِ برداشت کا امتحان مت لو..... جو بھی ہے جلدی کہہ ڈالو.....''

''جمیل.....'' اُس نے کچھ توقف سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''جب کسی سے محبت ہو جائے تو اُس کے بچھڑنے پر دل کو ٹھیس بھی ضرور لگتی ہے، آنسوؤں پر اختیار نہیں چلتا، دل پھٹ جاتا ہے۔''

''تم..... تم پھر پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔'' میں نے مضطرب آواز میں سوال کیا۔ ''کون بچھڑ گیا؟..... تم کس کا سوگ منا رہی ہو.....؟''

''وہ..... وہ جھرنا.....'' اُس کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔

''کیا ہوا جھرنا کو.....؟'' میں نے تزئین کی جانب سے سکون کا سانس لے کر دریافت کیا۔ انسان بھی بڑا خودغرض ہوتا ہے۔ ایک لمحہ پہلے میں تزئین کے خیال سے پاگل ہو رہا تھا، جھرنا کا نام سن کر میری دیوانگی ختم ہونے لگی۔ بات اپنوں کی نہیں، پرایوں کی تھی۔

''اُنہیں جھرنا کی تلاش تھی جمیل.....'' انکا نے بسورتے ہوئے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور نے اُسے ہر قیمت پر تلاش کرنے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ مجھے دیر سے خبر ہوئی۔ میں ادھر تمہارے ساتھ باتوں میں لگی تھی، اُدھر وہ اپنا کام کر گئے۔''

''جو ہونا تھا، ہو گیا انکارانی.....'' میں نے اُسے تسلی دی۔ ''پریشان مت ہو۔'' میں نے اُسے بہلانے کی خاطر کہا۔ ''میں تمہارے لئے کوئی دوسری جھرنا لا دُوں گا۔ بالکل ویسی ہی، بلکہ اس سے بھی اچھی.....''

''وہ کتنی معصوم تھی جمیل..... کتنی بھولی بھالی صورت تھی اُس کی۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ ''کیا بگاڑا تھا اُس غریب نے کسی کا.....؟''

''مجھے تعجب ہو رہا ہے.....'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''تمہیں اُس سے اتنی جلدی اس قدر محبت ہو گئی؟''

انکارانی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر ہونٹ چباتی رہی، پھر موضوع بدل کر دریافت کیا۔

''وہ مرد قلندر آیا تھا..... اس بار کیا کہہ گیا.....؟''

''اُس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں.....'' میں نے مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''ایک اشارہ ابھی تک مجھے پریشان کر رہا ہے۔''

''کیا.....؟''

''اُس نے کہا تھا کہ کھانڈ بُرک دو، چیونٹے بوکھلا کر باہر نکل آئیں گے۔''

''وہ..... وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔'' انکا کی نگاہیں کسی خیال سے چمکنے لگیں۔

''تم کسی نتیجے پر پہنچ گئیں.....؟'' میں نے اُسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''میرا انتظار کرنا جمیل، میں ابھی واپس آتی ہوں۔''

وہ بڑی سرعت سے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں اُس کے جانے کی وجہ بھی دریافت نہ کر سکا۔ میرے اضطراب میں پھر اضافہ ہونے لگا۔ انکارانی نے سیّد مجذوب کا اشارہ سننے کے

بعد اُس کی بات کی تصدیق کی تھی۔ شاید وہ اس اشارے کا مفہوم سمجھ گئی تھی، لیکن مجھ سے کچھ کہے بغیر وہ عجلت میں کہاں چلی گئی تھی؟

میں اُس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اُس کے دل میں جھرنا کی محبت اچانک دیوانگی کی حد تک کس طرح پیدا ہوگئی؟ وہ اس طرح رو رہی تھی جیسے اُس کا اپنا کوئی عزیز مر گیا ہو، جیسے وہ جھرنا کو پہلے سے جانتی ہو، کوئی قریبی رشتہ رہا ہو۔ کوئی ایسا رشتہ جو اُس نے مجھے بتانا مناسب نہ سمجھا ہو..... کوئی اور بات بھی ممکن ہو سکتی تھی۔ جھرنا کمسن تھی، خوبصورت تھی، نوجوان تھی، ہرنی کی طرح اُچھلتی کودتی تھی، ممکن ہے انکارانی کو اُس کی وہی ادا بھا گئی ہو..... ایک اور قیاس میرے ذہن میں کلبلانے لگا، جھرنا کے گورے بدن سے خون چھلکتا تھا، اُس کے گدرائے ہوئے گال قندھاری انار کی طرح سرخ سرخ نظر آتے تھے۔ شاید انکارانی کو اُس کا گاڑھا گاڑھا خون پسند آ گیا ہو؟ کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی جو اُس نے جھرنا کو توجہ کے قابل سمجھا تھا، اُسے اپنے ساتھ آنند بھون لے آئی تھی۔ میرے استفسار پر اُسے اناتھ آشرم چھوڑ آئی۔ لیکن اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ جب میں سارے جھمیلوں سے فارغ ہو جاؤں گا تو جھرنا دوبارہ میرے پاس واپس آ جائے گی۔

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا کہ بھنڈاری دروازے پر دستک دینے کے بعد اندر داخل ہوا۔ وہ کچھ اُلجھا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔ میں اُس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھنے لگا۔ اُس کی نگاہیں کچھ بدلی بدلی نظر آ رہی تھیں۔

''مہاراج.....'' گفتگو کی ابتدا اُس نے دبی زبان میں کی۔ ''تم کالی کے مندر گئے تھے۔ کر آئے پوجا.....؟''

میں بھنڈاری کی بات سن کر چونکا۔ اُس نے مندر اور پوجا کا ذکر بلاوجہ نہیں چھیڑا ہوگا۔ میں نے سوچا..... وہ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا؟..... کیا اُسے مندر میں ہونے والے ہنگامے کی اطلاع مل گئی تھی؟ کسی نے میری اصلیت کی مخبری کر دی تھی؟..... میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کوئی نہ کوئی فتنہ پھر سر اُٹھانے والا تھا۔ بھنڈاری جو آنند بھون میں میرے قیام کے دوران میرے آگے پیچھے بچھا جا رہا تھا، اب کچھ بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔

''جو مندر میں جاتے ہیں وہ صرف پوجا کے ارادے سے نہیں جاتے، اور بھی بہت سارے کارن ہوتے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارے وہاں جانے کا کیا کارن تھا.....؟''

''تو کیوں معلوم کر رہا ہے.....؟'' میں جھلا گیا۔ میری پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں بھرنے لگیں۔ ''تیرے پیٹ میں کیوں مروڑ ہو رہا ہے؟''

''کالی کا ایک پجاری ابھی ادھر آیا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ مندر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔''

بھنڈاری میرے تیور دیکھ کر کچھ نرم پڑا۔

''کیا کہہ رہا تھا.....؟'' میں نے بدستور درشت لہجے میں دریافت کیا۔

''وہ کہہ رہا تھا مندر کا بڑا پروہت بڑے غصے میں ہے، کوئی مُسلا وہاں بھیس بدل کر پہنچ گیا تھا۔ پجاریوں کو اُس پر شبہ ہوا تو اُسے پکڑ لیا گیا۔ پنڈت نول کشور مہاراج نے اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر تہہ خانے میں ڈلوا دیا تھا۔ مہاراج نے مندر کے دوسرے کرتاؤں دھرتاؤں سے ان کی رائے پوچھی تو سب کا ایک ہی خیال تھا، اس مُسلے کو پورن ماشی کی رات دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ پر نتو وہ مُسلا رسی تڑا کر بھاگ نکلا۔ پجاریوں نے ایک ایک کونا چھان مارا لیکن اُس کا کوئی کھوج نہیں ملا..... کالی کو خوش کرنے کی خاطر بڑے پروہت کو اپنی خاص پجارن کی بھینٹ دینی پڑی۔ مہاراج کے خاص کھوجی ہردوار میں چاروں طرف پھیل گئے ہیں۔ گھر گھر کی تلاشی ہو رہی ہے۔''

میں نے ارتکاز اور مراقبے کا مختصر عمل کر کے آنکھیں موند لیں۔ اندھیرے چھٹنے شروع ہوئے تو میں نے مختلف سمتوں میں نظریں دوڑائیں۔ باہر کاؤنٹر کے قریب ایک ہٹا کٹا پجاری کھڑا تھا۔ اُس کی نظریں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ شاید وہ نول کشور ہی کا کھوجی تھا جو آنند بھون میں ٹھہرے ہوئے مسافروں کے سلسلے میں معلوم کرنے آیا تھا۔ میں نے اُس کی طرف سے توجہ ہٹا کر بھنڈاری کے دل میں جھانکا، وہ بھی اندر سے بے چین نظر آ رہا تھا۔ مجھے اُس کی بے چینی کا اندازہ بھی اُس کی سوچوں کے ذریعے ہو گیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر بھنڈاری کو تیز نظروں سے گھورا۔ میری بدلی ہوئی نظریں دیکھ کر وہ کسمسانے لگا۔

''مورکھ..... آنکھ کے اندھے، تو میرے مندر جانے کا کارن پوچھ رہا تھا نا.....؟''

''نہیں مہاراج..... نہیں۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھ رہے ہو۔'' بھنڈاری سٹپٹا گیا۔

''میرا نام جاننا چاہتا ہے.....؟'' میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھائی تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہونے لگا۔

''بات تمہاری نہیں ہے مہاراج۔'' اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''میں تم سے کیول یہ بنتی کرنے آیا تھا کہ تم بڑے پروہت کی سہائتا کردو۔ اُس مُسلے کا کھوج لگا دو جس نے کالی کے مندر کی پوترتا کو اپنے پلید چرنوں سے گندا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''وہ بھی یہی بنتی کرنے آیا ہے یا اُس کے من میں کچھ اور کلبلا رہا ہے.....؟'' میں نے سرسراتی آواز میں سوال کیا۔

''تم.....تم کس کی بات کر رہے ہو.....؟''

''وہی..... گھٹے ہوئے سر والا مسٹنڈا پجاری جو باہر کھڑا تیری راہ دیکھ رہا ہے۔''

''مہاراج.....تم.....تمہاری شکتی اپرم پار.....'' وہ بڑی عقیدت سے میرے پاؤں چھونے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ میں نے پیر ایک طرف کر کے اُسے حقارت سے دھتکارا۔

''دُور ہٹ ملیچھ..... مجھے تیرے شریر سے بھی کسی بستوئی (چھپکلی) کی سڑاند آ رہی ہے۔''

''تمہیں کیا ہو رہا ہے مہاراج.....؟'' اُس نے وضاحت کرنی چاہی، میں نے گھڑک کر کہا۔

''جب کوئی سندری اپنے اُجلے شریر کا مول بھاؤ کرنا شروع کر دے تو اُس کے تن سے بستوئی ہی کی باس آتی ہے..... میں اُس کی بات کر رہا ہوں جو تیرے کمرے میں چادر میں بدن چھپائے تیری راہ تک رہی ہے.....اور کچھ سنے گا.....؟''

بھنڈاری نے ہی ہی ہی کر کے بتیسی نکالی، جانے کے ارادے سے پلٹا تو میں نے گرج کر کہا۔

''چلا کدھر پاپی..... اُس مسٹنڈے کو بھی بلا لے جو کھوجی بن کر گندی موریوں میں جھانکتا پھر رہا ہے۔ میں اُس حرامی کی دبدھا بھی دُور کر دُوں گا۔''

''مجھے شما کر دو مہاراج۔'' بھنڈاری میرے رعب میں آ کر کپکپانے لگا۔ ''وہ جو باہر کھڑا ہے، میری بات کا وشواس کر لے گا۔ تم آرام کرو۔''

''جاتے جاتے ایک بات اور سن لے.....'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک کاری ضرب اور لگائی۔ ''پنڈت نول کشور سے کہلوا دے کہ چندرا کو ادھر ہی بلوا لے۔ چندرا آ گیا تو وہ مُسلا بھی سامنے آ جائے گا.....سنا تو نے، میں کیا کام کی بات بتا رہا ہوں؟''

''میں تمہارا سندیس بڑے پروہت تک اوش پہنچا دُوں گا۔''

''اُس سندری کو بھی نو دو گیارہ کر دے۔'' میں نے اُسے دہلانے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔ ''تیری گھر والی کو بھنک مل گئی تو تیرے بارہ بجنے میں بھی دیر نہیں لگے گی۔''

بھنڈاری سر پر پاؤں رکھ کر نکل بھاگا۔ میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ مجھے یقین تھا کہ ناہی سرزنش ہو جانے کے بعد اب وہ کسی کو میرے کمرے کے آس پاس پھٹکنے کی اجازت بھی نہیں دے گا۔ خود بھی میرے پاس آنے سے گریز کرے گا۔ میں نے اُس کی عیاشی کا بھانڈا جو پھوڑ دیا تھا.....!

وقت زیادہ گزر گیا تو میری اُلجھن انکا رانی کے سلسلے میں بڑھنے لگی۔ اُس نے سیّد کے اشارے کو سمجھ لیا تھا، پھر انتظار کرنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ میں اُس کا انتظار کروں، وہ جلدی واپس آئے گی۔ لیکن دو گھنٹے گزر چکے تھے، وہ واپس نہیں آئی۔ میں اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وحشت بڑھنے لگی تو میں کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میرے ساتھ ساتھ تھی۔

اچانک میرے ذہن میں ایک کیڑا کلبلایا..... بھنڈاری نے کہا تھا کہ نول کشور کے کھوجی ہردوار کے کونے کھدروں میں میری تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں ابھی تک اُن کے ذہنوں میں بچھو بن کر ڈنک مار رہا تھا۔ میں اُن کے اس جال کو توڑ کر نکل بھاگا تھا جسے اُنہوں نے بڑی مضبوطی سے تیار کیا تھا۔ تہہ خانے کا ٹوٹا ہوا دروازہ اُنہیں نظر آیا ہوگا تو اُن چار پجاریوں کی بھی شامت آ گئی ہوگی جو کالی کے چرنوں کے چڑھاووں کا مال کھا کھا کر سانڈ بنے پھر رہے تھے، اُنہیں میری نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ ''میں اُن کی نظروں کے سامنے سے کس طرح نکل گیا؟..... اس خیال نے مندر کے بڑوں کی کھوپڑیوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہوں گے۔ جمنا کے بعد انہیں بھی شاید کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کی تیاری ہو رہی ہوگی، وہ سب حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہوں گے، اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی خاطر بڑی بڑی قسمیں کھا رہے ہوں گے، تڑپ رہے ہوں گے، بلبلا رہے ہوں گے۔ جمنا بھی اسی طرح تڑپی تھی، مچلی تھی، کچھ کہہ نہیں سکی تھی، ظالموں نے اُس کی زبان کاٹ دی تھی۔ اُس کی زبان سلامت ہوتی تو اُن دھرماتماؤں کے نام بھی اُس کی زبان پر ضرور آ جاتے جنہوں نے اُسے مالِ غنیمت سمجھ کر پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا چھوڑی تھی۔ نول کشور کے مستفید ہو جانے کے بعد اُس کے حاشیہ برداروں نے بھی

جمنا کی جوانی سے اپنا اپنا لگان وصول کیا ہوگا، جمنا کی زبان کھل جاتی تو وہ سب ننگے ہو جاتے۔ اندر کی بات باہر آ جاتی۔ جھرنا کو بھی خبر مل جاتی کہ مندر کی مقدس گھنٹیوں کی جھنکاروں میں کیا گل کھلائے جاتے ہیں۔ دیوداسیوں کو شادیاں کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، وہ صرف کالی کی خدمت کے لئے وقف کر دی جاتی ہیں، اُنہیں بڑا قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اُن کا یہ بھرم بھی کسی پروہت یا بڑے پنڈت کے ہاتھوں چکنا چور ہو جاتا ہے۔ عقاب کے خونخوار پنجوں میں پھنسا ہوا شکار صرف پھڑ پھڑا سکتا ہے، پھر اُس کی قوتِ مدافعت جواب دے جاتی ہے۔ کالی بھی کیا کر سکتی ہے؟ اُس کے شبھ نام کی آڑ میں جو کھیل تماشے ہوتے ہیں، ان کی گونج دُور دُور تک سنائی دیتی ہے۔ وہ خود نہیں سن سکتی..... جو سنتے ہیں وہ بھی دم سادھ کے بیٹھ جاتے ہیں۔

جمنا کی آواز حلق سے نکل کر چاروں طرف گونجتی تو جھرنا بھی دم سادھنے کے سوا اور کیا کرتی؟ اُس کی کمسنی یکلخت سن بلوغت کا راز پا لیتی۔ وہ سہمی سہمی رہنے لگتی۔ پنڈت پجاریوں سے بچ بچ کر چلتی، بار بار راستہ کترانے کی کوشش کرتی۔ لیکن ایک دن وہ بھی کسی نہ کسی موڑ پر دبوچ لی جاتی..... پھر دو ہی راستے باقی رہ جاتے۔ یا وہ اسی رنگ میں رنگ جاتی یا کالی کے قد آور بت سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جاتی..... اچھا ہوا جو وہ درندگی کا شکار ہونے سے پہلے مر گئی۔ انکا بلاوجہ اُس کا سوگ منا رہی تھی۔

میں نے جھرنا کو ذہن سے جھٹک دیا، پھر اُن کھوجیوں کے بارے میں غور کرنے لگا جو بھوکے گدھ کی طرح میری تلاش میں ہر طرف منڈلاتے پھر رہے تھے۔ میں اُن کے لئے ''کھانڈ'' سے کم نہیں تھا۔ میں باہر نکل کر اُن کے سامنے آ جاتا تو سب ''چیونٹوں'' کی طرح میرے اردگرد جمع ہو جاتے۔ وہ مجھے ترمال سمجھ کر ہڑپ کرنے کی خاطر لپکتے، میں اُن کے لئے ''لوہے کا چنا'' ثابت ہوتا۔ سیّد کی لاٹھی گھماتا تو سب تتر بتر ہو جاتے۔ کئی مارے جاتے، کئی زخمی ہو کر دوبارہ ''بلوں'' میں گھسنے کی کوشش کرتے۔ نول کشور کو بھی ضرور خبر پہنچتی..... شاید وہ بھی اپنی چنڈال چوکڑی کے ساتھ بوکھلا کر مندر سے باہر آ جاتا۔ میں قہر بن کر اُس پر ٹوٹتا۔ اُسے بتاتا کہ ہاتھی کے ہودے یا مچان پر بیٹھ کر جنگل کے بادشاہ کو شکار کر لینا بہادری نہیں ہوتی، یہ بڑے آدمیوں کے چونچلے ہوتے ہیں جو شیر کی کھال میں بھس بھروا کر اپنے ڈرائنگ رُوم کی زینت بناتے ہیں۔ مُردہ شیر کی کھوپڑی پر پاؤں رکھ کر، منہ میں

ہار دبا کر تصویریں اُتروانا بڑے فخر کی بات سمجھتے ہیں، اس طرح سینہ تانے نظر آتے ہیں جیسے شیر ان کی بندوق کی گولی سے نہیں، ان کے رعب و دبدبے سے دہشت کھا کر جان سے گزر گیا ہو..... مردانگی تو تب ہے کہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا جائے، پھر اُس پر گولی داغی جائے۔ پنڈت نول کشور کا واسطہ ابھی تک کسی شیر سے نہیں پڑا تھا۔ وہ چوہڑنیوں اور مرغابیوں کو نشانہ بنانے کا عادی تھا۔ شیر کو سامنے دیکھ لیتا تو دم بخود رہ جاتا۔ اس کے دیدے پھٹ جاتے، سانپ سونگھ جاتا، کھڑے کھڑے دھوتی میں چھلچھلانے لگتا۔

میں کچھ سوچ کر عقبی راستے سے گزر کر آنند بھون سے باہر آ گیا۔ میں نے اپنے اردگرد ایک مضبوط حصار قائم کر کے قدم آگے بڑھانے شروع کر دیئے۔ شکاریوں کی تعداد زیادہ ہو تو شیر بھی بلی بن کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ نول کشور مجھے گیدڑ کی سمجھ کر اپنی کچھار سے نکل کر باہر آ جائے۔ میں اُس کے خون کے چھینٹوں سے اپنے انتقام کی آگ بجھا کر ''تالی بجاؤں، تھرکنا شروع کر دوں''..... غالباً سیّد مجذوب کے مبہم اشارے کا مطلب بھی یہی تھا۔

میں سینہ تانے قدم بڑھاتا رہا۔ میرا رُخ کالی کے مندر کی جانب تھا..... ذہن انکارانی کے بارے میں اُلجھ رہا تھا جو ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ آنند بھون، آبادی سے ہٹ کر واقع تھا۔ میں اطراف میں نظر دوڑاتا اپنی منزل کی سمت گامزن تھا۔ میرے ذہن میں شیوا کا تصور بھی اُبھر رہا تھا۔ اُس غریب کو بلاوجہ میرے نام پر سزا دی گئی تھی۔ جمنا سے ملاقات کے دوران میں نے سوچا تھا کہ کالی کے مندر کے تہہ خانوں میں بنی کال کوٹھڑیوں میں اُسے بھی ضرور تلاش کروں گا۔ وہ بہادر تھا، موت سے نہیں ڈرتا تھا، اپنے ساتھیوں سے بھی مخلص تھا۔ غدار ہوتا تو میرا ہاتھ تھام کر اُن کے بارے میں سب کچھ بتا دیتا۔ چندرا کی گمشدگی کا راز بھی اُگل دیتا، میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا منظور نہ ہوتا تو زندگی بچ جانے کے بعد کسی اور سمت نکل جاتا۔ کالی کے مندر میں واپسی کی حماقت کبھی نہ کرتا..... نول کشور اور اُس کے گرگوں نے باریکیوں میں جانے کی زحمت نہیں کی ہوگی، جلد بازی میں ایک فیصلہ کر بیٹھے۔ میں اُن کی غلطی سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ شیوا کی رہائی میرے ہاتھوں عمل میں آتی تو وہ میرا ہمنوا بن جاتا۔

مجھے شیوا کے حوالے سے آنند لال یاد آ گیا۔ وہ بھی بڑا معاملہ فہم، بڑا نڈر اور ''دلیر

بھگت'' تھا۔ اُس وقت جب میں عدالت کے روبرو کھڑا کسی فیصلے کا منتظر تھا، بڑے بڑے پجاریوں نے کٹہرے میں آ کر میرے خلاف گواہیاں دی تھیں، مجھ پر سنگین الزامات کی فہرست بڑی طویل تھی، بدری نرائن کے سوا اُس کے تمام چیلے عدالت میں موجود تھے، وہ بدبخت تربنی داس بھی اُٹھ کھڑا ہوا جسے میں بڑی اذیت ناک سزائیں دے چکا تھا۔ سب بدری نرائن کے اشارے پر مرد بننے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھ پر مالا کو اغواء کرنے اور قتل کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ نرگس کی موت کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ میں بل کھا کر رہ گیا۔ انکا بھی تلملا اُٹھی تھی، میں ایک اشارہ کرتا وہ سب کو ننگی کا ناچ نچانا شروع کر دیتی، انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوا جج بھی ننگا ہو کر ناچنے لگتا۔ لیکن میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی.....

جب سارے بیانات ختم ہو گئے تو جج نے میری طرف سخت نظروں سے گھورا۔ میرے دشمنوں نے میرے خلاف زہر اُگلنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ جج میرے خلاف فیصلے دینے کے لئے اپنے ذہن کو پوری طرح آمادہ کر چکا تھا۔ خود میری طویل خاموشی بھی عدالت کے لئے ایک ثبوت بن گئی تھی۔ سرکاری وکیل بھی اپنی کامیابی کے سلسلے میں بڑا پُر اُمید نظر آ رہا تھا جب آنند لال نے اُس کی وساطت سے خود کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ پنڈت پجاری اُسے بہت مانتے تھے، خود انکا رانی نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ وہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کے بڑے عالموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ وہ کٹہرے میں آ کر کھڑا ہوا تو میرے دشمنوں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ آنند لال کو میرے تابوت کی آخری کیل سمجھ رہے تھے۔ اُس نے بولنا شروع کیا تو سب خاموش ہو گئے۔ سب کی نظریں اُس پر جمی تھیں، وہ جج سے کہہ رہا تھا..... ''میرا نام آنند لال ہے۔ میں دھرم کا سیوک ہوں۔ میں نے دیوی دیوتاؤں کی بڑی کٹھن تپسیا کے بعد وہ مقام حاصل کیا ہے جو بہت کم لوگ کر پاتے ہیں۔ میں نے سارا جیون شاستروں کے پنّوں کے بیچ گزارا ہے، وید ہی میں جان کھپائی ہے۔ دیوی دیوتاؤں نے میرا مان بڑھایا ہے، میں اُن ہی کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا، سچ کہوں گا۔ سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔'' پھر اُس نے عدالت سے ہاتھ باندھ کر درخواست کی کہ مجھے باعزت طور پر رہا کر دیا جائے۔ مجھے نردوش اور بے قصور قرار دیا جائے تو عدالت میں کھلبلی مچ گئی۔ پنڈت پجاریوں کے چہرے لٹک گئے۔ وکیل سرکار کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جیوری کے ممبران بھی اپنی اپنی نشستوں پر

پہلو بدلنے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ آنند لال میری حمایت بھی کر سکتا تھا.....!!

آنند لال نے بھری عدالت میں اپنی مہان شکتی کے کرشمے پیش کئے تو پنڈت پجاریوں کی زبانیں اُس کے خلاف بھی زہر اُگلنے لگی تھیں۔ شیوا کی طرح آنند لال پر بھی شبہ کیا گیا کہ وہ مجھ سے مل گیا ہے۔ ایک پولیس افسر نے اُسے دھکا دے کر باہر نکالنے کی کوشش کی، آنند لال کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اُس نے کچھ پڑھ کر پھونکا، انسپکٹر کھڑے کھڑے چکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں اُبل کر حلقوں سے باہر آ گئیں۔ اُس کا چہرہ سیاہ ہو گیا، ناک سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے نہ روکا ہوتا تو شاید وہ ایک ایک کر کے سب کو ٹھکانے لگا دیتا۔ کھیل اُسی روز ختم ہو جاتا۔ کوئی دوبارہ میرے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کرتا..... آنند لال نے میرے اشارے پر اپنا ہاتھ روک لیا۔ پولیس اُسے گرفتار کر کے لے گئی..... وہ غریب آخری وقت تک زبان بند کئے رہا، پھر ایک طویل عرصے بعد انکا رانی نے مجھے اطلاع دی کہ امر لال نے مجھے رکن الدین کی حویلی سے باہر نکالنے کی خاطر آنند لال کو ٹھکانے لگا دیا..... بڑے کم ظرف لوگ تھے، بڑے کمینہ خصلت تھے، چھپ کر پشت سے چھرا گھونپنے کے عادی تھے۔

آنند لال کو میری غفلت نے شکار کر دیا لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ شیوا کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اس کا جرم میں صرف اتنا تھا کہ اُس نے میرا پیغام نول کشور تک پہنچانے کی غلطی کی تھی..... وہ میرا سفیر تھا، میرا قاصد تھا، میرا ایلچی تھا۔ پھر میں اُسے دشمنوں کی قید میں کس طرح برداشت کر سکتا تھا.....!!

میرے دل و دماغ میں نفرت کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔ میرے دشمنوں نے میرے ساتھ ہمیشہ کمینگی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ وہ کبھی سامنے سے نہیں آتے تھے، مجھے چاروں اطراف سے گھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دشمن بہرحال دشمن ہوتا ہے، اُس سے کسی رحم کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ کبھی حریف کے حساس اور دفاعی ٹھکانوں پر گولہ باری کی جاتی ہے، کبھی اُس کی توجہ بٹانے کی خاطر شہری علاقوں پر بھی ایک دو بم ٹپکا دیئے جاتے ہیں۔ ایسا دشمن کی توجہ بٹانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے احتجاج کرتے ہیں لیکن سنتا کون ہے؟ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس..... ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ طاقت ور اپنے کمزور دشمن پر بلاوجہ بھی اپنی برتری قائم

رکھنے کی خاطر کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتا رہتا ہے۔ یہ کوئی منطق نہیں ہے، نہ کوئی فلسفہ ہے، نہ جنگی قوانین میں ایسی کوئی شق موجود ہے۔ لیکن دنیا اسی ریت پر چل نکلی ہے۔ پولیس اصل مجرم پر ہاتھ ڈالنے سے قاصر رہتی ہے تو مجرم کے بے گناہ رشتہ داروں کو اُٹھا لیتی ہے، اُس کے بیوی بچوں کو لاک اپ کر دیا جاتا ہے۔ مجرم چار و ناچار سامنے آجاتا ہے۔ ایسا کرنا بھی جرم ہے، شرافت کے منافی ہے۔ لیکن جب قانون خود قانون کی خلاف ورزی کرے تو انصاف کس سے طلب کیا جائے.....؟

انکارانی نے واپسی میں دیر کر دی تھی، بھنڈاری کی نیت صاف تھی لیکن اُس نے سامنے آ کر میرے تجسس کو اُبھار دیا تھا۔ میں آنند بھون کے پُر آسائش کمرے میں بیٹھ کر انتظار نہیں کر سکتا تھا، باہر نکل آیا۔ میرے قدم تیزی سے دشمن کے ٹھکانے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ میں کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھا۔ سیّد کی متبرک لاٹھی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھی۔

میں آبادی کے علاقے میں داخل ہوا تو گھٹے ہوئے سر اور لمبی لمبی چوٹی والے پنڈت پجاریوں کی نظریں میری سمت اُٹھنے لگیں۔ میں سینہ تانے آگے بڑھتا رہا۔ سمندر کی بپھری ہوئی لہریں سیلاب کی صورت اختیار کرتی ہیں تو اندھی ہو جاتی ہیں، بہری ہو جاتی ہیں۔ اُنہیں لوگوں کی آہ و بکا کی آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ وہ بسے بسائے مکانوں کو مکینوں سمیت خس و خاشاک کی طرح اپنی لپیٹ میں بہا لے جاتی ہیں۔ میں بھی بپھرے ہوئے طوفان کی طرح کالی کے مندر کی جانب قدم بڑھا رہا تھا جب وہی پستہ قد پجاری میرے سامنے آ گیا جو مندر کے اندر مجھے شعبدے بازی دکھا رہا تھا۔ اُس وقت میرے ہاتھ پیر بندھے تھے، کالی نے میری قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔ میں کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکا۔ وہ نول کشور کی اجازت لے کر بلاوجہ میدان میں کود پڑا۔

کالی کا مندر مجھ سے صرف سوگز کے فاصلے پر رہ گیا تھا جب ٹھگنے پجاری کی موت اُسے میرے سامنے لے آئی۔ میں نے کترا کر نکل جانا چاہا لیکن وہ گھمنڈی تھا، میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''تم.....'' اُس نے مجھے حقارت سے گھورا۔ ''تم وہی ہو نا جسے بڑے پروہت کے حکم سے تہہ خانے میں بند کیا گیا تھا؟''

''میری نظریں بھی اگر دھوکہ نہیں کھا رہیں تو تم بھی وہی مداری ہو جو کالی کے قد آور

کے سامنے اُچھل کود کر رہے تھے۔'' میں نے اُس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا عجیب الخلقت جانور مجھے پسند آیا تھا۔ تمہاری شکل بھی بالکل اُسی جیسی لگتی ہے۔''

میرا جواب اُسے پسند نہیں آیا۔ اُس کے ہونٹوں نے بدبدانا شروع کیا۔ میں قدم جما کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی رگوں میں جوان خون گردش کر رہا تھا، اُس نے جلد بازی میں یہ بھی نہیں سوچا کہ میں مندر کے تہہ خانے سے کس طرح آزاد ہو گیا؟ دوبارہ میرے قدم مندر کی جانب کیوں اُٹھ رہے تھے؟ تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اُسی جانور نے پھر نمودار ہو کر میری طرف زقند لگائی لیکن حصار سے ٹکرایا تو جل کر راکھ ہو گیا۔ ایک ایک کر کے اُس نے تمام حربے آزما ڈالے۔ پھر مجھے ایسی نظروں سے گھورنے لگا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔

''کیا دیکھ رہا ہے رے.....؟'' میں نے اُس کی جوانی پر ترس کھا کر کہا۔ ''کچھ دیر پہلے تو بڑا زور لگا رہا تھا۔ پٹارے میں کچھ اور باقی رہ گیا ہو تو اُسے بھی نکال لے۔ اس کے بعد دُم دبا کر خاموشی سے چلا جا، ابھی تیرے کھیلنے کودنے کے دن ہیں مورکھ، کسی سے پنجہ لڑانے سے پہلے ایک نظر اپنے قد پر بھی ڈال لیا کر..... میری نصیحت بھول مت جانا، تیرے بھلے کو کہہ رہا ہوں.....'' میں نے اُسے دھتکارا۔ ''جا..... اب نظریں نیچی کر کے چلا جا۔ زیادہ ٹھول بازی اچھی نہیں لگتی۔''

''تم نے منڈل کھینچ رکھا ہے۔'' وہ تلملانے لگا۔ ''منڈل سے باہر نکل کر بات کرو۔''

''جب تو پاگل کتے کی طرح اُچھل کود کر رہا تھا، منہ اُٹھا اُٹھا کر بھونک رہا تھا اُس وقت کیا میں تیری بہن کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا؟'' میرا خون جوش مارنے لگا۔ ''کالی نے باندھ نہ رکھا ہوتا تو تجھے اُسی وقت تیری ماں کے پیٹ میں واپس پہنچا دیتا، تو دوبارہ جنم بتاتا تو وہ تیرے کانوں میں سنکھ پھونکنے سے پیشتر تجھے یہ ضرور سمجھاتی کہ پھر کبھی جمیل احمد عرش سے آنکھیں ملا کر اونچی آواز میں بات کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ سن رہا ہے مورکھ، میں تجھے کیا اُپدیش کر رہا ہوں.....؟''

وہ پھر پاگل ہو گیا۔ جنون اور دیوانگی کے عالم میں انسان کو موت اور زندگی کا احساس نہیں رہتا، وہ نتائج پر غور نہیں کرتا۔ وہ بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ بات طول پکڑنے لگی۔ دوسرے راہگیر بھی تماشہ دیکھنے کو رُک گئے۔ مندر سے بہت سارے پنڈت پجاری بھی نکل کر باہر آ گئے۔ میرے گرد بھیڑ جمع ہو گئی۔ میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ

اسے میری کمزوری سمجھ کر پے در پے وار کر رہا تھا۔ میں سیّد کی لاٹھی تھامے کھڑا رہا۔ اُس نے منڈل سے باہر نکلنے والی بات کہہ کر مجھے غصہ دلا دیا تھا، میں چاہتا تو صرف پلکوں کو اشارہ کرتا، وہ پلک جھپکتے میں زمین پر گر کر لوٹنے لگتا۔ میرا اُس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا، لیکن ہر بات کی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ وہ حد سے تجاوز کرنے لگا تو میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر زمین پر ماری، وہ اُچھل کر ہوا میں معلق ہو گیا، اُس کے پیر زمین سے ایک فٹ اُوپر تھے، وہ ہوا میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اُس کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

''اب کیا وچار ہے مورکھ.....؟'' میں نے قدرے درشت آواز میں پوچھا۔ ''کھونٹی پر لٹکا رہے گا یا نیچے آنے کا کوئی اوپائے کرے گا؟''

''تم.....'' وہ پھر مجھے آنکھیں دکھانے لگا۔ ''تم اپنی بھیانک موت کو دعوت دے رہے ہو جمیل احمد خاں، تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ جان لو گے تو تمہاری آتما بھی لرز اُٹھے گی۔

''نہیں دیپک، نہیں.....'' مجمع میں سے ایک پجاری چیخ اُٹھا۔ ''اس پاپی سے اپنا پرچے مت کرانا۔ زبان کو تالا لگا لے، میں جا کر مہاراج کو خبر کرتا ہوں۔''

میرے کانوں میں سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ پستہ قد نوجوان کا نام دیپک تھا لیکن پجاری نے اُسے اپنا تعارف کرانے سے کیوں منع کیا تھا؟ مہاراج کا اشارہ یقیناً پنڈت نول کشور کی طرف تھا..... پجاری، نول کشور سے کیا کہنے جا رہا تھا؟ میرے ذہن میں وسوسے جاگنے لگے۔ میں نے پجاری کو مندر کی طرف بے تحاشہ بھاگتے دیکھا۔ میں اُنگلی اُٹھا کر اُس کی سمت اشارہ کرتا، وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ لیکن مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں دیپک کو گھورنے لگا جو پاگلوں کی طرح ہوا میں اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص زندگی بچانے کی خاطر موت کے ساتھ جدوجہد کر رہا ہو.....

''تو چپ کیوں ہو گیا.....؟'' میں نے اُسے للکارا۔ ''اپنے بارے میں کیا بتانے جا رہا تھا؟ جو کچھ من میں ہے، اُگل دے۔ میں بھی تو سنوں کہ کس راون یا ہنومان کے کھونٹے پر اُچھل رہا ہے۔ اُس سیتا کا نام بھی بتا دے جس نے تجھے جنم دیا تھا؟''

''اس کی باتوں میں مت آنا دیپک۔'' میری پشت سے کسی دوسرے پجاری نے ہانک لگائی تو میرا تجسّس بڑھنے لگا۔ کالی کے مندر کے اندر بڑے بڑے جغادری پنڈت اور پجاری بھی موجود تھے، لیکن دیپک کے سوا کسی کو میرے سامنے اُچھل کود کی جرأت نہیں ہوئی تھی،

کسی نے کوشش بھی نہیں کی۔ دیپک نوجوان ہونے کے باوجود میدان میں آ گیا تھا۔ نول کشور نے بھی اُس کی بات رد نہیں کی تھی..... کون تھا وہ؟ پنڈت پجاری اُسے زبان بند رکھنے کی تاکید کیوں کر رہے تھے.....؟ کیا راز تھا؟ کیا کہانی تھی جو مجھ سے چھپائی جا رہی تھی.....؟''

میں نے دیپک کو تیز نظروں سے گھورا۔ میرے لب و لہجے میں سفاکی آ گئی۔

''اپنی زبان کھول دے مورکھ۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''تو میری آتما کو پرانے کی بات کر رہا تھا۔ پھر تجھے سانپ کیوں سونگھ گیا؟ میری آگیا کا پالن کر۔ مجھے بتا دے کہ تو کون ہے؟ نہیں بتائے گا تو میں تجھے پتھر کا کر دُوں گا، تیری گندی آتما بھی اس پتھر کے اندر موجود ہو گی۔ وہ تجھے احساس دلاتی رہے گی کہ اگر تو نے میرا کہا مان لیا ہوتا تو تیرا جسم پتھر کا نہ بنتا..... ایک بات اور بھی سن لے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تیرے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دُوں۔''

میں نے غضبناک انداز میں اُلٹا ہاتھ فضا میں بلند کیا، اسی لمحے میرے سر پر انکارانی کی تلوار کا دھماکا ہوا۔ اُس کی مانوس آواز میرے کانوں میں سرسراتی ہوئی اُبھری۔

''جلد بازی مت کرنا جمیل، اگر دیپک مر گیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تم کہاں چلی گئی تھیں.....؟'' میں نے ہاتھ روک کر پوچھا۔ ''تم نے کہا تھا کہ سیّد نے کھانڈ بُرکنے والی بات ٹھیک ہی کہی تھی۔ تم نے مجھے انتظار کرنے کو کہا تھا، جلدی واپس آنے کا یقین دلایا تھا۔ لیکن.....''

''میں اُلجھ گئی تھی۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔'' انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں واپس آ جاتی تو یہ ٹھنگنا واپس مندر میں چلا جاتا۔ سارا کھیل بگڑ جاتا۔ میں اُسے غافل بھی نہیں تھی۔ آنند بھون سے تمہیں یہاں تک لانے میں بھی میری ہی کوششوں کا دخل ہے۔ مجھے مجبوراً لمبا راستہ اختیار کرنا پڑا۔''

''تم مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو؟'' میں نے بڑی عجلت سے کہا۔ ''میں تم سے کھانڈ کی بات کر رہا ہوں.....''

''وہ کھانڈ یہی ہے جمیل، جسے تم نے ہوا میں معلق کر رکھا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں چونکا۔

''یہ دیپک پنڈت نول کشور کا منہ بولا بیٹا ہے۔ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے۔

اس کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' انکا نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اُس مردِ قلندر کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔ یہ مندر میں گھسا بیٹھا تھا۔ مجھے اسے باہر لانے کی خاطر بھی ایک پجاری کو اپنے تابع کرنا پڑا۔ پنڈت نول کشور تمہارے لئے پاگل ہو رہا ہے۔ اُس نے اُن چار پجاریوں کو بھی مروا دیا جو تمہاری نگرانی پر مامور تھے۔ دیپک بھی تلملا رہا تھا۔ میں نے پجاری کے ذریعے اُسے تمہاری اطلاع بھجوائی تو بھاگ کر مندر سے باہر آ گیا۔ پنڈت پجاری اسی لئے دیپک کو منہ بند رکھنے کی تاکید کر رہے ہیں۔ خود بھی مقابلے پر آنے سے گریز کر رہے ہیں۔

''پھنس گئی گوٹ حرامزادوں کی۔'' میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ ''آگ اپنے گھر میں لگے تو شعلوں کی تپش کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ کل تک وہ میری دُکھتی رگوں پر ہاتھ ڈال کر قہقہے لگا رہے تھے، آج میری باری ہے..... اب مزہ آئے گا کھیلنے کا۔''

''میں تمہیں پھر دُور اندیشی سے کام لینے کا مشورہ دُوں گی۔''

''بس کرو انکا رانی..... بس کرو۔'' میں ہاتھ مسلتے ہوئے بولا۔ ''میرے دشمنوں نے ہمیشہ شب خون مار کر مجھے بدحواس کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج میرے ہاتھ پہلی بار ایک سنہری موقع لگا ہے..... تم جھرنا کو کیوں بھول رہی ہو.....؟ لگے ہاتھوں اُس کا حساب بھی چُکتا ہو جائے گا۔''

''میں دیپک کے سر پر واپس جا رہی ہوں۔ تم سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا.....''

انکا جتنی جلدی میں آئی تھی، اتنی ہی عجلت میں واپس چلی گئی۔ میں نے نظریں گھما کر مجمع کی طرف دیکھا، مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ تعداد میں مجھ سے کہیں زیادہ تھے لیکن اُن کے چہروں پر خوف مسلط تھا۔ خوف کی وجہ پنڈت نول کشور کی کمزوری تھی جو میرے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُن کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت ہی نفرت بھری تھی لیکن وہ قدم آگے بڑھانے کی غلطی نہیں کر رہے تھے۔ دیپک میرے ہاتھوں ''خرچ ہو جاتا'' تو اُنہیں بھی نول کشور کے سامنے جواب دینا پڑتا۔ میں نے مجمع سے نظر ہٹا کر دیپک کی جانب دیکھا، اُس کی حالت بڑی مضحکہ خیز نظر آ رہی تھی۔

''چپ کیوں ہے بالک.....؟'' میں نے چٹکی بھری۔ ''اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر دیکھ، شاید کوئی جنتر منتر باقی رہ گیا ہو، اُسے بھی آزما لے۔ بدھی ٹنڈل..... کسی بڑے کو آواز

اپنے کسی گرو کو یاد کر۔ کب تک الگنی پر گندے لنگوٹ کی طرح جھولتا رہے گا۔''

''کچھ دیر اور چہک لو جمیل احمد خاں۔'' وہ جھلا کر بولا۔ ''تمہاری موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ تمہارا انجام بڑا بھیانک ہوگا۔ تم چاروں اور سے گھر چکے ہو۔ اس بار تمہیں بھاگنے کا موقع نہیں ملے گا، میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے.....''

دیپک اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا، میں نے اپنی قوتیں آنکھوں میں یکجا کر کے پُتلیوں کو گردش دی، وہ زمین پر گر کر قلابازیاں کھانے لگا۔ اُس کے حلق سے کربناک چیخیں اُبھرنے لگیں۔ پجاریوں نے آگے بڑھنے کی جسارت کی، میں نے اُنہیں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا، سب کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ دوسرا چکرا کر زمین پر لوٹنے لگا..... مجمع دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سب کی سٹی گم ہو گئی۔

''کسی اور نے ماں کا دودھ پیا ہے تو وہ بھی سامنے آ جائے۔'' میں گرجنے لگا۔ ''معرکہ کھلے میدان میں ہوگا تو سب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ جو مندر میں چھپا بیٹھا ہے اُسے بھی باہر نکلنے کو کہو۔ اُسے بتاؤ، کہ فیصلے کا دن آ گیا ہے۔ اُس نے آنے میں دیر کر دی تو میں دیپک کو کتے کی موت ماروں گا۔ تم میں کوئی مرد ہو تو پہلے وہ سامنے آ جائے۔''

ایک ہٹا کٹا پجاری اُچھل کر سامنے آ گیا۔ اُس کے تیور خطرناک نظر آ رہے تھے۔ اُس نے کچھ پڑھ کر پھونک ماری، زمین سے کوڑیالے سانپ اُبلنے لگے۔ میں حصار میں تھا، سانپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اس قسم کے کھیل تماشے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میں نے سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کر کے زور سے جھٹکا، سانپ کے مقابلے پر نیولوں کی فوج نمودار ہوئی۔ پجاری نے دوسرا وار کیا، سیاہ ذرات کی آندھی چلنے لگی، سانپ اور نیولے غائب ہو گئے۔ حصار کے چاروں طرف تاریکی پھیلنے لگی۔ میں نے سیّد کی لاٹھی گھما دی، تاریکی پلک جھپکتے میں چھٹ گئی۔ پجاری نے کئی اور وار کئے، میں توڑ کرتا رہا۔ پھر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے سیدھا پاؤں زمین پر مارا، پجاری جہاں کھڑا تھا وہاں کی زمین شق ہو گئی۔ پجاری نظروں سے غائب ہو گیا، زمین دوبارہ برابر ہو گئی۔ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سارے نامرد بن گئے، کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کی۔ میں نے پلٹ کر دیپک کی طرف دیکھا، اُس کی نگاہوں سے بھی خوف جھانک رہا تھا..... اچانک وہ چیخنے لگا۔

''تم سب کائر ہو، بزدل ہو، ڈرپوک ہو۔ گرودیو کو بلاؤ، اُس سے جا کر کہو کہ میں بلا رہا ہوں۔ اُس نے اتنی دیر کر دی تو یہ مُسلا مجھے بھی نہیں بخشے گا۔''

میں سمجھ گیا کہ انکارانی نے اس کو ہشکارا ہوگا۔ میری طرح اُسے بھی پنڈت نول کشور کا انتظار بے چین کر رہا ہوگا۔

''کس کو آواز دے رہا ہے بالک؟'' میں نے اُس کا مذاق اُڑایا۔ ''اب تیری سہائتا کو کوئی نہیں آئے گا۔ تو اب میری مٹھی میں ہے۔ میں تجھے اپنا سیوک بنا کر اپنے ساتھ لے چلوں گا، اسی میں تیری مکتی ہے۔ تیرے بھوش میں بھی یہی لکھا ہے کہ سارا جیون میرے چرنوں میں پڑا رہے گا۔''

''تم کوئی سپنا دیکھ رہے ہو جمیل احمد خاں.....'' انکا نے شاید اُسے پھر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ تیزی سے اُٹھتا ہوا بولا۔ ''تم چرنوں کی بات کر رہے ہو، میں تمہارے منہ پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کروں گا۔''

''پھر بھونکنا شروع کر دیا.....؟'' میں نے اُسے غضبناک نظروں سے گھورا۔ ''سیدھی طرح بات نہیں مانے گا.....''

''تم اُنگلی ٹیڑھی کر کے بھی دیکھ لو..... اپنے ارادوں میں پھل نہیں ہو سکو گے۔''

میں نے جواب دینے کی بجائے اُنگلی ٹیڑھی کر لی، اُس کے جسم پر نظر آنے والا لباس غائب ہو گیا۔ سب ششدر رہ گئے۔ دیپک جلدی سے گھٹنے جوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے اُسے سنبھلنے کی مہلت نہیں دی، پانچوں اُنگلیوں کو باری باری آگے پیچھے ہلانا شروع کر دیا۔ وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگا۔ آگے پیچھے جھکولے کھانے لگا۔ کچھ پجاری تیزی سے مندر کی طرف دوڑے، لیکن پھر رُک گئے۔ انکارانی کی سرگوشی میرے کانوں میں گونجی۔

''مبارک ہو جمیل..... چیونٹے بوکھلا کر بل سے باہر آ رہے ہیں۔''

میں نے مندر کی سمت دیکھا، پنڈت نول کشور اپنی چنڈال چوکڑی کے ساتھ تیز تیز قدم اُٹھاتا میری طرف آ رہا تھا۔ اُس کے تیور اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، میری آنکھوں میں خون اُترنے لگا۔

''تم نول کشور کو زیادہ ڈھیل مت دینا۔'' انکا نے کہا۔ ''جو کچھ کرنا ہو، جلدی کر گزرنا۔''

''تم خاموش بیٹھی تماشہ دیکھتی رہو.....'' میں نے ہونٹ پر زبان پھیرتے ہوئے جواب

''آج بہت عرصے بعد ایک دشمن سامنے آ رہا ہے۔ تم جلدی کی بات کر رہی ہو؟ مجھے [illegible] کا حساب چکانا ہے، کچھ وقت تو لگے گا۔''

میں انکارانی سے ہمکلام تھا، دیپک کو موقع مل گیا۔ اُس نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش [illegible] میں نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، وہ پھر لباس میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے دونوں [illegible] کا حلقہ بنا کر زور سے اپنے سینے پر مارا، دیپک لڑکھڑا کر زمین پر گرا پھر اس طرح [illegible] طرف لڑھکنے لگا جیسے اُسے اپنا توازن برقرار رکھنے میں دُشواری پیش آ رہی ہو۔ اُس [illegible] پھر چلانا شروع کر دیا۔ پنڈت نول کشور کی رفتار میں بھی تیزی آ گئی۔ دیپک میرے [illegible] سے ٹکرا کر رُکا تو میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''بہت اُچھل کود کر چکا حرام کے تخم، اب خاموشی سے اُٹھ کر اکڑوں بیٹھ جا، سر گھٹنوں [illegible] درمیان کر لے، آنکھیں موند لے، جو کچھ ہوگا تجھ سے نہیں دیکھا جائے گا..... تیرا گرو [illegible] آ رہا ہے، اب اُس کی باری ہے۔'' میں نے کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکار کر بڑے [illegible] لہجے میں کہا۔ ''چنتا مت کر، میں پہلے تیرے گرو کا کریا کرم کر لوں، پھر تجھے بھی اسی [illegible] کے پاس بھیج دُوں گا..... خبردار جو ہمارے بیچ ٹانگ پھنسانے کی کوشش کی.....''

میرے لب و لہجے میں ایسی گھن گرج تھی کہ دیپک نے تعمیل حکم میں دیر نہیں لگائی۔ میں نے نظریں اُٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا۔ میرا اور پنڈت نول کشور کے درمیان فاصلہ بڑی تیزی سے گھٹ رہا تھا..... اُس کے گرگوں کے تیور بھی خطرناک نظر آ رہے تھے۔ مجھ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ مارنے یا مر جانے کا فیصلہ کر کے کالی کے مندر سے باہر آ گیا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کر لی۔ انکارانی میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

میری نگاہیں پنڈت نول کشور اور اُس کے ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سارے کے [illegible] دس فٹ کے فاصلے پر پہنچ کر رُک گئے۔ میرے اردگرد کھڑے ہوئے پنڈت پجاری [illegible] ان کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ ان کی پیشانیوں پر نفرتوں کے جال بچھے ہوئے تھے۔ [illegible] کے تیوروں میں غضب کا سمندر چنگھاڑ رہا تھا، اُنہوں نے اپنے جسموں پر بھبھوت ملا [illegible] تھا، عجیب مضحکہ خیز نظر آ رہے تھے۔ سب ہی کی نگاہوں میں شعلوں کا رقص جاری تھا۔ [illegible] کشور کی پیشانی بڑی کشادہ تھی لیکن وہ فراخ دل نہیں تھا، بڑا کینہ پرور تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو [illegible] نرائن کی چتا کی چنگاریوں کو کبھی نہ کریدتا۔ وہ مر چکا تھا، میری کلدیپ بھی اس جنگ

میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی، حساب برابر ہو گیا تھا لیکن نول کشور نے تعصب کو ہوا دی تھی، نفرتوں کے بیج بوئے تھے اور اب اُس کی کھڑی فصل لئے میرے سامنے موجود تھا۔ اُس نے دھرم میں سیاست شامل کر دی۔ اب لیڈری چمکانے کی خاطر باہر آ گیا تھا۔ دیپک میرے قبضے میں نہ ہوتا تو شاید اب بھی وہ کسی پجارن کے لہنگے میں چھپا بیٹھا ہوتا، دوسروں کو بلاوجہ نفرت کی بھٹی میں جھونکتا رہتا.....!

اُس کی پیشانی پر مجھے شیطانی قوتوں کا جال نظر آ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُس نے گیان دھیان میں بڑی اُٹھک بیٹھک لگائی ہو گی۔ اُس کی نظریں میرے چہرے سے گزر کر دیپک پر ٹِک گئیں جو بے بسی سے دم سادھے میرے قدموں میں پڑا تھا۔ اُس نے میری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی خاموش رہنا مناسب سمجھا ہو گا، ورنہ پہلے بڑی اُچھل کود کر رہا تھا۔

''اتنی دُور کیوں رُک گئے نول کشور.....؟'' میں نے سرد آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

''تجھ پر دیا آ رہی ہے مورکھ.....'' اُس نے مجھے خوفناک نظروں سے گھورا۔ اُس کے ساتھی کسمسانے لگے۔

''میں دیا کا مطلب سمجھتا ہوں پنڈت مہاراج۔'' میں زہر خند سے بولا۔ ''نہ سمجھتا تو دیپک میرے چرنوں میں نہ پڑا ہوتا، اس سمے نرک کی سیر کر رہا ہوتا۔''

''بڑبولے..... بہت زبان چل گئی ہے تیری۔'' اُس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''اُس کے بل پر اکڑ رہا ہے جو تیرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہے۔''

''انکارانی کی بات مت کرو نول کشور، اُسے میں نے خاموش رہنے کو کہا ہے۔ ورنہ تم سب کے لئے وہی کافی ہوتی۔''

جواب میں اُس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا، مجھے باور کرانا چاہا کہ وہ انکارانی سے خوفزدہ نہیں ہے۔

''تو اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مورکھ، یہ بڑی ہرجائی ہے۔ کسی ایک کی ہو کر نہیں رہتی۔ ایک دن تجھے میری بات اوش یاد آئے گی۔ پرنتو اس سمے تجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ میری مان تو اُس کا پیچھا چھوڑ دے، بھگا دے اُسے۔'' وہ تیز آواز میں بولا۔ ''اپنی شکتی پر بھروسا کر۔ گجریوں بجریوں سے من بہلانا چھوڑ دے۔''

''جمیل.....'' انکا تلملانے لگی۔ ''یہ حرامزادہ بکواس کر رہا ہے۔ مجھے اجازت دو، میں اس بھاڑو کو دو منٹ میں سیدھا کر دُوں گی۔''

''نہیں انکارانی، فی الحال اطمینان سے بیٹھی رہو۔ تمہاری ضرورت پیش آئی تو میں تکلف سے کام نہیں لوں گا۔''

انکا نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اُس کی سرخ سرخ نگاہیں نول کشور پر جمی ہوئی تھیں، اُن سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

''کیا کھسر پھسر کر رہا تھا اُس ڈیڑھ بالشت کی چھمیا سے؟'' وہ حقارت سے ہنسا۔ ''ہوا بھر رہی ہو گی تجھے؟..... کیوں؟''

''نہیں.....'' میں نے اُسی کی زبان میں جواب دیا۔ ''مجھے بتا رہی تھی کہ دیپک کی پیدائش کا اصل راز کیا ہے۔''

نول کشور دیپک کا نام سن کر تلملانے لگا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔

''زبان کو لگام دے پاپی.....'' وہ غرایا۔ ''میں کالی کے مندر میں بیٹھا تھا تو اس کا کارن کچھ اور تھا۔ تو کچھ اور سمجھ بیٹھا۔ تو جانتا ہے کہ ہم نے بدری نرائن مہاراج کی چتا کی راکھ سنبھال کر رکھی ہے۔ تجھے ٹھکانے لگا لیں تو پھر اسے بھی کسی اُونچے استھان پر بکھیر دیں گے۔ کسی ایسی جگہ جہاں تجھ جیسے پلید منش کے گندے قدم نہ پہنچ سکیں۔''

''تم اندھے ہو نول کشور.....'' میں گرجنے لگا۔ ''تمہارے ساتھی بھی اندھے ہیں۔ پاگل ہیں جو تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آ گئے۔ انہیں خبر ہوتی کہ بدری نرائن کتنا بڑا پاپی، کتنا مکار، کس قدر دغاباز تھا تو یہ تمہارے جھنڈے تلے سر جوڑ کر کبھی کھڑے نہ ہوتے۔''

''چپ ہو جا مُسلے.....'' نول کشور کے اُلٹے ہاتھ پر کھڑا ہوا ایک ہٹا کٹا پجاری خم ٹھونک کر سامنے آ گیا۔ ''اپنی گندی زبان سے اب اگر بدری مہاراج کے لئے ایک شبد بھی اور کہا تو تیری کھاٹ کھڑی کر دُوں گا۔''

''مہاپرشوں کے ساتھ مسخری کر رہا ہے دشٹ.....'' میں نے پجاری کو غضبناک نظروں سے دیکھا۔ ''بڑوں کی باتوں میں دخل اندازی کرتا ہے۔ دیوی کے چڑھاوے کھا کھا کر بدن پر تھوڑی چربی چڑھ گئی تو آنکھیں دکھا رہا ہے۔ مکتی چاہتا ہے تو سر جھکا کر واپس چلا جا۔ نہیں تو ابھی رانڈ کے سانڈ، نظریں جھکا لے، واپس مندر میں جا کر کسی پجارن کے ساتھ

ٹھٹھول کر۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو بھاگے راستہ نہیں ملے گا۔''

پجاری کے ہونٹ ہلنے شروع ہو گئے۔ میں اختصار سے کام لوں گا، میں نے اُسے ڈھیل نہیں دی۔ ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا۔ اُس کے دوسرے ساتھی نول کشور کی جانب دیکھنے لگے۔

''اپرادھی.....'' نول کشور کے تیور بدلنے لگے۔ ''تو شرافت سے میری بات نہیں سمجھے گا۔ تیرے لئے کوئی اوپائے کرنا ہوگا۔''

''اوپائے تو تم کر چکے تھے نول کشور، لیکن نتیجہ کیا نکلا؟'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہاری کالی کی تمام شکتیوں کو نیچا دکھا کر باہر نکل آیا، تم سب ٹاپتے رہ گئے..... اب تم کو بھی باہر آنا پڑا، دیپک کے لئے۔''

''اسے چھوڑ دے.....'' نول کشور نے جھلا کر جواب دیا۔ ''بالکوں پر ہاتھ اُٹھانا مہا پرشوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔''

''چھوڑ دُوں گا.....'' میں نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ ''سنا ہے تو دیپک کو منہ بولا بیٹا کہتا ہے۔ اصلیت کیا ہے.....؟''

پنڈت نول کشور تپ اُٹھا، پیچ و تاب کھانے لگا۔ اُس کے چہرے پر ماورائی قوتوں کا جال پھیلنے لگا۔

''جمیل.....'' انکارانی پہلو بدل کر بولی۔ ''تم وقت برباد کر رہے ہو۔ کھیل جلدی سے نمٹا کر یہاں سے نکل چلو۔''

''تم نے جواب نہیں دیا مہاراج۔'' میں نے نول کشور پر طنز کے تیر برسانے شروع کئے۔ ''آج تو اپنی اُس رکھیل کا شبھ نام بتا دو جس نے تمہاری اس پاپ کی نشانی کو جنم دیا تھا۔ وہ زندہ ہے یا تم نے اپنا پاپ چھپانے کے کارن اُسے بھی جمنا کی طرح زبان کاٹ کر گونگی کر دیا؟''

''مہاراج.....'' ایک سادھو نے مجمع سے نکل کر نول کشور سے کہا۔ ''یہ پاپی مُسلا جو من میں آئے بولے چلا جا رہا ہے۔ تم کالی کے مندر کے بڑے پروہت ہو، مہا پرش ہو۔ تمہاری شکتی اپرم پار ہے پھر اسے جلا کر بھسم کیوں نہیں کر دیتے؟ اس دشٹ کی زبان کاٹ کر پھینک دو۔ پورا ہردوار تمہارے ساتھ ہے..... کس بات کا وچار کر رہے ہو؟''

نول کشور کی تیوری کے بل اور گہرے پڑ گئے۔ سادھو کی بات سن کر دوسرے پنڈت پجاریوں کی نظریں بھی اُس کی جانب اُٹھنے لگیں۔ نول کشور تن کر کھڑا ہو گیا.....

''دیپک کو ہٹا دے راستے سے۔ پھر میں بتاتا ہوں تجھے کہ کتنے بیسی کے ساٹھ ہوتے ہیں۔''

میں نے ٹھوکر ماری، دیپک بلبلاتا ہوا دُور جا پڑا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو مضبوطی سے تھام لیا۔ دوسری طرف نول کشور نے پلٹ کر کالی کے مندر کے بڑے گنبد کی طرف دیکھا، کئی بار جھک جھک کر ڈنڈوت کیا۔ پھر اُس نے میری طرف دیکھا، اُس کی نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ غصے کی شدت سے اُس کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اُس نے اپنے جنتر منتر آزمانے شروع کر دیئے۔ میں سینہ تانے کھڑا رہا۔ انکارانی اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنے لگی۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی مسلط تھی۔ نول کشور حملے کرتا رہا۔ وہی کھیل تماشے، وہی شعبدے بازی، وہی ناٹک جو میں پہلے کئی موقعوں پر دیکھ چکا تھا..... رونما ہوتے رہے۔ کبھی وہ زمین سے چٹکی بھر کر میری طرف اُچھالتا، کبھی سینے کے بال توڑنے لگتا، کبھی جنیو کو بل دینا شروع کر دیتا، کبھی ہاتھ پاؤں کو اُٹھا اُٹھا کر جھٹکنے لگتا۔

میں دروغ گوئی کو منافقت سے کم نہیں سمجھتا۔ میں اقرار کروں گا کہ پنڈت نول کشور نے کالی کے مندر میں بیٹھ کر وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ میں بدری نرائن کی طاقت سے بھی واقف تھا۔ میں نے دوسرے سینکڑوں پجاریوں کے دم خم بھی دیکھے تھے، اُن کے چمتکاروں سے بھی واسطہ پڑ چکا تھا، امر لال اور پریتم لال کی بات اور تھی لیکن پنڈت نول کشور مجھے سادھو جگدیو کی ٹکر کا نظر آ رہا تھا۔ انکارانی نے مجھے جگدیو کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ سورگ باشی پریتم لال کے دوستوں میں سے تھا۔ اُس کو ماورائی قوتوں کے حصول کا جنون تھا۔ وہ تمام زندگی جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا رہا، جہاں بھی کچھ ملتا اُٹھا کر اپنی جھولی میں ڈال لیتا۔ ایک بار وہ اپنی عظیم طاقت کے گھمنڈ میں غلطی سے پریتم لال سے بھی ٹکرا گیا تھا۔ پھر اُس نے اپنی شکست بھی بڑی مردانگی سے قبول کر لی اور سچے دل سے ہمیشہ کے لئے پریتم لال کا ہاتھ تھام لیا۔ جب تک زندہ رہا، تن من دھن سے پریتم لال کا سیوک بن کر اُس کی خدمت کرتا رہا، اُسی کے گن گاتا رہا۔

پنڈت نول کشور کے اندر مجھے دوسرا سادھو جگدیو نظر آ رہا تھا۔ دیپک کی وجہ سے وہ پاگل

نہ ہو گیا ہوتا تو شاید میری کہانی کچھ اور ہوتی۔ لیکن وہ جوش میں تھا، ہوش سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اُس کا چہرہ بھڑکتی آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ میرا حصار کئی بار اُس کے حملوں سے ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گیا، کئی بار مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی گتے کے بڑے ڈبے میں بند ہوں، کوئی جری شخصیت کا مالک مجھے اِدھر اُدھر اُلٹ پلٹ رہا ہے..... اُسے صرف میری اُنہی قوتوں کا اندازہ تھا جو مجھے پریتا لال، آنند لال اور جگدیو کے ذریعے ملی تھیں۔ کلدیپ کی آتما میرے کام آتی رہتی تھی۔ گفتگو کے دوران اُس نے مجھے سب کچھ بتا کر حیران کر دیا تھا۔ لیکن دوسرے پجاریوں کی طرح وہ بھی نندا کی بخشی ہوئی قوتوں اور تبت میں گزاری ہوئی میری زندگی کے سنہرے باب سے مطلق بے خبر تھا۔ سیّد کی لاٹھی کے بارے میں بھی اُن کے فرشتوں کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ میرے پاس یہی دو حربے تھے جو اُنہیں زیر کر دیتے تھے۔

پنڈت نول کشور متواتر حملے کرتا رہا۔ پھر اُس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر اپنی چٹیا کو مٹھی میں جکڑا تو انکارانی نے تیزی سے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''سنبھلنا جمیل..... اب یہ وہ داؤ آزمانے جا رہا ہے جو اس سے پیشتر کسی پنڈت پجاری نے نہیں آزمایا۔ میری مانو تو اسے ڈھیل مت دو، جتنی جلدی ممکن ہو اس کا کھیل ختم کر دو۔''

''تم پریشان مت ہو..... تماشہ دیکھتی رہو۔''

''یہی تمہاری غلطی ہے۔'' وہ تلملانے لگی۔ ''تم میری بات نہیں مانتے، اپنی من مانی کرتے ہو۔''

میں نے جواب نہیں دیا، میری نگاہیں نول کشور پر جمی تھیں جو اپنی چٹیا تھامے کھڑا مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

''مجھے معلوم ہے نول کشور.....'' میں اُسے بھڑکانے کی خاطر زہر خند سے بولا۔ ''تم اب اپنا آخری داؤ استعمال کرنے کی سوچ رہے ہو، تمہیں یہ وچار بھی بیاکل کر رہا ہوگا کہ اگر تمہارا داؤ کام نہ آیا تو کیا ہوگا..... کیوں؟ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''من میں کچھ اور گند بھرا ہو تو وہ بھی نکال دے۔'' نول کشور زخمی شیر کی طرح دھاڑا۔ ''پاپی، دشٹ، من کی ساری آشائیں پوری کر لے، اس کے بعد سمے تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک چار چھ ہٹے کٹے پجاری شیوا کو گھسیٹتے ہوئے سامنے لے آئے۔ میں نے شیوا کو دیکھا تو میری آنکھیں چمکنے لگیں..... میں نے چیخ کر کہا۔

''نول کشور، ابھی تک تم جنتر منتر کے کھیل تماشے دکھا رہے ہو، میں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی اختیار کئے کھڑا ہوں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ تم اپنی ترکش کا آخری تیر استعمال کرو یا میں جوابی حملہ شروع کروں..... تمہارے گندے بوجھ سے دھرتی کو چھٹکارا دلا دُوں، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میری بات دھیان سے سن لو'' میری آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ''تم نے پنڈت شیوا پر جو الزام لگایا ہے اس میں کوئی صداقت، کوئی سچائی نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ میں نے شیوا کی زندگی صرف اس لئے بخش دی تھی کہ میں اُس کے ذریعہ تمہیں اپنا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ شیوا نے آخری وقت یہی کہا تھا کہ وہ ڈر کر بھاگے گا نہیں، میں اُسے مار دُوں..... سن رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟ تم شیوا کی طرف سے اپنا من صاف کر لو، میں اُس کی خاطر تمہیں ایک آخری موقع اور دینے کو تیار ہوں۔''

''تم..... تم یہ کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو جمیل.....؟'' انکارانی جھلا کر بولی۔ ''نول کشور کو ختم کر دو..... مار ڈالو، میری بات مان لو۔ کھیل ختم کرنے کی کوشش کرو۔''

''تم اس وقت درمیان میں اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے انکارانی سے کہا۔ ''ایک بار تمہارے دل میں بھی گرہ لگی تھی کہ میں نے شیوا کو زندہ کیوں چھوڑ دیا.....؟ یاد ہے نا..... آج میں اس گانٹھ کو بھی کھولنا چاہتا ہوں۔''

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو جمیل.....'' اُس نے متوحش نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''نول کشور جو آخری داؤ استعمال کرنے سے ہچکچا رہا ہے وہ تمہاری توقعات سے زیادہ خطرناک ہے۔ اُسے موقع مت دو۔ میرے دل میں تمہاری طرف سے اب کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ میں چاہوں بھی تو تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتی۔''

انکارانی کا آخری جملہ میرے لئے توجہ طلب تھا۔ اس سے پیشتر اُس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں اُس کی مجبوری کا سبب جاننا چاہتا تھا، میری توجہ بٹ گئی۔ پنڈت نول کشور کو شاید اسی موقع کی تلاش تھی۔ وہ اپنا وار کر گیا۔ اُس نے مٹھی میں جکڑی ہوئی چٹیا کو پوری قوت سے جھٹکا دیا، کئی بال ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آ گئے۔ اُس نے بالوں پر جلدی جلدی کچھ پڑھ کر میری طرف اُچھال دیا..... فضا میں بجلیاں کڑکنے لگیں۔ ایسی آوازیں گونجنے

لگیں جیسے ہزاروں بدرُوحیں چیخ رہی ہوں۔

مجھے اپنے جسم پر شدید تپش کا احساس ہوا۔ میں نے جسم پر نظر ڈالی تو ششدر رہ گیا۔ میں ننگا کھڑا تھا..... میرے جسم پر سیاہ سیاہ آبلے نظر آ رہے تھے..... میں نے جو حصار قائم کیا تھا وہ ٹوٹ چکا تھا۔ پنڈت پجاریوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ سیّد کی لاٹھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے قدموں میں گر گئی تھی۔ میں اُسے اُٹھانے کے ارادے سے جھکا، نول کشور کو ایک موقع اور مل گیا۔ اُس نے برق رفتاری سے گلے میں پڑا ہوا جنیو اُتار کر میری طرف اُچھالا، میں رسیوں میں جکڑا گیا..... ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل نہیں رہا۔ انکارانی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں سیّد کی لاٹھی پر اوندھے منہ گرا۔ جب اچانک کوئی افتادخلافِ توقع آ پڑے تو ایک لمحے کو انسان ششدر رہ جاتا ہے، اُس کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں، کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ سب کچھ میری توقع کے خلاف ہوا تھا۔ بازی ایک دم سے پلٹی تھی۔ انکارانی نے کہا بھی تھا کہ نول کشور وہ آخری حربہ استعمال کرنے کی سوچ رہا تھا جو اس سے پیشتر کسی پنڈت پجاری نے نہیں کیا تھا۔ انسان ہمیشہ غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے۔ مجھے بھی کچھ زیادہ ہی خوش فہمی ہو گئی تھی، نول کشور کو موقع مل گیا۔ اُس نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ لیکن اُس نے ابھی تک میرے قریب آنے کی ہمت نہیں کی۔ اُس کی دیکھا دیکھی اُس کے چیلے بھی دُور ہی دُور کھڑے تھے۔ پھر ایک پنڈت نے جو نول کشور کے سیدھے ہاتھ پر کھڑا تھا چیخ کر شیوا سے کہا۔

''تیرے امتحان کا سمے آ گیا شیوا..... آگے بڑھ کر اس مُسلے کا قصہ پاک کر دے، ہم تجھے شما کر دیں گے، تجھے پھر وہی مان ملے گا جو تو نے کھو دیا تھا.....''

پنڈت نے دھوتی کے اندر چھپا ہوا شکاری چاقو نکال کر شیوا کی طرف اُچھالا۔ شیوا چاقو پر گرفت جما کر بجلی کی سرعت کے ساتھ میرے قریب آ گیا۔ بوکھلاہٹ میں، میں کوئی جوابی کارروائی کرنا بھی بھول گیا..... شیوا کی آنکھوں میں خون اُبل رہا تھا۔ وہ اُچھل کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ لات مار کر اُس نے مجھے چت کیا۔ اُس کا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہوا، میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ موت کا تصور پلکوں کے نیچے اندھیرا بن کر لہرانے لگا..... میرے ہاتھ کی رسیاں کٹ گئیں۔ میرے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ شاید میں پھر کسی خوش فہمی کا شکار ہو رہا تھا جب شیوا میرے جسم سے لپٹ گیا۔ اُس نے دوسروں کو یہی

تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرا گلا گھونٹ کر مارنا چاہتا ہے۔ اُس کی آواز سرسراتی ہوئی میرے کانوں میں گونجی۔

''تم نے میرا جیون مجھے دان کر دیا تھا۔ میں تمہارے دان کیے ہوئے جیون سے تمہارا ہی خون نہیں کر سکتا تھا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام، میں نے اپنا دھرم اپدیش نبھا دیا۔ کرتو یہ پورا کر دیا.....''

میں نے ہاتھ آزاد ہوتے ہی سیّد کی لاٹھی پکڑ لی۔ ارتکاز اور مراقبے کا عمل کرتا ہوا تیزی سے اُٹھا، حصار کھینچنے میں بھی بڑی عجلت سے کام لیا۔ نول کشور اور اُس کے ساتھی حیرت زدہ رہ گئے۔ اُن کی قہر آلود نظریں موقع کی نزاکت بھانپ کر شیوا کی جانب اُٹھنے لگیں۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر اُس کا رُخ پنڈت نول کشور کی سمت کر دیا۔ وہ فضا میں اُچھل کر زمین پر چاروں شانے چت گرا۔ میں نے اس پجاری کی سمت دیکھا جس نے شیوا کو شکاری چاقو دے کر میری طرف بھیجا تھا۔ میں نے اُلٹا ہاتھ اُس کی طرف کر کے اُنگلیاں جھٹک دیں۔ وہ بھی زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ پھر اُس کا جسم اکڑ گیا۔ میں نے اپنے جسم کے آبلوں پر پھونک ماری، ساری سوزش ختم ہو گئی۔ تمام چھالے اور داغ دھبے دُور ہو گئے۔ میں لپک کر نول کشور کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھ کھڑے ہوئے پجاری میری وحشت دیکھ کر کائی کی طرح پھٹ گئے۔ بہت ساروں نے دھوتیاں سنبھال کر مندر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

پنڈت نول کشور میرے حملے کا توڑ کر کے اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُس کے سر پر ماری۔ اُس کی کھوپڑی دو حصوں میں منقسم ہو گئی..... بھیجہ نکل کر باہر آ گیا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا..... ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی۔ پنڈت پجاری کالی کے مندر کی طرف بے تحاشہ بھاگنے لگے، دوسرے تماش بین بھی تتر بتر ہو گئے۔ دیپک نے بھی جان بچانے کی خاطر دوڑ لگا دی۔ میں اُسے بھی پنڈت نول کشور کے ساتھ ہی جہنم کے سفر پر روانہ کرنا چاہتا تھا۔ شیوا نے اس کی سفارش کی تو میں نے اُٹھا ہوا ہاتھ نیچے گرا لیا۔ میدان میں صرف شیوا رہ گیا۔ میں قدم اُٹھاتا اُس کے قریب چلا گیا۔

''شیوا.....'' میں نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''میں تمہارا احسان کبھی نہیں.....''

''ابکار کس بات کا.....؟'' وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ ''میں نے حساب برابر کر دیا۔''

''میرے ساتھ چلو شیوا.....'' میں نے اُسے دعوت دی۔ ''میں تمہارے اوپر آنکھ بند کر کے بھروسا کر سکتا ہوں۔ ہم ایک اور ایک مل کر گیارہ بن جائیں گے۔''

''نہیں مہاراج.....'' اُس نے مہاراج کہہ کر میری برتری تسلیم کر لی۔ میری دعوت ٹھکرا کر بولا۔ ''میں کالی کا سیوک ہوں..... میں نے کالی کے چرنوں میں جنم لیا تھا، میرا انت بھی دیوی کے چرنوں میں ہی ہوگا..... تم جاؤ۔''

میں شیوا کو سمجھانا چاہتا تھا کہ پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی تیز آوازیں میرے کانوں میں گونجنے لگیں۔ وہ ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ اب اُن کی مخبری پر شاید پولیس نے مجھے گھیرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ دو تین لاشوں کی موجودگی میں مجھے قاتل ثابت کرنا اُن کے لئے زیادہ دُشوار نہ ہوتا..... شیوا بھی فکرمند نظر آنے لگا۔ میں فرار کا کوئی راستہ تلاش کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ انکا رانی میرے سر پر واپس آ گئی..... میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''اب کیا ہوگا انکا رانی.....؟ وہ پھر میرا وقت برباد کریں گے۔ چندرا کو غور کرنے کا موقع مل جائے گا۔''

انکا رانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں سنبھل نہ سکا۔ میری نظروں کے نیچے گھپ اندھیروں کے بادل تیرنے لگے.....!!

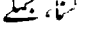

میرے ذہن پر طاری دُھند آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھی۔ ایک ہلکی سی ملگجی چادر جیسی تاریکی اب بھی درمیان میں حائل تھی۔ اس تاریکی کے اُس پار میرا ماضی دفن تھا۔ میری کتابِ زندگی کے اوراق جا بجا بکھرے پڑے تھے، ان پر حالات اور گزرتے وقت کی گرد جم چکی تھی۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ پڑھنے والے میری داستان کا کیا اثر قبول کریں گے؟ جس کے دل پر گزرتی ہے، تکلیف کی شدت کا اندازہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں لگا سکتا۔ تنقید کرنا، بال کی کھال نکالنا بڑا آسان کام ہے۔ اپنی کرنی انسان کو سوئی جیسی لگتی ہے۔ کوئی دوسرا وہی غلطی کرے تو شہتیر بن جاتی ہے۔ میں شکوہ نہیں کر رہا، مجھے شکوہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ روزِ محشر دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جائے گا۔ سب کے اعمال نامے اُن کے اپنے اپنے ہاتھوں میں ہوں گے۔ وہاں تنقید کرنے کی اجازت نہیں ہو گی، جسم کا ایک ایک عضو گواہی دے گا، انکار کرنے کی جسارت کسی مائی کے لال میں نہیں ہو گی، سب دم سادھے کھڑے ہوں گے، اپنی اپنی فکروں سے اتنی مہلت ہی نہیں ملے گی کہ دوسروں کی طرف دیکھ سکیں، دوسروں میں کیڑے نکال سکیں..... یہ گل افشانیاں، یہ چھیڑ چھاڑ، ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا، اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنا، دوسروں کی خامیوں کا ڈھنڈورا پیٹنا، محفلوں میں بیٹھ کر ڈینگیں مارنا، اپنی امارت کا اظہار کرنا، غیروں پر پھبتیاں کسنا، جملے بازی کرنا، طاقت کے بل پر اُچھلنا کودنا، یہ سب کچھ یہیں، اس دنیا میں رہ جائے گا۔ وہاں دوسروں کی عزت پر شب خون مارنے کی اجازت نہیں ہو گی، کسی کی بہو بیٹیوں کے سر سے دوپٹہ کھینچنے کی مجال نہیں ہو گی، دھن دولت کسی کام نہیں آئے گی۔ قانون کی خرید و فروخت کا کاروبار نہیں چلے گا۔ دنیا دکھاوے کو اشک شوئی کرنا، ڈھونگ اور ناٹک رچانے کے مواقع نہیں ملیں گے۔ ''بغل میں چھری اور لب پر رام رام'' کی ساری کہانیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ سارے کچے چٹھے مثل آئینہ روشن ہوں گے، ساری قلعی اُتر

جائے گی، غازہ، لپ اسٹک اور پاؤڈر..... سارا میک اپ ڈھل جائے گا۔ اصلیت کھل کر سامنے آجائے گی۔ روز وشب کی تمام تفصیل، ساری روداد سامنے ہوگی۔ انجام کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا، وکیلوں کے دفتروں کے چکر نہیں کاٹنے ہوں گے، منصف کے قلم پر ''ناقابل فروخت'' لکھا نظر آجائے گا۔ ایک منصف ہوگا، اُس کا ایک ہی فیصلہ ہوگا۔ اس پر عملدرآمد میں پلک جھپکنے کی تاخیر بھی نہیں ہوگی۔

وہاں پنڈت امر لال، بدری نرائن، برکاتی شاہ، سیّد مجذوب، میں اور آپ سب ایک قطار میں، ایک ہی صف میں سر جھکائے باادب کھڑے ہوں گے۔ نہ انکارانی کا زور چلے گا، نہ پریتم لال اور سادھو جگدیو کے جنتر منتر کام آئیں گے۔ نندا اور کمپالا بھی سرنگوں ہوں گے۔ کچھ چہرے مثل آفتاب چمک رہے ہوں گے، کچھ بے گناہ ہونے کے باوجود اُس کے قہر سے لرزیدہ ہوں گے، کانپ رہے ہوں گے۔ وہاں ماضی، حال اور مستقبل کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ سارے سودے، سارا کاروبار ہاتھ کے ہاتھ ہوگا، نقد کام ہوگا۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے.....! ''میاں کی جوتی میاں کے سر'' کی مثال کا اصل مطلب واضح ہو جائے گا۔ احتجاج کی گنجائش نہیں ہوگی۔ سارے شور وشرابے، ساری اُچھل کود، نام ونمود کی پھلجھڑیاں صرف زمین پر اپنی چھب دکھا سکتی ہیں، آسمانوں پر اُس کا نظام بڑا صاف و شفاف ہوگا۔ کسی پرندے کو پر مارنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔ محض نام کے ساتھ پیرزادہ، عادل زادہ یا امیرزادہ لگا لینے سے کام نہیں چلے گا..... اُلٹے سیدھے بیان داغنے کی مہلت نہیں ہوگی۔ جو بویا ہے وہی کاٹنا پڑے گا۔ پیر پیغمبروں کے متبرک اسمائے گرامی..... اولیاء، انبیاء..... اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے ناموں سے ملتے جلتے ناموں کو جنت کی سند نہیں حاصل ہوتی۔ لوگوں نے دستور بنا لیا ہے کہ بچوں کا نام رکھتے وقت بڑی بڑی کتابوں کو کھنگالا جاتا ہے، جو نام فہرست میں شامل کئے جاتے ہیں، صرف ان کے صوتی حسن کا خیال ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے، اس کی عظمت اور احترام کو بالائے طاق رکھ کر ان ناموں کے جزیا اجزاء کو کلی پھندنوں کی طرح نومولود کے نام کے ساتھ نتھی کر دیا جاتا ہے۔ ان باتوں سے بخشش نہیں ہوتی۔ سب دل کے بہلاوے ہیں، ڈھکوسلے بازی ہے، بس ایک بات سن لو، گرہ سے باندھ لو..... ''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا''

میں کوئی لاطینی زبان نہیں بول رہا، فلسفہ نہیں بگھار رہا جو بات سمجھ میں نہ آسکے۔ جان

بوجھ کر انجان بننا اور بات ہے، مجھے کسی اور کی نہیں اپنی قبر میں جانا ہے۔ میری سرگزشت بھی میرے پیش نظر ہے۔ میری کہانی بڑی رنگین ہے لیکن اس کے نتائج رنگین نہیں، سنگین ہوں گے۔ میں نے کبھی اپنی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا، میں نہیں جانتا کہ میری داستان پڑھنے والے اس کا کیا تاثر قبول کریں گے۔ لیکن ایک حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوگا، میں نے ایک عام آدمی کے مقابلے میں زیادہ نامساعد حالات میں زندگی بسر کی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اس جہنم میں چھلانگ نہیں لگائی تھی، انکارانی میرے سر پر خود سے آئی تھی، اس میں میری مرضی، میری خواہش کو کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ بے پناہ پراسرار قوتوں کی مالک تھی، اُس کے پنجے جب جلد میں چبھتے ہیں تو میرا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے، ذہن ماؤف ہو تو انسان صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر سکتا۔ طاقت کا تصور، دوسروں پر برتری کا احساس، دولت، عزت اور شہرت کا نشہ یہ سب باتیں انسان کو بہکا دیتی ہیں، اندھا کر دیتی ہیں۔ میں نے شروع میں ضرور کترانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ''خون کا مزہ'' منہ کو لگ جانے کے بعد میں بھی بہک گیا، اندھا ہو گیا، درندہ بن گیا..... میں نے اپنی داستان کا کوئی حصہ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ جو واقعات رونما ہوئے، جس تواتر سے پیش آتے رہے اسی ترتیب سے بے کم وکاست قلم بند کرتا رہا۔ میں نے جو صدمے برداشت کئے، جن اذیتوں سے گزرا، جن حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات اور مشاہدات سے میرا واسطہ پڑا ہے اسے انسان کا ذہن قبول نہیں کرتا۔ کبھی کبھی خود مجھے بھی ایسا شبہ ہوتا ہے جیسے جو کچھ میں نے دیکھا، جو میرے اوپر گزری وہ سب میرا وہم تھا..... خواب رہا ہوگا.....!

میرے پاس انکارانی کی عجیب وغریب قوت تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کم اور انکارانی کی آنکھوں سے زیادہ دنیا کے نشیب وفراز دیکھے۔ اُسی کی نظروں سے انسان کو اندر سے کھنگالنے کی کوشش کی۔ میری یہ داستان جب آخری موڑ پر پہنچے گی تو شاید آپ مجھ سے بہتر کوئی نتیجہ اخذ کر سکیں، میں نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ کیا گنوا دیا؟ کیا حاصل کیا.....؟ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ پنڈت پجاریوں کی دشمنی نے ہندوستان کی سرزمین کے چپے چپے پر میرے دشمن پیدا کر دیئے تھے، مجھے کہیں قدم جمانے، کہیں سر چھپا کر دو گھڑی ستانے کی مہلت نہیں تھی۔ میں کسی ستارے کی طرح روز وشب گردش میں رہتا تھا۔ مچھلی کانٹا نگل لینے کے بعد شکاری کے رحم وکرم پر ہوتی ہے۔ خشکی پر آنے سے پیشتر وہ اپنا پورا زور لگاتی ہے،

تڑپتی ہے، پھڑپھڑاتی ہے۔ میری کیفیت بھی اسی سے ملتی جلتی تھی۔ میں بے دست و پا ہو جاتا تو میرے دشمن کے کلیجوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی۔ میں ذرا آسودہ حال ہوتا تو وہ پھر میرے گرد اپنا گھیرا ڈالنا شروع کر دیتے۔ مجھے اپنے بچاؤ کے لئے پھر ہاتھ پھیر چلانے پڑتے۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجا کرتی..... کون ہاتھ قصوروار ہوتا ہے کون بے قصور؟ یہ جھگڑا ازل سے چل رہا ہے، ابد تک جاری رہے گا..... سیاہ و سفید کا فیصلہ زمین پر نہیں آسمان پر ہوگا۔ اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اترانے سے قلبی سکون نہیں ملتا..... ایسا کرنے والے خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں.....!!

میں اُس وقت بھی بڑا بے سکون تھا جب ملگجی باریک چادر کی تاریکی بھی رفتہ رفتہ دُور ہو گئی۔ میرا ذہن پوری طرح کام کرنے لگا۔ میں حیرت سے اس آرام دہ کمرے کو دیکھنے لگا جہاں ایک درمیانے درجے کے آدمی کی ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ مجھے یاد آیا، میں نے ہردوار میں کالی کے بڑے مندر کے سامنے اپنے ایک دشمن پنڈت نول کشور کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔ دو تین پنڈت پجاری اور بھی بلاوجہ ہمارے درمیان آ کر پس گئے تھے۔ مجھے اُن کی موت کا کوئی غم نہیں تھا۔ نول کشور کی موت میرے لئے باعث مسرت تھی۔ میں اُس کی لاش پر چتا کی آگ تک پہنچنے سے پہلے اپنی کامیابی کا جشن منانا چاہتا تھا۔ سیّد نے بھی اشارے کنایوں میں تالی بجانے اور تھرکنے کا ذکر کیا تھا۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ مگر میری یہی خواہش تھی کہ دو چار ٹھمکے ضرور لگا لوں۔ مگر اس کی فرصت نہیں ملی..... نول کشور کی موت کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا، وہ کالی کے بڑے مندر کا پروہت تھا، اُس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہوگی۔ پنڈت پجاری مندر کے تہہ خانوں میں چھپ کر بیٹھ گئے ہوں گے۔ اُن کے دل تا دیر سینوں میں دھڑکتے رہے ہوں گے..... کسی نے پولیس کو فون پر اطلاع دی ہوگی کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو پنڈت کو مار ڈالا۔ ہر طرف تہلکہ مچا ہوگا، قانون کے محافظوں کے ذہن بھی تعصب کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ اسی تعصب کی آڑ میں بے گناہ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگانے کا سنہری موقع بھی بلوائیوں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ انتہا پسند اپنی اکثریت کی بنیاد پر کمر کس کر مردانگی دکھانے کی خاطر میدان میں نکل آتے ہیں، دُکانیں لوٹی جاتی ہیں، عصمتیں روندی جاتی ہیں، معصوم اور نوجوان لڑکیوں کو سر بازار ننگا کر دیا جاتا ہے، ان کے ہاتھ پشت پر باندھ

دیئے جاتے ہیں۔ وہ اجتماعی زیادتی کا برملا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی بہادری پر شیطانی قہقہے بلند کرتے ہیں۔ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا بھی قتل عام شروع ہو جاتا ہے، شیر خوار بچوں کے حلق میں چھرے گھونپ دیئے جاتے ہیں، حکومت کے ماتھے پر بھی بل آ جاتا ہے۔ پڑھے لکھے سیاستدان بھی بیان داغتے وقت مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، تعصب کا الزام ہمیشہ اقلیت پر ہی لگایا جاتا ہے، اکثریت کے خلاف زبان کھولنے والے مافیا کے دہشت گردوں کے ہاتھوں مار دیئے جاتے ہیں۔ جان بوجھ کر کون اپنی موت کو دعوت دیتا ہے.....؟

میرے ذہن میں آندھی چل رہی تھی، مجھے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ میں نے دیپک کو مندر کی جانب جان بچا کر بھاگتے دیکھ کر اپنا ہاتھ اٹھایا تھا، شیوا نے اُس کی زندگی کی سفارش نہ کی ہوتی تو وہ بھی کام آ گیا ہوتا..... میں نے شیوا کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی تھی، اُس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بڑی جوانمردی سے میری پیشکش رد کر دی۔ اُس نے کالی کے قدموں میں آنکھیں کھولی تھیں، اُسی کے چرنوں میں مرنے کا خواہش مند تھا۔ میں اُسے قتل کرنا چاہتا تھا کہ وہ غلطی پر ہے، کالی کا مندر اُس کے لئے مقتل گاہ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ سینکڑوں لوگ گواہ بن چکے تھے کہ پنڈت نول کشور کے قتل کی ذمہ داری شیوا پر بھی عائد ہوتی تھی۔ اُس نے مجھے مار دیا ہوتا تو کہانی وہیں ختم ہو جاتی۔ پنڈت پجاری اُسے کاندھوں پر اُٹھا لیتے، جلوس کی شکل میں گلی کوچوں میں چکراتے پھرتے، شیوا کے نام کی ''جے جے کار'' گونج رہی ہوتی۔ وہ نول کشور کا نائب بھی مقرر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن شیوا نے ایسا نہیں کیا، وہ مرد تھا، اُس کی رگوں میں زنخوں کا خون نہیں، کسی خاندانی باپ کا خون گردش کر رہا تھا۔ میں نے اُس پر جو احسان کیا تھا، شیوا نے اس کا حساب برابر کر دیا۔ میرے ہاتھ کی لکیریں کاٹتے وقت اُس کا دل ضرور دھڑکا ہوگا، اُسے علم رہا ہوگا کہ وہ اپنی موت کے پروانے پر خود اپنے خون سے انگوٹھا لگا رہا ہے۔ لیکن اُس کے قدم نہیں ڈگمگائے، وہ موت سے نہیں ڈرا..... بازی میرے حق میں پلٹ گئی، نول کشور کام آ گیا، اُس کی موت اذیتناک ہوئی تھی..... اور شیوا اسی کالی کے مندر میں واپس جانے کی بات کر رہا تھا جہاں ہر کوئی اُس کے خون کا پیاسا ہو رہا ہوگا..... میں اُسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ غلط فیصلہ کر رہا ہے لیکن مجھے اس کی مہلت نہیں ملی۔ پولیس کی سائرن بجاتی گاڑیاں گردش میں آ گئیں۔ میں جائے واردات سے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جاتا تو شاید شیوا کی گواہی بھی میرے کسی کام نہ آتی،

ہزاروں چشم دید گواہ میرے خلاف زہر اُگلنے کو آمادہ ہو جاتے۔ اُن کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی وہی کرتا۔ لیکن انکارانی نے میرے سر پر واپس آ کر اپنے تیز پنجے میرے سر میں چبھو دیئے۔ میرے سامنے گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ میری بجائے پولیس کے ہرکاروں نے شیوا کو حراست میں لے لیا ہوگا، اُس پر ظلم توڑ رہے ہوں گے اور..... میں ایک آرام دہ کمرے کے بستر پر پڑا چھت کو گھور رہا تھا جب ایک مردانہ آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

میں نے پلٹ کر دیکھا، میری آنکھیں نمناک ہونے لگیں..... میں رکن الدین کی حویلی میں تھا۔ ایک مدت کے بعد رکن الدین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود مجھ سے بڑی عزت و احترام سے مخاطب ہوا تھا۔ اُس کی حویلی سے میری زندگی کی بہت ساری خوشگوار یادیں وابستہ تھیں، رکن الدین نے میرا بڑا ساتھ دیا تھا۔ اپنی حویلی کے دروازے میرے اوپر کھول دیئے تھے۔ تمہیں پہلی بار میری اور سیّد مجذوب کی ملاقات بھی ہوئی تھی جس نے میری زندگی میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اور بھی بے شمار یادیں تھیں جو میرے ذہن میں کروٹیں بدل رہی تھیں۔

کلدیپ کے مرنے کے بعد مجھے زندگی سے نفرت ہوگئی تھی۔ جین لندن سے نہ آ جاتی تو میں بمبئی کے کسی فٹ پاتھ پر ہی گھسٹتا گھسٹتا دم توڑ دیتا۔ جین نے جھولی پھیلا کر مجھ سے اپنے لئے میری زندگی کی بھیک مانگی، میں انکار نہ کر سکا۔ ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت میں نے ایک تزئین کے سوا سب کی یادیوں کو کھرچ کر ذہن سے نکال دیا تھا۔ انکارانی کو بھی ساتھ نہیں لے گیا تھا، اُس وقت میرا خیال تھا کہ دوبارہ کبھی ہندوستان کے جنم میں پلٹ کر نہیں آؤں گا۔ لیکن پریتم لال نے کلدیپ کی بے چین رُوح کا ذکر چھیڑ کر مجھے واپسی کے سفر پر آمادہ کر دیا۔ اب قسمت مجھے دوبارہ رکن الدین کی حویلی لے آئی تھی۔

انکارانی نے ایک لمبی جست بھری تھی، ہردوار سے گلبرگہ..... دہلی لے جاتی تو میں ایک بار پھر خواجگان کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑ رگڑ کر اپنے ماضی کے گناہوں سے توبہ کر لیتا۔ آگرہ لے جاتی تو تاج محل کا نظارہ ہی کر لیتا، یہ بھی محسوس کرنے کی کوشش کرتا کہ ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر کس کس انداز و زاویوں سے غریبوں کی محبت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔ اجمیر میں کچھ دنوں قیام ممکن ہوتا تو وہاں بھی زیارتوں سے مستفید ہو لیتا، بزرگان

دین کے مزاروں پر حاضری کی سعادت حاصل کر لیتا۔ بمبئی واپسی ممکن ہو جاتی تو تزئین کو ایک بار دیکھ لیتا۔ ایک وہی تو تھی جو میری زندگی کا سب سے قیمتی اور انمول نگینہ تھی۔ اشرفی بیگم نے اُسے چھیننے کی خاطر کیا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ میری اور میری کلدیپ کی مشترکہ منظورِ نظر تھی۔ اُس کو دیکھ کر نرگس کی یاد آ جاتی تھی..... تزئین کو یاد کر کے میں بے چین ہونے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انکارانی نے اتنی لمبی چھلانگ کیوں لگائی تھی؟

''کس غور و فکر میں مبتلا ہیں محترم.....؟'' رکن الدین نے میری مسہری کے قریب آ کر اپنی محبت سے دریافت کیا۔

''میں یہاں کب آیا تھا.....؟'' میں نے رکن الدین کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''کل رات ہی کی بات ہے جب آپ نے اس حقیر کی حویلی کو دوبارہ عزت بخشی.....'' رکن الدین کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''طلعت نے دروازے پر جا کر آپ کا نام دریافت کیا، پھر وہ خوشی سے دیوانی ہوگئی۔ اُس نے آپ کی آمد کی اطلاع دی تو مجھے یقین نہیں آیا۔ آپ کی طبیعت اُس وقت ٹھیک نہیں تھی، تھکے تھکے نظر آ رہے تھے۔ میں نے گھر کے تمام افراد کو منع کر دیا کہ کوئی آپ کو پریشان نہ کرے۔ آپ بستر پر لیٹتے ہی بے خبر ہوگئے تھے، ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا.....''

''مجھے کچھ خبر نہیں.....'' میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

''اتنے دنوں کہاں رہے.....؟''

''پاؤں میں چکر ہو تو انسان ایک جگہ نہیں ٹِک سکتا۔ میں بھی بگولوں کی طرح گردش کرتا رہا۔''

''پچھلی بار سہراب اور پریم آئے تھے تو اُن کی زبانی خبر ملی تھی کہ کوئی میم آپ کو اپنے ساتھ لندن لے گئی تھی۔'' رکن الدین نے دبی زبان میں پوچھا۔

''ہاں.....'' میں نے بجھی آواز میں اقرار کر لیا۔ ''ہندوستان سے دل اچاٹ ہوگیا تھا۔''

''واپسی کب ہوئی.....؟'' رکن الدین نے استفسار کیا۔

''اب تو ٹھیک سے یہ بھی نہیں یاد رہا.....'' میرے لہجے میں کرب بھی شامل ہوگیا۔

''آپ نے اچھا کیا جو غریب خانے کا رُخ کیا۔'' رکن الدین نے بڑے خلوص سے

کہا۔ ''یہاں آپ کی طبیعت بہل جائے گی۔''

''شاید.....'' میں نے مختصراً کہا۔

''اب آ گئے ہیں تو واپسی میں جلدی نہ کیجئے گا۔''

''ایک ضروری کام باقی رہ گیا ہے۔'' میں نے چندرا کے بارے میں سوچتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''اُسے نمٹالوں تو پھر کہیں ٹِک کر بیٹھنے پر غور کروں گا۔''

''ہمیں چار روز سے آپ کی آمد کا انتظار تھا.....'' رکن الدین معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

''کیا مطلب.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''چار روز پیشتر سیّد آیا تھا، اُس نے کہا آپ آنے والے ہیں۔''

میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سیّد مجذوب کا ذکر سن کر گویا میرے ناتواں جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ مجھ سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا، خدا کے عشق میں ڈوب گیا تھا، جذب ہو کر مجذوب بن گیا تھا۔ وہ بہت سارے بھیدوں سے واقف تھا، اُس کی نظروں نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے اوپر کیا گزرنے والی ہے۔ اُسے حالات کی پیشگی اطلاع ہوگی۔ اُسی نے پنڈت نول کشور کو مندر سے باہر نکالنے کا طریقہ بتایا تھا۔ میں نہ سمجھ سکا، اُلجھتا رہا۔ انکا رانی بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔ پھر نول کشور کا قصہ پاک ہوگیا۔

''کیا سوچنے لگے.....؟'' رکن الدین نے مجھے خیالوں میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔

''سیّد آتا رہتا ہے.....؟'' میں نے دریافت کیا۔

''ہاں۔ وہ خواجہ کی چوکھٹ کا دیوانہ ہے، اُسی کے آس پاس بھٹکتا رہتا ہے۔ مجھ پر بھی اُس کی نظرِ عنایت ہے، آتا رہتا ہے۔''

''بھابھی صاحبہ کیسی ہیں.....؟'' میں نے بیگم رکن الدین کی خیریت دریافت کی۔

''وہ آج کل ناہید کے پاس گئی ہوئی ہیں۔''

''یہ غلط بات ہے ابا حضور.....'' طلعت نے اچانک سامنے آ کر شکوہ کیا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ ہمیں فوری خبر کریں گے۔ مگر آپ تو بات کرنے بیٹھ گئے۔''

اُس کے لہجے میں شوخی تھی۔ اتنے دبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ مجھے بھنک بھی نہ ملی۔ میں نے اُسے پیار سے دیکھا تو دوڑ کر اُس نے اپنا سر میرے کاندھوں پر رکھ

دیا۔ میں شفقت سے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اچانک میری نظروں میں دو جانے پہچانے چہرے اور آ گئے۔ وہ دونوں بھی رکن الدین کے عقب سے آہستہ آہستہ نمودار ہوئی تھیں۔ شاید طلعت کے ساتھ وہ بھی چھپی بیٹھی ہماری باتیں سن رہی تھیں۔ اُن کو دیکھ کر ماضی کی اور بہت ساری تلخ و شیریں یادیں ذہن کے پردوں پر اُبھرنے لگیں۔

وہ زرافشاں اور درخشاں تھیں جنہیں میں پیار سے زری اور رخشی کہا کرتا تھا۔ میں نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے قریب بلا لیا، وہ شرماتی لجاتی قریب آ گئیں۔ طلعت علیحدہ ہوئی تو وہ دونوں مجھ سے لپٹ گئیں۔

''کیسی ہو زری.....؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کی دُعا سے خیریت سے ہوں.....'' اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''جھوٹ.....'' طلعت شوخی سے بولی۔ ''اب تو اس کی خیریت ہم سب کو خدا سے نیک مطلوب ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے رکن الدین کی سمت دیکھا۔ طلعت کی بات کا مطلب میرے ذہن میں کچھ کچھ آ رہا تھا۔

''میں نے زرافشاں کی بات ایک نہایت مناسب رشتہ دیکھ کر پکی کر دی ہے۔'' رکن الدین نے خوشی کا اظہار کیا۔ ''آپ آ گئے ہیں تو اب دو ایک روز میں تاریخ بھی پکی کر دوں گا۔''

میں نے زرافشاں کی طرف دیکھا، وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اُس کے ہونٹوں کے گداز پر بڑی شرمیلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ کنکھیوں سے طلعت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ''بکرے کی ماں بھی کب تک خیر منائے گی۔ کسی نہ کسی گھر میں تمہارے لئے بھی چھری پر دھار رکھی جا رہی ہوگی۔ موقع آنے دو، میں نے گن گن کر بدلہ نہ لیا تو نام بدل دینا.....''

''میرے انتظار میں وقت ضائع نہ کریں۔'' میں نے کہا۔ ''جو کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔''

''نیک کام میں ویسے بھی دیر نہیں کرنی چاہئے..... کیوں چھوٹے ابا.....؟'' طلعت نے میری طرف دیکھ کر پہلی بار چھوٹے ابا کے خطاب سے نوازا تو میرے دل کی پامال حسرتوں

میں ابال آنے لگا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے پلکوں کی اوٹ تک آ جانے والے آنسوؤں کو روکا، اُس کا چھوٹے ابا کہنا مجھے اچھا لگا۔ تزئین مجھے بابا کہا کرتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ اگر حویلی میں ایک بار ہی دل کھول کر دُھوم دھام کر لی جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔'' میں نے رکن الدین کی جانب دیکھ کر دبی زبان میں کہا، وہ میری بات کا مفہوم سمجھ گیا۔ طلعت مجھے خونخوار بلی کی طرح گھورنے لگی۔

''ابھی میں نے آپ کو کتنے پیار سے چھوٹے ابا کہا تھا اور آپ نے جھگڑے کی بات شروع کر دی۔'' اُس کی خفگی میں بھی محبت اور اپنائیت کے رنگ جھلک رہے تھے۔

''میں آپ کے مشورے سے متفق ہوں۔'' رکن الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ایک دولڑکے ہیں میری نظر میں۔ میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ تینوں بچیوں کے ہاتھ ایک ساتھ پیلے کر دُوں۔''

''ایک نہ شد..... دو شد۔'' طلعت نے کڑوا سا منہ بنا کر جواب دیا، پھر تینوں لڑکیاں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زنان خانے کی طرف چلی گئیں۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب ایک بار پہلے بھی رکن الدین کی حویلی میں کئی لڑکیوں نے دُلہنوں کے زرق برق لباس پہنے تھے، اُن کے دُلہاؤں کے سر پر سہرے کی بہار منڈلائی تھی، پھر سب بکھر گئے۔ تزئین کو سیّد غوث کے عقد میں دیا گیا، سہراب اور پریم ہاتھ تھام کر زندگی کے ہم سفر بن گئے، آنند لال اور مالا کی شادی بھی اُن کے رسم و رواج کے مطابق حویلی میں ہی انجام پائی۔ باقاعدہ لگن منڈپ سجایا گیا، دونوں نے دامن باندھ کر اگنی کے گرد سات پھیرے پورے کیے۔ پنڈت نے آ کر ساری رسمیں پوری کرائی تھیں، چچا جان نے جمیلہ کو اپنی بہو بنا لیا۔ شادیوں کے سارے اخراجات رکن الدین نے برداشت کیے۔ وہ بڑا انسان ہونے کے ساتھ ساتھ کشادہ دل بھی تھا۔ میں نے اُس کا ہاتھ بٹانا چاہا، انکا کی موجودگی میں دولت کی ریل پیل بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن رکن الدین نے مجھے منع کر دیا۔

مجھے شبن خان اور شاردا کی یاد بھی آئی۔ شبن خان کا نام میں نے شبر خان رکھ دیا تھا۔ شاردا اپنی خوشی سے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اُس کا نام یاسمین رکھا گیا۔ اُن کی شادی کے موقع پر بھی رکن الدین نے بڑی فراخدلی کا ثبوت پیش کیا تھا۔

گلبرگہ آ کر میری طبیعت بہل گئی۔ تزئین اور سیّد غوث بھی موجود ہوتے تو رونق دوبالا ہو

جاتی۔ طلعت ہر وقت چہکتی پھرتی تھی۔ زرافشاں اور درخشاں بھی میرے آ جانے سے بے حد خوش تھیں۔ ہر وقت میری آؤ بھگت ہوتی رہتی، زندگی کے ان ہنگاموں میں مجھے کلدیپ کی یاد آتی تو دل مسوس کر رہ جاتا۔ کبھی نرگس ہنستی مسکراتی سامنے آ کھڑی ہوتی، کبھی پریتم پال والی مالا رانی کی سرگوشی میرے کانوں میں اُبھرتی.....

''پران ناتھ، مجھے شما کر دینا۔ نصیب نے مجھے اتنا سمے نہیں دیا کہ میں تن من دھن سے تمہاری سیوا کر سکتی۔ دوسرا جنم ملا تو سارے قرض چکا دُوں گی۔''

میں ماضی اور حال کے ایسے سنگم پر کھڑا تھا جہاں کبھی سائے مجھے ٹھنڈک پہنچاتے تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا، کبھی دُھوپ کی تمازت میرے وجود کو جھلسانے لگتی۔ مستقبل کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ شاید انکا رانی واقف ہو۔ سیّد مجذوب جانتا ہو۔

رکن الدین کی حویلی میں تین دن گزر گئے۔ انکا انی ابھی تک واپس نہیں لوٹی تھی، مجھے اُس کی فکر لاحق تھی۔ وہ ہردوار میں بری طرح اُلجھ گئی ہو گی۔ پنڈت نول کشور اور دو تین پنڈت پجاریوں کی لاشیں دیکھ کر ہریانہ اور کرنال کے علاوہ امروہا اور دہلی تک پولیس کے محکمے چوکس ہو گئے ہوں گے۔ ہردوار کے سارے پولیس اسٹیشن ہل گئے ہوں گے، بڑے پیمانے پر چھان بین شروع ہو چکی ہو گی۔ شبہے کی بنیاد پر کئی مسلمانوں کو بے قصور اُن کے گھروں سے اُٹھا لیا ہو گا، اُن پر تشدد کر کے بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ آنند بھون کے مینجر بھنڈاری کو بھی دھر لیا گیا ہو۔ اُس کا قصور اتنا تھا کہ میں نے اُس کے ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ پنڈت شیوا کو بھی نہیں بخشا گیا ہو گا۔ مجھے یقین تھا کہ اُس کی زبان پر میرا نام نہیں آیا ہو گا۔ اگر اُسے میری بربادی منظور ہوتی تو میری بندشوں کو کاٹنے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔ اُس کا ہاتھ بہکا نہیں تھا۔ اُس نے جان بوجھ کر مجھے نول کشور کے خطرناک سحر کی سلاخوں سے باہر نکالا تھا۔ میں نے اُس کی جان بخشی تھی، وہ حساب برابر کرنے کی ٹھانے بیٹھا تھا۔

دیکھا جائے تو پنڈت نول کشور خود اپنے اعتماد کا شکار ہوا تھا۔ اُس نے گلے سے جنیؤ اُتار کر جنتر منتر پڑھ کر میری طرف پھینکا تھا۔ اُسے اپنے مقصد میں مایوسی نہیں ہوئی۔ جنیؤ کی ڈور نے مجھے رسّی بن کر جکڑ دیا تھا۔ جنگ اور جدل کے میدان میں زندگی اور موت کے فیصلے پلک جھپکتے میں ہو جاتے ہیں۔ اگر نول کشور کے برابر کھڑے ہوئے پنڈت نے اس

نازک مرحلے پر شیوا کا امتحان لینے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا، دھوتی میں چھپے شکاری چاقو کو شیوا کی طرف نہ اُچھالا ہوتا تو کہانی یقیناً مختلف ہوتی۔ نول کشور مجھے سنبھلنے کا موقع دینے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔ اُس کے اگلے جنتر منتر کے بیر میری کتابِ زندگی کے گرد سیاہ لکیروں کا موٹا حاشیہ کھینچ کر نیچے جلی حروف میں ''سماپت'' یا ''ختم شد'' لکھ کر چھٹی کر دیتے۔ لیکن شیوا کے درمیان میں آجانے سے وہ جھجکا ہوگا۔ شیوا نے میری بندشیں کاٹ دیں..... میں نے نول کشور کی شہہ رگ کاٹ کر اُس کی زندگی ختم کر دی.....!!

پولیس کے حلقوں میں بے چینی پھیلی ہوگی۔ شیوا نے زبان بند رکھنے کی قسم کھالی ہوگی۔ کالی کے مندر کے سینکڑوں پجاری، ہزاروں نگاہیں گواہ تھیں کہ قاتل میں تھا۔ انکارانی ایک وقت میں کسی ایک ہی سر پر جا سکتی تھی، وہ دن رات ایک سر سے دوسرے سر پر پھدکتی پھر رہی ہوگی، گواہوں کو منحرف کر رہی ہوگی، پولیس افسروں کے ذہنوں کو معطل کرنے میں مصروف ہوگی۔ اُس نے سپ کے دماغ میں ایک ہی سوال اُبھارا ہوگا۔

''اگر قاتل جمیل احمد خاں تھا تو کہاں چھومنتر ہوگیا؟ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا.....؟''

میں نے خود اپنے کانوں سے پولیس کی سائرن کاروں کی آوازیں سنی تھیں۔ پنڈت نول کشور کی لاش دیکھ کر اُن کی پتلونیں ضرور ڈھیلی ہوگئی ہوں گی۔ اُن کے لاسلکی نظام نے حرکت میں آنے میں دیر نہیں کی ہوگی۔ ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر پولیس کے پہرے بٹھائے گئے ہوں گے، دوسرے راستوں کی ناکہ بندی میں بھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا ہوگا۔ مسلمانوں کے علاوہ کچھ ایسے ہندوؤں کے گھروں کو بھی کھنگالا گیا ہوگا جن پر ''مسلم دوستی'' کی چھاپ لگی ہوگی۔ وہ چاروں طرف تیزی سے پھیل گئے ہوں گے، قریبی شہروں کی پولیس کو بھی آگاہ کیا ہوگا، ہر طرف افراتفری کا سماں ہوگا۔ سب بغلیں جھانکتے پھر رہے تھے۔ میں گلبرگہ میں بیٹھا طلعت، زرافشاں اور درخشاں کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔ ایک طرف صف ماتم بچھی تھی، دوسری جانب میں سب کی شادی کی باتیں کر رہا تھا۔

تین روز آرام سے گزر گئے۔ چوتھے روز میں سو کر اُٹھا تو میری نظر سیّد مجذوب پر پڑی۔ وہ ایک طرف ٹانگیں سکیڑے ہاتھوں کے تکیے پر سر رکھے لیٹا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھے۔

''مرغ بانگ دے چکا..... تو ابھی تک انٹا غفیل ہے..... کن میلئے.....''

''ہردوار میں کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے اُس کی بات ٹال کر پوچھا۔

''خاک اُڑ رہی ہے.....'' سیّد نے دیدے نچاتے ہوئے جواب دیا۔ ''تو نو دو گیارہ ہو گیا..... وہ پھدکتی پھر رہی ہے..... شیطان کی خالہ۔''

''وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''تم کوئی راستہ دکھا دو۔''

''ٹیلے پر چڑھ جا..... رسیاں تڑا کر بھاگ لے۔''

''تم نے پھر مجھے اُلجھانا شروع کر دیا۔'' میں نے شکوہ کیا۔ ''مجھے اُنگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو..... تم جو کہو گے میں وہی کروں گا۔''

''بتوڑے..... بزرگوں کے ساتھ بھی کنکوا لڑانے کی سوچ رہا ہے؟'' سیّد کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

''تم میری بات نہیں سنو گے.....؟''

''کیا سنائے گا..... ٹھمری یا دادرا.....؟''

''میں خودکشی کر لوں گا.....'' میں نے احتجاج کیا۔

''نزاکت جان بیوہ ہو جائے گی۔'' سیّد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''ابھی دھاڑیں مارتا رہ..... کپڑے پھاڑ کر ننگا ہو جا، پھر پتھر اُٹھا کر سر پھوڑ لے..... سارا خون بہا دے، قوالی میں جا کر ناچنا شروع کر دے۔''

''یہی سب کچھ کہنے کے ارادے سے آئے تھے.....؟'' میں نے اُسے گھورا۔ وہ سہم کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کٹ کھنے.....'' اُس نے پھر دیدے گھمانے شروع کر دیئے۔ ''جال ڈالنے کی ہانک رہا ہے..... گرو گھنٹال..... اُلّو کی دُم فاختہ۔''

''کچھ اور نہیں کر سکتے تو چندرا کا پتہ ہی بتا دو۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''ایک وہی باقی رہ گیا ہے..... اُسے بھی ٹھکانے لگا دُوں تو چھٹی ہو جائے گی۔''

''بارش ہوگی تو اور پودے نکل آئیں گے..... چٹانوں میں جا کر منہ چھپا لے..... رینگنا شروع کر دے۔''

''پیر و مرشد، ایک بات کان کھول کر سن لو.....'' میں دوبارہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''میں راستہ بھٹک گیا تو ذمہ داری تمہاری بھی ہوگی۔''

''پھر بھونکنے لگا.....شروع کر دی ٹونٹکی.....''

''میں آخری دم تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا سیّد.....'' میں نے تنک کر کہا۔ ''میرے نامۂ اعمال میں تمہارا نام بھی ضرور درج ہوگا۔ تم کب تک پہلوتہی کرو گے.....؟''

''قلعئ کھل گئی.....ہو گیا ننگا.....آستین کے سانپ.....وہ رُوٹھ گئی.....اُوپر چلی گئی۔ تو کلیلیں کر رہا ہے۔''

''کون چلی گئی.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تم کس کی بات کر رہے ہو؟..... تمہیں خدا کا واسطہ، کھل کر سب کچھ کہہ ڈالو۔''

جواب میں سیّد نے ایک طویل انگڑائی لی، منہ سے بہتی رال کو آستین سے پونچھ کر بولا۔

''گھڑی کی آواز پر کان لگا دے.....ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جا.....بارہ بج جائیں تو دریا میں چھلانگ لگا دینا.....اُس پار نکل جانا۔''

''تم ٹالنے کی باتیں کر رہے ہو.....میں حشر میں دامن گیر ہو جاؤں گا.....''

''بھٹ کٹیا چبا لے..... پارس پتھر بن جائے گا۔'' سیّد نے کھڑے کھڑے قلابازی کھائی، پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سیّد میرے ساتھ ''چھپن چھپائی'' کا کھیل، کھیل رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے، اُسے کھل کر بتانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ مجبور تھا، میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں چندرا کو ختم کر دیتا تو آخری حسرت بھی پوری ہو جاتی۔ پنڈت نول کشور کا انجام دیکھ کر باقی پنڈت پجاریوں کے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے، وہ پناہ گاہوں میں دبکے بیٹھے ہوں گے۔ اُن کا کمپنی کمانڈر مارا گیا تھا، وہ فوری طور پر منظم نہیں ہو سکتے تھے۔ صرف نفری کام نہیں آتی، کوئی قائدانہ صلاحیت رکھنے والا رہبر ہو، تب بات بنتی ہے۔ کچھ بڑے پنڈت ممکن ہے کہ پنڈت نول کشور کی گدی سنبھالنے کی تاک میں ہوں۔ کالی کے مندر کا بڑا پروہت ہونا بڑی نفع بخش آسامی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس مقام تک پہنچنے کی خاطر بھی کچھ وقت لگتا ہے۔ میں اُنہیں مہلت نہیں دینا چاہتا تھا۔

عین ممکن تھا کہ چندرا کو بھی بروقت نول کشور کی موت کی اطلاع مل گئی ہو..... اُس کا دایاں بازو کٹ چکا تھا، وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا ہوگا۔ میں اچانک اُس کے سر پر پہنچ جاتا تو وہ ضرور بوکھلا جاتا، میرا کام قدرے آسان ہو جاتا۔ انکارانی نے ہر دوار میں کہا تھا

کہ اُس کی دور بین نظریں چندرا کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہیں۔ میں نے سیّد سے دریافت کیا، وہ بھی ٹال گیا۔

ہندوستان کی پولیس پوری طرح فعال ہو گی، میری تلاش کا دائرہ وسیع کر دیا ہوگا، دوسرے صوبوں میں بھی جگہ جگہ جال ڈالے جا رہے ہوں گے۔ وہ میرے پتے ٹھکانوں سے واقف تھے۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا پولیس آفیسر رکن الدین کی حویلی تک پہنچ جاتا تو میں گرفتار ہو جاتا۔ رکن الدین کی عزت دو کوڑی کی بھی نہ رہ جاتی۔ مجھے پھر داؤ پیچ لڑانے پڑتے، وقت ضائع ہوتا رہتا۔ چندرا کو بھی قدم جمانے کا موقع مل جاتا۔

ناشتے کی میز پر میرا ذہن چندرا میں اُلجھا رہا۔ انکارانی کی طویل غیر حاضری میری اُلجھنوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ آج دشمنوں کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔'' رکن الدین عمر رسیدہ تھا، اُس نے میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھ لیا۔

''میں جانے کی سوچ رہا ہوں۔'' میں روانی میں کہہ گیا۔

''کہاں.....؟'' کئی آوازیں ایک ساتھ اُبھریں۔ طلعت، زرافشاں اور درخشاں سب ہی کی نظریں میری جانب اُٹھ گئیں۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے بڑے ابا؟'' طلعت نے پہل کی۔ ''ابھی تو آپ آئے ہیں۔''

''کم از کم طلعت کی بات طے ہو جانے تک تو انتظار کر لیتے۔'' زرافشاں نے طلعت کو چھیڑنے کی خاطر دبی زبان میں کہا۔

''میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔'' درخشاں سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ ''کچھ ہمارا بھی حق ہے آپ کے اوپر۔''

''میں آپ کے معاملات میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن میری بھی یہی گزارش ہے کہ بچیوں کی خوشی پوری ہونے تک ٹھہر جاتے تو اچھا تھا۔'' رکن الدین نے بڑی کسر نفسی سے کام لیا۔

''ایک ضروری کام درپیش ہے۔'' میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''جلدی واپس لوٹ آؤں گا۔''

''آپ کی شکل میں اگر پھر وہ آ گیا تو.....؟'' درخشاں کا اشارہ رحیق (جن) کی طرف

تھا۔ میں مسکرا دیا۔

''خدا غارت کرے اُسے۔'' زرافشاں بولی۔ ''بڑا تنگ کیا تھا اُس نے.....''

''کیا مطلب؟ کیا میرے جانے کے بعد بھی.....؟'' میں نے درخشاں کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جی ہاں.....'' رکن الدین نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''آپ کے جانے کے بعد بھی وہ بد بخت دونوں بچیوں کے پیچھے لگا رہا، ایک بار میری شکل میں حویلی تک آ گیا۔ درخشاں اور زرافشاں اُس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔ خدا بھلا کرے سیّد کا کہ وہ عین وقت پر آ گیا۔ اُس روز سیّد نے اُس سے اپنی زبان میں کچھ گرما گرم بات کی تھی۔ پھر وہ دوبارہ حویلی کے قریب نہیں پھٹکا۔''

ہمارے درمیان رحیق کی بات ہو رہی تھی جب مجھے اپنے سر پر انکارانی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا، وہ بے حد تھکی تھکی اور نڈھال نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں سے نیند کا خمار جھانک رہا تھا۔ میں جلدی جلدی ناشتے سے فارغ ہو کر ٹہلنے کا بہانہ کر کے حویلی سے باہر چلا گیا۔ انکا بھی موقع کی منتظر تھی۔ میں حویلی سے باہر نکلا تو اُس نے کہنا شروع کیا۔

''جمیل، حالات نے بڑی مخدوش صورت اختیار کر لی ہے۔ کالی کے مندر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ پنڈت، پجاری، پجارنیں اور دیوداسیاں سب ہی یک زبان ہو کر نول کشور کے قاتل کی گرفتاری کا پُر زور مطالبہ کر رہے ہیں۔ کچھ پنڈت اور پجاریوں نے ہر دوار کے بڑے پولیس اسٹیشن کے سامنے دھرنا دے رکھا ہے، سب کی زبان پر بار بار تمہارا نام آ رہا ہے، بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں۔ شیوا اور بھنڈاری بھی گرفتار کر لئے گئے۔ میں بل بل سروں پر پھدکتی پھر رہی تھی، بھنڈاری نے میرے اشارے پر اس بات کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ جمیل احمد خاں نام کا کوئی مسافر کبھی آنند بھون میں ٹھہرا تھا۔ اُس کے رجسٹروں میں تمہارے نام کا اندراج بھی نہیں تھا۔ پولیس کے اعلیٰ دماغ بھی چکرا رہے ہیں، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جو پنڈت تمہارے بارے میں بڑے یقین سے قاتل ہونے کی بات کرتا ہے، وہی بعد میں مقدس گیتا ہاتھ میں لے کر کہتا ہے کہ اُس نے سرے سے نول کشور کو قتل ہوتے دیکھا ہی نہیں..... پولیس کے استفسار پر اس کا

جواب ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی زبانی سنی سنائی باتوں کو دہرا رہا ہے۔ صرف ایک شخص ہے مجھے جس کے سر پر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ بار بار سینہ تان کر اقرار کر رہا ہے کہ اسی نے پنڈت نول کشور کو ذاتی نوعیت کی دشمنی کی بنا پر قتل کیا ہے۔ تشدد کے باوجود اُس کا بیان بار بار یہی ہوتا ہے، قتل اُسی نے کیا ہے، کسی اور نے نہیں۔''

''وہ..... وہ کون ہے.....؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ میرے ذہن میں شیوا کا نام اُبھرا۔ وہی ایک جیالا مرد تھا جو اس قسم کی بات کر سکتا تھا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ انکارانی نے میرے شبے کی تائید کی تو میں سٹپٹانے لگا۔

''گویا بات وقتی طور پر ٹل گئی ہے.....''

''شیوا کو اقبالِ جرم کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اُس پر فردِ جرم بھی عائد کی جا چکی ہے۔ پولیس کا محکمہ اور عدالتی مشینری تعصب کی آگ بھڑک اُٹھنے کے خیال سے بڑی تیزی سے معاملہ نمٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن وہ اندر ہی اندر تمہارے خلاف مواد بھی جمع کر رہے ہیں۔ پنڈت پجاریوں کے متضاد بیانات نے سب کو اُلجھا دیا ہے۔''

''شیوا کا کیا بنے گا.....؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''پنڈت نول کشور کے علاوہ تین اور لاشیں بھی موقع واردات سے ملی ہیں۔'' انکارانی نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''پھانسی کا پھندا کسی نہ کسی کے گلے میں تو ضرور ڈالا جائے گا۔''

''میں حالات کی نوعیت کو سمجھ رہا ہوں۔ لیکن شیوا کو پھانسی نہیں ہونی چاہئے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''سن رہی ہو تم، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''تم فکر مت کرو جمیل.....'' اُس نے مجھے یقین دلایا۔ ''شیوا ہمارا محسن بھی ہے اور بے گناہ بھی..... اُسے پھانسی کی سزا نہیں ہو گی۔ لیکن فی الحال جو کچھ ہو رہا ہے، اسے ہونے دو۔ بات ذرا دب جائے، دلوں کی آگ کچھ سرد پڑ جائے تو شیوا بھی دودھ کی مکھی کی طرح باہر آ جائے گا۔''

''کیسے.....؟'' میں جلدی میں سوال کر بیٹھا۔

''بالکل اسی طرح جس طرح تم اب تک بچتے رہے ہو۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''پریشان مت ہو۔ میں جب چاہوں گی بساط پلٹ دُوں گی۔ شیوا کی گردن کی پیمائش کی ملتی جلتی کوئی اور گردن بھی بڑی آسانی سے مل جائے گی..... تمہارے دشمنوں میں سے ایک نفری اور کم ہو

جائے گی۔''

میں پنڈت نول کشور سے متعلق ایک ایک بات بڑی تفصیل سے معلوم کرتا رہا۔ انکارانی نے جو حالات بیان کئے یا اُس کی پراسرار قوتوں نے حالات کو جو رنگ دیا تھا اس سے میری پوزیشن بڑی حد تک صاف ہوگئی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے، کسی اور معاملے میں اُلجھا کر دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش ضرور کریں گے.....!

''ایک بات پوچھوں انکارانی.....'' میں نے نول کشور کا موضوع ختم کر کے سوال کیا۔

''تم مجھے ہردوار سے گلبرگہ کیوں لے آئیں؟ ہم دہلی بھی جا سکتے تھے، بمبئی میں مرلی اور سروجنی کا اپارٹمنٹ بھی میرے لئے نہایت محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوسکتی تھی۔''

''تم کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو.....؟'' اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ میرا سوال سن کر وہ سٹپٹانے لگی تھی۔

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے.....'' میں نے انکارانی کے چہرے کے تاثرات کو بغور گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''گلبرگہ تمہارے لئے دو اعتبار سے زیادہ مناسب جگہ ہے۔'' وہ سنبھل کر بولی۔ ''یہاں وہ مرد قلندر بھی ہے جس نے تمہاری پشت تھام رکھی ہے، یہاں حضرت خواجہ گیسو درازؒ کا مزار بھی ہے جہاں تمہاری حاضری.....''

''میں سمجھا نہیں.....؟'' میں نے حضرت گیسو درازؒ کے حوالے پر چونک کر پوچھا۔

''تم چندرا کو کیوں بھول رہے ہو.....؟'' اُس نے میری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''میرا دل کہتا ہے کہ اگر تم بزرگ کی درگاہ پر حاضری دے کر سچے دل سے دُعا مانگو تو وہ پردے میری نگاہوں کے سامنے سے ضرور سرک جائیں گے جنہوں نے چندرا اور میرے بیچ ایک عارضی دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔''

''آخر وہ کون سی قوت ہے جو تمہارے آڑے آ رہی ہے.....؟'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''وہ کوئی غیر معمولی طاقت ہی ہوسکتی ہے جسے دُرگا اور کالی کی حمایت حاصل ہوگی۔'' اُس نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے اُس پراسرار قوت کے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ یہ سارے پنڈت پجاری اور سادھو، میرے

مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ منڈل کھینچ کر اس کے اندر بیٹھ جائیں تو اور بات ہے۔ انہیں کسی معاملے میں دیوی کی حمایت حاصل ہو جائے تو بھی میں مجبور ہو جاتی ہوں.....اور میری شکتی کون چھین سکتا ہے؟''

''تم نے کسی پنڈت یا پجاری کا ذکر کیا تھا جو تمہیں قابو کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔'' میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔ ''اُس کا جاپ پورا ہونے میں کتنا وقت باقی رہ گیا ہے؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ ابھی خاصا وقت باقی ہے۔ میں اُسے آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دُوں گی۔'' انکارانی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''پریتم لال مہاراج نے جہاں مجھے دوسری شکتیاں دان کی تھیں، وہاں ایک شکتی ایسی بھی دی ہے جو منڈل کے اندر بیٹھے ہوئے پجاری کی عقل بھی خبط کر سکتی ہے۔ ایک منٹ کے لئے وہ منڈل سے نکلا تو اُسے دوبارہ اندر جانے کا موقع نہیں دُوں گی۔''

''تم.....تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کر رہی ہو.....؟''

''ان باتوں میں سے مت برباد کرو جمیل، میری مانو تو اسی وقت بزرگ کے مزار پر حاضری دے لو۔ ہوسکتا ہے جو میں نے سوچا ہو، وہی سچ ہو۔''

''تم نے کیا سوچا ہے.....؟''

''ابھی نہیں..... پہلے تم حاضری دے لو، پھر بتاؤں گی۔''

میں نے انکارانی کی بات مان لی۔ وہ نہ کہتی تو بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ میں گلبرگہ تک آتا اور حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر حاضری نہ دیتا۔ میں نے اسی وقت جا کر مزار پر حاضری دی، بڑی دیر تک روتا رہا، اپنی کوتاہیوں پر خدا سے معافی مانگتا رہا۔ میں نے براہِ راست خواجہ سے کچھ نہیں مانگا۔ فاتحہ پڑھ کر خدا کے آگے ہاتھ پھیلا کر یہی دُعا کرتا رہا کہ وہ میری مشکلات آسان کر دے، میری مرادیں پوری ہوں اور میرا قدم صحیح منزل تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر لے۔ میں فاتحہ پڑھ کر مزار سے باہر آیا تو سیّد ایک گولر کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو وہ دانت نکال کر بولا۔

''بھک منگے..... جب کہیں اور سایہ نہیں ملتا تو دوڑا دوڑا یہاں چلا آتا ہے..... بھر لی جھولی؟ پھر گرد جھاڑ کر جانے کی حماقت کر بیٹھا.....؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، حسرت بھری نظروں سے اُسے گھورتا رہا۔ انکارانی اس

وقت میرے سر پر نہیں تھی۔ پھر بھی شاید سیّد کی نظروں نے اُس کی واپسی کا احوال جان لیا تھا۔ مسکرا کر بولا۔

''پھر آ گئی وہ کٹو گلہری..... دوسروں کی آنکھوں میں دُھول جھونک آئی..... سب گپڑ چوتھ کر دیا..... تین پہیوں کی سائیکل کب تک گھسیٹتا رہے گا؟..... ٹکڑ گدے..... اپنی جھونپڑی ڈال لے..... گھٹنے توڑ مروڑ کر بیٹھ جا..... آنکھوں سے پیپ اور خون بہانا بند کر دے..... چڈھی اُتار کر پھینک دے..... کان تھام کر مرغا بن جا..... پیٹھ پر سِل بٹار کھ لے۔''

میں بدستور خاموش رہا، میری نظریں اُسی پر جمی رہیں۔

''انکھیاں لڑا رہا ہے..... بجر بٹو.....''

میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ سیّد کی نگاہیں چمکنے لگیں۔ نہ جانے میری خاموشی سے اُس نے کیا اندازہ لگایا ہوگا۔ میں کچھ دُور آگے نکل گیا تو اُس کی آواز پھر سنائی دی۔

''ناک کی سیدھ میں چلا جا..... پلٹ کر مت دیکھنا..... گرگٹ.....''

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی، میں نے نظریں گھما کر دیکھا، وہ دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے رفتار تیز کر دی۔ انکارانی دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی نگاہیں چمک رہی تھیں۔

''کیا خوشخبری مل گئی؟.....'' میں نے پوچھا۔ بڑی پُر اُمید نظر آ رہی ہو.....''

''جمیل.....'' اُس نے کہا۔ ''تمہاری دُعا قبول ہوگئی۔ حضرت کی نظر التفات نے میری نظروں کے سامنے سے دُھند کی دبیز چادر سرکا دی۔ میں نے کہا تھا نا کہ چندرا زیادہ دنوں میری آنکھوں سے دُور نہیں رہ سکے گا۔''

''کیا مطلب.....؟'' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ انکارانی کے جملے کا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ میں تفصیل معلوم کرنا چاہتا تھا۔

''میں اُسے دیکھ رہی ہوں جمیل.....'' اُس نے پُر جوش لہجے میں جواب دیا۔ ''میں کسی اور کی نہیں، چندرا کی بات کر رہی ہوں۔ وہ بنگلور کے نواحی علاقے میں ایک اُجاڑ مندر میں چھپا بیٹھا جاپ کر رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف منڈل کی ریکھائیں بھی نظر آ رہی ہیں۔ اسی منڈل کے چکر نے میرے سامنے تاریکی پھیلا رکھی تھی۔ بزرگ کی دُعا نے اُس کا بھرم توڑ دیا۔''

''چندرا اکیلا ہے؟..... یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''اُس کے ساتھ نول کشور کے گرگے بھی ضرور ہوں گے، آس پاس کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

''مجھے بھی حیرت ہے..... ہوسکتا ہے دُرگا اور کالی نے اُسے اپنی شرن میں لے رکھا ہو۔ وہ امرلال کا سپوت ہے، امرلال کالی کا سب سے مہان سیوک تھا۔ دیوی نے چندرا کو بے یارومددگار نہیں چھوڑا ہوگا۔''

''اور کچھ.....؟''

''میں پہلی بار چندرا کو دیکھ رہی ہوں۔'' انکارانی کی نظریں خلاء میں بھٹک رہی تھیں۔ بڑا گبرو اور سندر جوان ہے۔ اس کے انگ انگ سے خون کی سرخی پھوٹ رہی ہے۔ اس کے شریر پر بھبھوت کی سیاہی نے اس کی سندرتا کو اور نکھار دیا ہے۔ اس کی شکل امرلال سے ملتی جلتی ہے۔ میں نے اتنا سجیلا کٹیلا اور سندر جوان پہلے نہیں دیکھا۔ ابھی تو اس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے، یہ مورکھ دھرم کرم کی آگ میں کیسے کود پڑا.....؟''

''میرے دشمن کی شان میں قصیدے پڑھ رہی ہو.....؟'' میں نے تنک کر کہا۔

''ایسا مت سوچو جمیل.....'' اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔ ''میری باتوں کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو..... سادھنا یاد ہے کہ نہیں.....؟ اُسی کی طرح چندرا کے گال بھی گدرائے گدرائے نظر آ رہے ہیں۔ اُس کی رگوں میں دوڑتا ہوا گاڑھا خون بھی بالکل ویسا ہی ہوگا جیسا سادھنا کا تھا، ''گرم اور نمکین'' وہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کی نگاہوں میں پیاس کی شدت اُبھرنے لگی۔ ''چندرا کے خون میں بھی تاڑی جیسا سوندھا سوندھا نشہ ضرور ہوگا..... تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا.....؟''

''ہاں جانِ جمیل.....'' میں نے پُر جوش انداز میں جواب دیا۔ ''میں تمہارا مقصد سمجھ گیا۔ تم اپنی خواہش کا اظہار نہ کرتیں تب بھی شاید چندرا کی بھرپور جوانی اور اس کے جسم میں دوڑتے ہوئے خون کا رنگ دیکھ کر میں اُسے مارنے کے بعد تمہارے حوالے کر دیتا۔ فکر مت کرو، یہ دعوت میری طرف سے ہوگی.....''

انکارانی میرا جواب سن کر خوشی سے تھرکنے لگی۔ میں تیز تیز قدم اُٹھاتا رکن الدین کی حویلی پہنچا۔ میں نے اُسے بتایا کہ مجھے ایک فوری کام سے بنگلور جانا پڑ رہا ہے، کوشش کروں گا کہ جلدی لوٹ آؤں..... واپسی محض ایک بہانہ تھی، دل کا بہلاوا تھا۔ انسان گھر

سے نکلتے وقت بھی واپسی کا یقین رکھتا ہے، راستے میں کوئی سانحہ، کوئی حادثہ پیش آجائے تو زندگی کا ڈراپ سین ہو جاتا ہے، کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ میری زندگی کا تو ہر لمحہ غیر یقینی تھا۔ کبھی کبھی انسان کو مصلحتاً بھی دروغ گوئی کرنی پڑتی ہے۔ میں جھوٹ نہ بولتا تو رکن الدین کے علاوہ زرافشاں، درخشاں اور طلعت بھی مجھے جانے کی اجازت نہ دیتیں۔ پاؤں کی بیڑیاں بن جاتیں.....!

اُسی روز میں رات کے کھانے کے بعد بنگلور کے لئے روانہ ہو گیا.....!!

گاڑی بنگلور کی سمت بھاگ رہی تھی۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں میرے علاوہ ایک لڑکا بھی سفر کر رہا تھا۔ انکارانی اپنی نیند پوری کرنے کی خاطر میرے بالوں کے بیچ آڑی ترچھی بکھری پڑی تھی۔ اُس کے خراٹے بتا رہے تھے کہ وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے۔ میرا ذہن گاڑی کی رفتار سے کہیں زیادہ برق رفتاری سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ انکا نے کہا تھا کہ چندرا، بنگلور کے ایک نواحی علاقے میں کسی غیر آباد مندر میں بیٹھا جاپ کر رہا ہے۔ یہ بات میرے حلق کے نیچے نہیں اُتر رہی تھی۔

نول کشور نے چندرا کو ساتھ ملایا تھا تو اس میں کوئی مصلحت بھی ضرور ہو گی۔ وہ امرلال کا اکلوتا لڑکا تھا۔ امرلال کو کالی کی خوشنودی حاصل تھی، اُس کے سیوکوں کی تعداد لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور رہی ہو گی۔ امرلال کے مرنے کے بعد اُس کے سیوکوں نے اپنا رُخ چندرا کی طرف موڑ دیا ہو گا۔ کالی کی شبھ کامنائیں بھی چندرا کو حاصل ہوں گی۔ چندرا، نول کشور کے لئے یقیناً بڑی اہمیت کا حامل ہو گا، اسی لئے میرے ہردوار پہنچنے سے پہلے نول کشور نے اُس کو بنگلور بھیج دیا..... مگر وہ میرے لئے دو محاذ کھولنے کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو گیا اور اب بقول انکارانی کے چندرا نے پھر کوئی جاپ شروع کر دیا تھا۔ وہ مندر میں ضرور تنہا ہو گا۔ منڈل میں ایک وقت میں صرف ایک پنڈت یا پجاری اپنے چیلوں کی تکمیل کی مدت پوری کرتا ہے۔ ممکن ہے وندھیا چل کی پہاڑیوں میں اُس کا جاپ ادھورا رہ گیا ہو؟ وہ اُسی کی تکمیل کر رہا ہو؟ میرے خلاف خم ٹھونک کر سامنے آنے سے پیشتر کچھ نئی قوتوں کا حصول اُس نے ضروری سمجھا ہو؟ اور بھی کچھ مصلحتیں اُس کے پیش نظر رہی ہوں گی۔ لیکن وہ تنہا ہو گا؟ میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ میں نے ذہن پر زیادہ زور نہیں دیا۔ میرا مقصد صرف چندرا کو ٹھکانے لگانا تھا، اُسے باور کرانا تھا کہ اُس نے جمیل محمد خاں کے مقابلے میں آ کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ چندرا کی موت کے بعد پنڈت

پجاریوں کا زور ٹوٹ جاتا، پنڈت نول کشور کے بعد چندرا کی موت کی خبر اُن کے لئے نیک شگون نہیں ہوسکتی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ وہ میرا خیال اپنے ذہنوں سے جھٹک دیتے؟ اس راستے سے کترا کر گزرتے جہاں میرے قدموں کے نشان موجود ہوتے، ان کو ماضی کے واقعات کا بھی تھوڑا بہت علم ضرور ہوگا۔ کیسے کیسے جغادری پنڈت اور پجاری مجھے تہس نہس کرنے کی خواہش لے کر میدان میں کودے تھے، اُن کا انجام کیا ہوا.....؟ پولیس نے متعدد بار مجھے گھیرنے کی کوشش کی، عدالتوں نے اپنا قیمتی وقت برباد کیا، نتیجہ کیا برآمد ہوا؟..... ڈھاک کے تین پات!

کئی اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ پھر استت پور کے اسٹیشن سے دو آدمی اور ڈبے میں سوار ہوگئے۔ اُن کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ممکن ہے ایک دو اسٹیشن دُور جانا رہا ہو۔ شکل و صورت سے وہ اچھے کردار کے مالک نظر نہیں آرہے تھے۔ مجھے اُن کے ساتھ کوئی رشتہ بھی نہیں قائم کرنا تھا۔ میں نے اُن کی طرف پشت کر لی۔ پھر چندرا کے بارے میں غور کرنے لگا۔ انکارانی نے کسمسانا شروع کیا۔ دو چار طویل انگڑائیاں لینے کے بعد اُٹھ بیٹھی۔ جماہی لے کر بولی۔

''تم بھی کچھ دیر کمر سیدھی کرلو، بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گے۔''

''اب ایک ہی بار سکون سے آرام کروں گا۔'' میرے لہجے میں اُلجھن شامل تھی۔

''تم کیا سوچ رہے ہو.....؟'' اُس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''چندرا کے بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔ جب بڑے بڑے قد آور بت ڈھے گئے تو چندرا کس کھیت کی مولی ہے؟ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔''

''بات صرف چندرا کی نہیں ہے۔'' میں پہلو بدل کر بولا۔ ''میں اس روز روز کی اٹھا پٹخ سے تنگ آ گیا ہوں۔ تم روزِ اوّل سے میرے ساتھ ہو، میری زندگی کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو۔ بات پنڈت تربینی سے شروع ہوئی تھی، وہ تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوششوں میں مصروف تھا، میں تمہارے کہنے پر بھگوان پرشاد سے ملا۔ کیا کیا جتن کئے لیکن وہ کامیاب ہوگیا۔ تم میرا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہوگئیں۔ پھر تم نے.....''

''ان باتوں کو بھول جاؤ جمیل۔'' وہ کسمسانے لگی۔ ''میں تم سے کئی بار ندامت کا اظہار کر چکی ہوں۔''

''میں ندامت کی نہیں، طاقت کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تربینی کے بعد بھی تمہارے آنے جانے کا سلسلہ لگا رہا۔ شیو چرن سامنے آ گیا۔ پھر میرے سب سے بڑے دشمن بدری نرائن نے درمیان میں آ کر میرے اور ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کے درمیان فساد کا جو بیج بویا اس کی فصلیں میں آج تک کاٹتا چلا آ رہا ہوں۔ چندرا کے بعد کوئی نیا حرامزادہ اُٹھ کھڑا ہوگا..... جو پنڈت تمہارے لئے جاپ کر رہا ہے، وہ کامیاب ہوگیا تو میرے دشمنوں کی صف میں تم بھی شامل ہو جاؤ گی۔ کہانی میں جوڑ لگتے چلے جائیں گے، میں کب تک مقابلہ کرتا رہوں گا.....؟''

''اتنی مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل.....'' اُس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ اب تمہاری قوت بھی مجھ سے کم نہیں ہے۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ میں جانتی ہوں۔ مجبوریاں لاحق نہ ہوتیں تو تمہیں سب کچھ بتا دیتی۔ صرف اتنا جان لو کہ تمہاری منزل قریب آ رہی ہے۔ تمہیں ایک ٹھکانا مل جائے گا۔ ہوسکتا ہے تم مجھ سے بھی نگاہیں پھیر لو.....''

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟'' میں بے چین ہوگیا۔ ''مجھے بتاؤ انکارانی کہ تمہاری بات کا مقصد کیا ہے؟ بات اب میرے اور تمہارے درمیان طاقت کے توازن کی نہیں رہی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بن چکے ہیں۔ میں تم سے نظریں پھیر لوں..... یہ کیسے ممکن ہے؟''

''جمیل.....'' وہ آبدیدہ ہوگئی۔ ''میں بھی تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی، تم بدل جاؤ، نگاہیں پھیر لو تب بھی میں تم سے جدائی کا تصور نہیں کر سکوں گی۔''

''اور وہ..... جو منڈل میں بیٹھا تمہیں مجھ سے چھین لینے کے سپنے دیکھ رہا ہے.....''

''وہ کامیاب نہیں ہوگا..... میری بات پر اعتماد کرو۔ اب کوئی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔'' اُس کے لہجے میں یقین تھا۔

''تم..... تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ کوئی کامیاب نہیں ہوگا؟ کیا وہ تمہارا خیال دل سے نکال دیں گے.....؟''

''وقت کا انتظار کرو، سب کچھ جان جاؤ گے.....''

انکارانی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ سکیں۔ چند روز پیشتر وہ ڈھلمل یقین تھی، آج اُس کے لب و لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔ میں اُسے کریدنا چاہتا تھا جب وہ اچانک اُٹھ کر

کھڑی ہوگئی۔ اُس کی نظروں کے تعاقب میں میری نظریں بھی اُن دو مسافروں کی جانب اُٹھ گئیں جو سفید فام غیر ملکی کو لوٹنے میں مصروف تھے۔ ایک نے پستول تان رکھا تھا، دوسرا شخص غیر ملکی کی جیبیں صاف کرنے کے بعد اُس کے سامان کی تلاشی لینے میں مصروف تھا۔ سفید فام غیر ملکی کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ اُس کی سہمی سہمی نگاہیں بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھیں۔

''دیکھ رہے ہو جمیل.....'' انکا رانی نے زہر خند سے کہا۔ ''ہندوستان میں اب وہ بھی محفوظ نہیں رہے جو کبھی حکومت کر چکے ہیں۔ اسی بھارت کے بڑے بڑے سورما، راجہ مہاراجہ اور نوابین اپنے انگریز آقاؤں کی پیشانی کے بل دیکھ کر زبان کھولنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ اب اٹھائی گیرے اور چور اچکے بھی ان کی جیبیں ٹٹولنے لگے ہیں۔ وقت اور حالات بڑے ظالم ہوتے ہیں، کسی ایک کے اختیار میں نہیں رہتے، موسموں کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی روشنی اندھیرے کو نگل جاتی ہے، اب اندھیرے روشنی پر کمند پھینکنے لگے ہیں.....''

انکا بڑے فلسفیانہ انداز میں بدلتے حالات کا تجزیہ پیش کر رہی تھی۔ میں جواب میں کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پستول والا جوان مرد مجھ پر غرانے لگا۔

''تمہاری نظر اب ادھر اُٹھ ہی گئی ہے تو خاموشی سے بیٹھے تماشہ دیکھتے رہنا۔ ہم بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ سرخ نہیں کرتے۔ بہتر ہوگا کہ پھر اپنا رُخ تبدیل کر کے انجان بن جاؤ۔ ہم اس سفید مرغے کو کھنگال کر اگلے اسٹیشن پر اُتر جائیں گے۔''

''تم اپنی جیبیں بھر لو گے لیکن تمہاری ان حرکتوں سے تمہارے دیس کی شہرت کو بڑا شدید دھچکا پہنچے گا۔'' میں نے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ ''انگریز کی سیاست کو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا، وہ اپنے تدبر اور ٹھنڈی پالیسی کی آڑ لے کر اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ تمہارا بھارت بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاست نہیں سمجھ سکا تھا، اُس وقت آنکھیں کھلیں جب پانی سر سے اُونچا ہو گیا.....''

''ہمیں تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اُس کے تیور خطرناک ہو گئے۔ ''اپنی چونچ بند رکھو، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''بڑی حیرت کی بات ہے.....؟'' مجھے ہنسی آ گئی۔ ''تم کام چوروں والا کر رہے اور

زبان پنڈت پجاریوں کی استعمال کر رہے ہو.....''

''تم چپ نہیں رہو گے.....؟'' اُس نے بڑی سفاکی سے پوچھا۔

''زندگی کی خیر مناؤ مہاشے.....'' اُس کے دوسرے ساتھی نے دھمکی دی۔ ''زیادہ ہیرو بننے کی کوشش کی تو مار کر چلتی گاڑی سے باہر پھینک دیں گے۔ سمجھ رہے ہو ہماری آسان بھاشا یا تم سے بارود کی زبان میں بات کریں؟''

''پلیز ہیلپ می (PLEASE HELP ME)'' سفید فام غیر ملکی نے پہلی بار مُردہ آواز میں بولنے کی جسارت کی۔

''ڈونٹ وری (DON'T WORRY)'' میں نے سنجیدگی سے اُسے دلاسہ دیا۔

''گٹ پٹ کرنے سے باز نہیں آؤ گے؟'' دوسرے شخص نے بھی پستول نکال لیا۔ انکا رانی بڑی تیزی سے میرے سر سے رینگ گئی۔

''ایک شرط ہوگی۔'' میں نے تھوڑے توقف سے ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم جس کو لوٹ رہے ہو اس پر میری نظر پہلے سے تھی۔ سودا ففٹی ففٹی میں طے ہو سکتا ہے۔ کیا خیال ہے.....؟''

''اپنی کھال میں رہنے کی کوشش کرو۔'' پہلا ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ ''ڈاکوؤں کے ڈیروں میں نقب لگانے کی بات وہی کرتے ہیں، زندگی سے جن کا دل بھر چکا ہوتا ہے.....''

''یہ لاٹھی دیکھ رہے ہو.....؟'' میں نے سیّد کی لاٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ تمہری ناٹ تھری سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے نشانہ لینے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ وقت پڑنے پر یہ بلٹ پروف کا کام بھی انجام دیتی ہے۔ تمہیں یقین نہیں آتا تو باری باری دو چار فائر کر کے بھی اپنا اطمینان کر لو۔ مگر اس صورت میں میرا حصہ پچاس سے بڑھ کر پچھتر فیصد ہو جائے گا۔''

میں نے انکا رانی کے سر سے اُترتے ہی حصار باندھ لیا تھا۔ وہ ایک وقت میں دونوں کو کنٹرول نہیں کر سکتی تھی۔ انگریز مسافر کی وحشت دیدنی تھی۔ اُسے مال کی نہیں جان کی فکر زیادہ تھی۔

''میں تمہاری بکواس پر قہقہہ لگاؤں یا تمہاری لاش پر بیٹھ کر آنسو بہانے کی تیاری کروں۔'' پہلے نے اپنا جملہ مکمل کر کے جست لگائی۔ اُچھل کر میرے قریب آ گیا۔ میں

نے بیٹھے ہی بیٹھے پیر سے لاٹھی سرکا دی۔ وہ جوتوں سمیت میری آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا، لاٹھی کی طرف سے بے خبر تھا۔ لاٹھی اُس کے جسم سے مس ہوئی تو یوں لگا جیسے اُس کے جسم میں آٹھ سو اسّی پاور کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ وہ فٹ بال کی طرح اُچھل کر دُور جا گرا۔ اُس کا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا۔ سفید فام غیر ملکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مرنے والے کا دوسرا ساتھی بھی حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا۔ اُس کے پستول کا رُخ میری ہی طرف تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ لبلبی دبانے کے ارادے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ساتھی کے ناقابل یقین انجام پر بھی غور کر رہا تھا۔ میں نے اُسے گھور کر کہا۔

''اب بھی بات تیری سمجھ میں نہیں آئی؟'' میرا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ ''پستول جیب میں رکھ لے، جو مر گیا اسے اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔ اپنی جیبیں جھاڑ کر خود بھی میری نظروں سے دُور ہو جا..... سن رہا ہے میری بات.....؟''

سفید فام غیر ملکی کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ دوسرے شخص نے میرے حکم کی تعمیل میں سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اپنے مُردہ ساتھی کی اکڑی ہوئی سرد اور سیاہ لاش کو اُٹھا کر کھڑکی سے باہر اُچھال دیا۔ اپنی جیبیں جھاڑ کر غیر ملکی کے قدموں میں سارا مال ڈال دیا پھر..... خود بھی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ سفید فام غیر ملکی کچھ دیر سکتے کی کیفیت سے دوچار رہا، پھر تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

''یو آر گریٹ..... گریٹ میجیشن (MAGICIAN) بہت بڑا جادوگر معلوم ہوتا..... ہم پہلا کبھی نائی دیکھا..... گریٹ..... گریٹ..... ہوروبل (HORRIBLE)''

''چپ ہو جا سفید بندر.....'' میں نے ناخوشگوار لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ''میرا راستہ کھوٹا مت کر، جو کچھ دیکھا اسے اپنی کھوپڑی سے نکال دے۔ اگلے اسٹیشن پر تو بھی دفعان ہو جا..... کوئی دوسری گاڑی پکڑ لینا۔''

میں جانتا تھا کہ انکارانی اب اُسی کے سر پر براجمان ہو گی۔ پندرہ منٹ بعد گاڑی کی رفتار مدھم ہونی شروع ہوئی۔ وہ جلدی جلدی اپنا بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر رُکی تو خاموشی سے دروازہ کھول کر اُتر گیا۔ انکا پھر میرے سر پر آ گئی، مسکرا کر بولی۔

''جانتے ہو جمیل، وہ انگریز کیا سوچ رہا تھا؟ وہ تمہاری تصویریں کھینچنے کا خواہشمند تھا۔ تمہاری حیرت انگیز ماورائی قوتوں کے بارے میں لمبی چوڑی کہانی بنا کر بیرونی اخبارات میں شائع کرانے پر غور کر رہا تھا۔ تم نہ کہتے تب بھی اُتر جاتا۔ وہ مرنے والے کی کوئلہ بنی لاش کی تصویر بھی حاصل کرنا چاہتا تھا، تمہاری کہانی تصویروں کے ساتھ چھپتی تو تہلکہ مچ جاتا۔ لیکن اب ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اس کے ذہن سے سارے واقعات کھرچ کر نکال دیئے ہیں۔''

میں نے موضوع بدل کر پھر چندرا کی بات شروع کر دی۔

''ایک بار پھر اُس کے آس پاس منڈلا کر دیکھو..... وہ تنہا ہو گا، میرا دل اس بات کو قبول نہیں کر رہا.....''

''جلدی کیا ہے.....؟'' اُس نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور کے ساتھ ننگ دھڑنگ پنڈت پجاریوں کی پوری فوج تھی۔ بارود کا بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا اُس نے۔ نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ سارا دھوم دھڑکا 'ٹھس' ہو کر رہ گیا۔ کالی کی مورت بھی دیکھتی رہ گئی۔''

''بنگلور آنے میں اور کتنی دیر باقی ہے.....؟'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''خود کو ٹھنڈا رکھو..... جذبات میں کام بگڑ جاتے ہیں۔ بنگلور زیادہ دُور نہیں رہ گیا۔'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ہم ٹرین سے اُتر کر کسی عالیشان ہوٹل کا رُخ کریں گے۔ تم نہا دھو کر تازہ دم ہو لینا، کچھ دیر آرام کر لینا پھر سواری پکڑ کر ہم اس بستی کی طرف چل پڑیں گے جہاں چندرا ویران اور اُجاڑ مندر میں بیٹھا کسی دیوی کی حمایت حاصل کرنے کے لئے جاپ میں مگن ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اُڑ کر چندرا کے سر پر پہنچ جاتا، اُسے منڈل سے باہر نکال کر ایسی عبرتناک موت مارتا کہ امر لال کی آتما بھی بلبلا اُٹھتی۔ اُس کی موت کی خبر ہر دوار بھی ضرور پہنچتی۔ نول کشور کی باقیات کی دھوتیاں ڈھیلی پڑ جاتیں۔ تلے اوپر ہونے والے دو جھٹکے ان سبزی خوروں کو ہلاک کر رکھ دیتے۔ وہ جلدی سر اُٹھانے کی ہمت کبھی نہ کرتے۔ پولیس کے اعلیٰ افسران اور حکومت کے سربرآوردہ لوگ بھی چکرا جاتے۔ ممکن تھا وہ میرے بارے میں ساری فائلیں بند کر کے ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کر لیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ''دیکھتے ہی گولی مار دو'' کا نادر شاہی حکم جاری کر دیتے، انہیں

بھی بار بار خفت اُٹھانی پڑتی۔ مجھے بھی پولیس کی چیرہ دستیوں سے چھٹکارا مل جاتا، طویل عدالتی چکروں سے نجات مل جاتی.....!

''بنگلور میں تمہارے دیکھنے کی اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں۔'' انکارانی اپنی سناتی رہی۔ ''ٹیپو سلطان کے محل کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے غیر ملکی سیاح دُور دُور سے آتے ہیں۔ میسور اور جنوبی ہند کا تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں خاصی گہما گہمی رہتی ہے۔ یہاں بھی دنیا کے تمام خطوں کی طرح انسانی جسموں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ مدراسی لڑکیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان کے گٹھے ہوئے جسم اور چلنے پھرنے کا انداز منفرد ہوتا ہے۔ دُور سے پہچانی جاتی ہیں.....''

''تمہیں اس وقت ٹیپو سلطان کیسے یاد آ گیا.....؟'' میں نے یونہی پوچھ لیا۔

''اُس پر بھی ٹیپو مستان شاہؒ نامی ایک فقیر مہربان ہو گیا تھا، اُسی کی نسبت سے وہ ٹیپو سلطان بن گیا۔ پہلے صرف فتح علی کے نام سے جانا جاتا تھا۔'' اُس نے وضاحت کی۔ ''تم بھی خوش نصیب ہو جو سیّد مجذوب جیسا قلندر تم پر مہربان ہو گیا..... وہ بڑی ہمہ گیر صفتوں کا مالک ہے۔ میں بھی اُس کی گہرائیوں کو نہیں پا سکی۔ اُس کا دامن تھامے رہنا، چھوڑ مت دینا۔ اُس کی نظر چٹانوں کو بھی مسمار کرنے کی قوت رکھتی ہے۔ وہ جن بلندیوں پر پرواز کرتا ہے وہاں پرندوں کے پر بھی جل جاتے ہیں۔''

انکارانی مجھ سے باتیں کرتی رہی، وقت بڑی آسانی سے گزر گیا۔

بنگلور کے اسٹیشن پر میں گاڑی سے باہر آیا تو میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ انکارانی مجھے شاندار ہوٹل میں لے جانے پر بضد تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ اُسے میری ضد کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ پلیٹ فارم سے باہر آ کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ انکارانی، ڈرائیور کے سر پر چلی گئی۔

شہر سے نواحی بستی کا سفر تھکا دینے والا تھا۔ دو گھنٹے بیت گئے، میں بار بار پہلو بدلتا رہا۔ چندرا میرے ذہن میں کسی کیچوے کی طرح کلبلا رہا تھا۔ وہ میری کلدیپ کے قاتل کا اکلوتا بیٹا تھا۔ سب کہتے تھے کہ امرلال کی طرح اُسے بھی کالی کا آشیرواد حاصل ہے۔ کالی نے امرلال کے مقابلے میں کلدیپ کی بھینٹ قبول کر لی۔ امرلال کتے کی موت مارا گیا۔ اور اب اسی کتے کے پلّے کی باری تھی۔ میں تمام راستے اُس کے بارے میں سوچتا رہا۔

ٹیکسی نواحی آبادی کی ایک نیم پختہ روڈ پر پہنچ کر رُکی۔ میں نیچے اُترا۔ مجھے یقین تھا کہ انکارانی کی موجودگی میں کسی غلطی کا امکان نہیں تھا۔ کہیں آس پاس وہ مندر بھی موجود ہو گا جہاں چندرا خود کو بڑا محفوظ سمجھ رہا ہو گا۔ اس بات سے بے خبر ہو گا کہ موت دبے قدموں اس کے قریب پہنچنے والی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور خاموشی سے گاڑی واپس موڑ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد انکارانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس نے مجھے بائیں جانب کچے میدانی علاقے کی طرف چلنے کو کہا۔ داہنے ہاتھ پر چھدرے چھدرے مکانات نظر آ رہے تھے۔ وہاں غریب طبقہ آباد تھا جو محنت مزدوری کر کے روزی کماتا تھا۔

میدانی علاقے کو عبور کرنے کے بعد میں اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں میرا دشمن دیوی کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر جاپ میں مگن تھا۔ سوگز کے فاصلے پر وہ مندر بھی نظر آ رہا تھا جو انکارانی کے بیان کے عین مطابق دُور ہی سے ویران اور اُجڑا اُجڑا نظر آ رہا تھا۔ میرے بائیں ہاتھ پر ایک باغ تھا جہاں گھنے پھل دار درخت قطار اندر قطار دُور تک پھیلے نظر آ رہے تھے۔ دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا تالاب تھا جہاں کچھ جانور اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔

''جمیل.....'' انکارانی نے مندر کی سمت اشارہ کیا۔ ''چندرا اسی مندر میں بیٹھا جاپ کر رہا ہے۔ تمہارے کہنے پر میں نے چاروں طرف نظر دوڑا لی ہے، آس پاس کوئی پنڈت پجاری موجود نہیں ہے۔''

''گویا چندرا کی موت بڑی کسمپرسی کے عالم میں ہو گی۔ اُس کی لاش کو مرگھٹ تک پہنچانے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''اچھا ہے۔ کسی جنگلی جانور کا بھلا ہو جائے گا۔ صرف ہڈیوں کا پنجر باقی رہ جائے گا، اُسے بھی کتے گھسیٹ لے جائیں گے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

میں نے مندر کی جانب قدم اُٹھانے شروع کر دیئے۔ جوں جوں فاصلہ گھٹتا گیا، میرے اندر طوفان کی شدت زور پکڑتی رہی۔ مجھے حیرت تھی کہ نول کشور نے چندرا کو تنہا رہنے کی اجازت کس طرح دے دی؟ اُسے میری وجہ سے پہاڑیوں سے نیچے آنے کی دعوت دی گئی تھی، پھر ہردوار سے کیوں بھیج دیا گیا؟ کیا مصلحت تھی؟ کیا راز تھا؟ کیا نول کشور کو دیوی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس کی موت سر پر کھیل رہی ہے؟ وہ اپنے اعتماد کا شکار ہو کر بے بسی کی موت مرنے والا ہے؟ وہ کالی کے مندر کا بڑا پروہت تھا۔ کالی اور اُس کے درمیان اتنے راز

ونیاز تو ہونے چاہئے تھے کہ وہ اُسے موت کی خبر کر دیتی۔ شاید اُس کی زندگی کے گنے چنے لمحوں میں دس بیس منٹ کا اور اضافہ ہو جاتا۔ وہ اپنی ہی موت سے بے خبر تھا تو چندرا کو اُس کے انجام کی خبر کیسے دے سکتا تھا؟ پتھر سے سر پھوڑنے کا انجام موت کے دروازے پر پہنچنے کے بعد ہی نظر آتا ہے۔ تب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ چندرا ابھی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوگا، اُسے اُمید نہیں رہی ہوگی کہ نول کشور اور اُس کے سینکڑوں پنڈت پجاری ایک تنہا میری ذات کے آگے اتنی جلدی بے بس ہو جائیں گے۔ خود نول کشور کو بھی توقع نہیں ہوگی۔ اُس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی، دُور اندیشی سے کام لیتا رہا تھا۔ دیپک درمیان میں نہ آجاتا تو وہ منڈل سے باہر آنے میں جلدی نہ کرتا۔ باہر آنے کے بعد بھی اُس نے مردانگی سے مقابلہ کیا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی جو شیوا درمیان میں آگیا تھا، نول کشور دھوکے میں مارا گیا.... اب چندرا کی باری تھی۔

میں مندر سے دس گز دُور ہی تھا جب میرے قدم رُک گئے۔ میری نظریں اُس پجارن کے سراپا پر منڈلانے لگیں جو مندر سے باہر نکلی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں چھوٹی سی پیتل کی تھالی تھی جس میں ایک دو برتن اور بھی تھے۔ وہ کسی جنگلی ہرنی کی طرح خوش نظر آرہی تھی۔ اُس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ گیروے رنگ میں اُس کا خوبصورت وجود اور چمک اُٹھا تھا۔ وہ حسین تھی، جاذب نظر تھی، اُس کے چلنے کا انداز بھی ہرنیوں جیسا تھا، خراماں خراماں کسی ہوا کے معطر جھونکے کی طرح، اُس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا، گھنیری زلفیں دونوں شانوں پر ناگنوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ وہ خود بھی کسی ناگن سے کم نہیں تھی، کوڑیالی، لہرالہرا کر اور بل کھا کر چلنے والی۔ اُس کے سراپا میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ میرا ذہن چندرا کے خیال سے کھینچ کر اُس کے پیکر کے مطالعے میں غرق ہوگیا۔

''اس کا نام بھی اسی کی طرح بڑا سندر ہے..... رُوپ کرن۔'' انکارانی مجھے جنگلی ہرنی کے بارے میں بتانے لگی۔ ''یہ نادان چندرا کو من میں بسا کر اُس کی دیوانی ہوگئی ہے۔ روز اُس کے لئے تھالی میں پھل، دودھ اور میوے پروس کر لاتی ہے۔ تھالی منڈل کے قریب رکھ کر خود دُور بیٹھی نگاہوں نگاہوں میں چندرا کو پوجتی ہے۔ پھر خالی تھالی اُٹھا کر واپس چلی جاتی ہے۔ بہت دنوں سے اس کا یہی معمول ہے۔ ابھی تک چندرا سے اس کی ایک بات

بھی نہیں ہوئی نہ نظریں ٹکرائیں۔ وہ تھالی کو دیوی کا پرشاد سمجھ کر چٹ کر جاتا ہے۔ یہ سمجھتی ہے کہ چندرا نے اسے سویکار کر لیا۔ بڑی نادان ہے۔ اپنی زندگی کو بلاوجہ روگ لگا بیٹھی....''

میں انکارانی کی باتیں سنتا رہا۔ اُس نے چندرا کی بھرپور جوانی کی جو تعریفیں کی تھیں غلط نہیں ہوں گی۔ اُس کا بیان غلط ہوتا تو رُوپ کرن جیسی الہڑ جوانی اُس کے عشق میں دیوانی نہ ہوتی۔ وہ قریب آرہی تھی۔ میری نظریں اُس کے نشیب و فراز کے حسن کو دادِ تحسین دینے میں مصروف تھیں۔ وہ میرے قریب آکر ایک لمحے کو رُکی، کسی خیال سے اُس نے پلٹ کر اُجڑے مندر کی طرف نظر ڈالی جہاں اُس کا پریتم بیٹھا رام رام جپ رہا تھا۔ پھر کترا کر جانے لگی تو میں نے لپک کر اُس کی کلائی تھام لی۔ وہ ساری جان سے لرز اُٹھی۔ پیتل کی تھالی اور چھوٹے چھوٹے برتن اُس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اُس کی بادامی آنکھیں سہم کر اور دلربا ہوگئیں۔

''کیا کرتے ہو.....؟'' اُس نے گھبرائے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا۔ میں اُس کے دل کی دھڑکنوں میں ڈوبنے لگا۔ ''میرا ہاتھ چھوڑ دو، تمہاری بڑی کرپا ہوگی.....'' وہ مجسم التجا بن گئی۔ میں اور دیوانہ ہوگیا۔

''مندر میں تیرا کون بیٹھا ہے.....؟'' میں نے تیز آواز میں سوال کیا۔

''مم..... میں نہیں جانتی.....'' اُس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''نہیں جانتی تو وہاں روز روز کیا کرنے جاتی ہے.....؟'' میرے اندر رقابت کا جذبہ کنڈلی مارنے لگا۔

''وہ..... وہ دیوی کے کارن کوئی جاپ کر رہا ہے۔ میں اُسے بھوجن کھلا کر واپس آجاتی ہوں۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''مجھے جانے دو.....''

''تو اُسے نہیں جانتی۔ لیکن من مندر میں چھپا کر اُس کی پوجا کر رہی ہے۔''

''ہاں..... وہ مجھے اچھا لگتا ہے.....'' وہ روانی میں حقیقت بیان کر گئی۔ میرے اندر کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔

''بعد میں اُس نے تیرا ہاتھ تھامنے سے انکار کر دیا تو.....؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔

''بھاگیہ کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟'' وہ اُداس ہوگئی۔ اُس کا حسن سوگوار بھی قیامت تھا۔ نظریں جھکا کر بولی۔ ''ہمارا سنجوگ نہ ہوا تب بھی وہ میرے دل میں دھڑکتا رہے گا۔ وہ

نہ مانے، پر میں نے اُس کے ساتھ بندھن باندھ لیا ہے۔''

''میں اس بندھن کو توڑ دُوں گا۔ اُسے بھی نشٹ کر دُوں گا تو جس کے سپنے دیکھ رہی ہے۔'' میں اپنے جنون پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے اُس کی کلائی پر گرفت مضبوط کر کے جھٹکا دیا، وہ سنبھل نہ سکی، چکرا کر میری بانہوں کے جال میں پھنس گئی۔ اُس کا قرب بڑا ہیجان انگیز تھا۔ میرے جسم سے سرخ چیونٹیاں لپٹ گئیں۔ میرا مقصد اس مورتی کو اپنے شبستانِ گناہ میں لا کر اُس کی دوشیزگی پامال کرنا ہرگز نہیں تھا۔ لیکن وہ جو ویرانے کی حور تھی، جس کی جوانی کٹھل کا کھٹ مٹھا کویا تھی، جس کی مست نگاہوں میں انگور کی شراب چھلک رہی تھی وہ میرے دشمن کی بانہوں میں کبھی سمٹ کر اٹکھیلیاں کرنے کی آرزو کرے، مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے روپ کرن کو گھسیٹ کر ایک طرف لے جانے کی کوشش کی تو انکارانی نے کہا۔

''اب ایسا مت کرنا جمیل..... اس ہرنی کو آزاد کر دو۔ تم نہیں جانتے، میری بات کا یقین کر لو، اگر تم نے اسے روند ڈالا تو بڑے خسارے میں رہو گے۔ شاید چندرا بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔''

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟'' میرے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔

''میں تم سے غلط نہیں کہہ رہی ہوں..... روپ کرن کو چھوڑ دو، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

چندرا کا نام آیا تو میں نے روپ کرن کو وحشت بھری نظروں سے دیکھا، مجھے چندرا اور روپ کرن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ انکارانی کی منطق میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن اُس نے جو کچھ کہا تھا کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا۔ میں نے نفرت سے روپ کرن کو دھکا مار کر ایک سمت گیا۔ میری نگاہیں پھر مندر پر جم گئیں۔

''تم جلد بازی سے کام نہ لینا۔ میں لڑکی کے ذہن سے تمہارا خیال نکال کر واپس آتی ہوں۔'' انکارانی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا مندر کے دروازے پر پہنچ گیا۔

سیّد کی لاٹھی میرے سیدھے ہاتھ میں تھی۔ میرے اندر آتش فشاں سر اُبھار رہا تھا۔ میں نے چندرا کو گھور کر دیکھا، وہ آنکھیں بند کئے کالی کی چاپلوسی میں مگن تھا۔ زمین پر منڈل کا

ان واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ انکا نے چندرا کے حسن کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ اس تعریف سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا، بڑا گبرو جوان تھا۔ اُس کی مسیں بھی پوری طرح بھیگنی شروع نہیں ہوئی تھیں، ابھی اُس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ مجھے اُس کی جوانی پر ترس آنے لگا۔ وہ میرے دشمنوں کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ اُس کے چہرے کے خدوخال امرلال سے ملتے جلتے تھے۔ مجھے چندرا کو دیکھنے کے بعد روپ کرن جیسی حسینہ کی یکطرفہ محبت پر تعجب نہیں ہوا۔ وہ یقیناً چاہے جانے کے قابل تھا۔ جس مندر میں چلا جاتا یوداسیاں اُس کے قرب کے جنون میں سر پھوڑنے کی حد سے بھی گزر جاتیں۔ پجارنیں اس کے قدموں میں تڑپ تڑپ کر جان دینے کو کسی اعزاز سے کم نہ سمجھتیں۔ ایک انار سو بیمار والی مثال صادق آ جاتی اور.....

''سنبھلو جمیل احمد خاں.....'' میرے دل نے میری سوچ کو سرزنش کی۔ ''تم جس کے سامنے کھڑے ہو وہ تمہاری کلدیپ کے قاتل کا بیٹا ہے۔ سانپ کا بچہ سنپولا ہی کہلاتا ہے۔ تم اسے دودھ پلانے کی سوچ رہے ہو؟ کیکر کے درخت سے آم کی فصل کی توقع کرنا پاگل پن ہے۔ تم اسے دس بار معاف کرو گے، یہ سو بار تمہیں پلٹ کر ڈسنے کی کوشش کرے گا۔ سیّد کا کراماتی لاٹھی تمہارے پاس ہے، اسے اُٹھاؤ، ایک ہی وار میں اس کا سر کچل دو۔ اس سے زیادہ سنہری موقع دوبارہ تمہارے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔''

میں سنبھل گیا۔ میرے اندر پھر آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ میں نے نفرت بھری نظروں سے چندرا کو گھورا۔ موت اُس کے سر پر کھڑی تھی لیکن وہ بے خبری کے عالم سے دوچار تھا۔ اُس نے جو منڈل کھینچ رکھا تھا اس کی میری نظروں میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں امرلال کی موجودگی میں سیّد کی اسی لاٹھی سے بدری نرائن کا حصار بھی توڑ چکا تھا۔ میں لاٹھی گھماتا، منڈل کی ساری شکتیاں دُم دبا کر بھاگ جاتیں۔ دوسرا وار چندرا کے حسن کی تمام رعنائیاں ختم کر دیتا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ میرا دشمن ہونے کے باوجود کم عقل تھا، نادان تھا، بچہ تھا، طفلِ مکتب تھا۔ میں تجربے کار تھا، ہندوستان کے بے شمار بڑے بڑے مُرت پجاری میری وحشتوں کا شکار ہو کر پرلوک سدھار چکے تھے۔ میرے جنون کے آگے انا کے قدم زیادہ دیر نہیں ٹک سکے۔ جمیل احمد خان کے نام سے سب واقف تھے۔ چندرا کو بھی جہنم نصیب نول کشور نے بڑی تفصیل سے ایک ایک کہانی سنائی ہوگی، محتاط رہنے کا

مشورہ دیا ہوگا۔ امرلال کے بھیانک اور عبرت انگیز انجام سے بھی ضرور باخبر کیا ہوگا۔ میں اُسے پشت سے وار کر کے ختم کر دیتا تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ جنگ و جدل کے میدان میں حریف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، وہاں اپنی بہادری کا سکہ جمانے کی خاطر خندقوں سے اُچھل کر باہر آنے کا انجام بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ دشمن چھپ کر ایک برسٹ مارتا ہے، جو بھی لپیٹ میں آجائے اُس کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اوپر سے ایک بم ٹپکایا جاتا ہے، ان گنت افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں، سینکڑوں مکان مسمار ہو جاتے ہیں، سیمنٹ، بجری اور گارے قصوروار نہیں ہوتے مگر وہ بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ مسجد، مندر، چرچ اور گردواروں کی ساری تمیز مٹ جاتی ہے۔ جس کا داؤ چل جائے وہ اپنا کام کر گزرنے سے نہیں چوکتا۔ میں بھی چندرا کو اس طرح پشت سے وار کر کے منڈل کے اندر ہی ڈھیر کر سکتا تھا کہ اُس غریب کو میری شکل دیکھنے کی مہلت بھی نہ ملتی، سیدھا دیوی کے چرنوں میں ڈنڈوت کرتا ہوا دنیا سے کوچ کر جاتا۔ میں اُسے مار کر نکل جاتا، اُس کی لاش سے حشرات الارض ہزاروں کی تعداد میں لپٹ جاتے۔ روپ کرن دوبارہ تھالی میں بھوجن پروس کے چٹکی مٹکتی آتی تو تھالی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی، اپنے پریتم کا انجام دیکھ کر وہ چیخ اُٹھتی، چکرا کر اُس کی لاش پر اوندھے منہ گرتی، پنڈت پجاریوں کو خبر ملتی تو وہ بھی ''رام رام ستیہ ہے'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے کریا کرم کے لئے اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے۔ کسی کو کان و کان خبر نہ ہوتی کہ قاتل کون ہے؟ میرے بارے میں قیاس آرائیاں پھر بھی ہوتیں، میرے لئے چندرا سب سے آسان شکار ہو سکتا تھا، لیکن میں نے اُسے للکارنے کی ٹھان لی۔

''بس کر بالک..... بس کر..... بس کر دے حرام کے تخم۔'' میں نے کرخت لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ''جاپ چھوڑ کر اپنے آپ کو بچانے کی چنتا کر۔ آنکھ کھول کر دیکھ، تیرے باپ کا باپ تیرے سر پر موت بن کر کھڑا ہے.....''

چندرا کی محویت میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ جاپ میں مگن تھا۔ میں نے اُسے دوبارہ آواز دی۔

''دیوی کو پٹانے کا چکر چھوڑ دے مورکھ..... میری لاٹھی گھوم گئی تو سارے جنتر منتر دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔''

اس بار وہ کسمسانے لگا۔ میری بلند آواز اُس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ اُس کی آنکھیں

کھل گئیں۔ اُس نے بڑے سکون سے پلٹ کر مجھے دیکھا، اُس کے گداز ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ آنکھیں یوں چمکنے لگیں جیسے اُس کی دلی مراد پوری ہوگئی ہو۔ اُس کے ہونٹوں کی جنبش تیز ہوگئی۔ میں نے اُس کے تاثرات بھانپ کر سرد آواز میں کہا۔

''کھلی آنکھوں سے دن کے اُجالے میں سپنے دیکھ رہا ہے؟..... مورکھ، دماغ میں جو واس بھرا ہے اسے نکال دے۔ مجھے تیرے جنتر منتر کے بیر گھیر کر نہیں لائے ہیں۔ میں خود ل کر آیا ہوں۔ اب تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گا۔ سن رہا ہے میری بات.....؟''

''مجھے پورا وشواس تھا کہ تو اوش آئے گا۔'' اُس نے بدستور فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''دیوی نے جو کہا تھا، وہی ہوا۔ میری بیٹھک بیکار نہیں ہوئی۔ اب میں تجھے جلا کر بھسم کر دوں گا۔ ت اُوپر اُوپر اُڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب پھنس گیا میرے جال میں تو اس کا سواد بھی مجھے چکھنا ہوگا۔''

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ انکارانی میرے سر پر واپس آ گئی۔ ''تم دیر کیوں کر رہے ہو.....؟'' اُس نے پوچھا۔ ''یہ اس قدر بے خوف کیوں نظر آ رہا ہے.....؟''

''اب چپ کیوں ہو گیا پاپی.....'' چندرا نے مجھے خاموش دیکھ کر پھر بکواس شروع کر دی۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ تیرے من میں کیا وچار ڈول رہے ہیں، یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تیرے کس بل ابھی نہیں نکلے۔ میں چاہوں تو مٹی کی ایک چٹکی اُٹھا کر تیری طرف پھینکوں، تو وہ کر بھسم ہو جائے گا۔ میری سوگند پوری ہو جائے گی۔ پرنتو میں ایسا نہیں کروں گا۔'' اُس کے تیور خطرناک ہونے لگے۔ ''تو مجھے بالک سمجھ رہا ہے؟ تجھے ابھی میری شکتیوں کا اندازہ نہیں ہے۔''

''یہ کیا بکواس کر رہا ہے جمیل؟'' انکارانی نے حیرت کا اظہار کیا۔

''بڑے کھیل تماشے دکھا چکا، بڑی اُچھل کود کر لی، بہت ناٹک کر چکا۔ اب تیری ایک نہیں چلے گی۔'' اُس نے میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''تیرے بھاگیہ کا سورج ڈوب گیا۔ تیری سہائتا کرنے والے اب اس دھرتی پر نہیں رہے، سب کو آکاش پر بلا لیا گیا۔ تو بھی یہاں رہ کر کیا کرے گا؟ تو بھی بچھڑے ہوؤں کے پاس چلا جا..... وہاں تجھے وہ نارنار بھی مل جائے گی جو تیری بڑی سہائتا کیا کرتی تھی..... میں تیری کلدیپ رانی کی ت کر رہا ہوں۔ دیوی نے اُس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے.....''

میں چندرا کی زبان سے اپنی کلدیپ کا نام سن کر پاگل ہوگیا۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی منڈل کی سمت پھینکی، کربناک چیخوں کی آوازیں اُبھریں، روشنی کے تیز جھماکے ہوئے..... چندرا جس منڈل کو اپنے لئے ناقابل تسخیر سمجھ رہا تھا، وہ ٹوٹ گیا.....

چندرا کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں..... وہ اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

''اب بول مورکھ..... ملیچھ..... پاپی..... تو مجھے کیا بھاشن دے رہا تھا؟ بڑے دیدے نکال کر باتیں کر رہا تھا۔ راگ راگنیوں میں الاپ رہا تھا۔ اب سٹی گم ہوگئی۔ مجھے اُوپر جانے کی صلاح دے رہا تھا، اب بول، میں تیرے ساتھ کیا کروں؟''

''تم نے چندرا کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

''دیوی میری رکھشا کرے گی۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔''

''پھر بڑھنے لگا اوقات سے، پھر شروع کر دیں دیوی اور دیوتاؤں کی باتیں؟'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''پکی گولیاں کھیلی ہوتیں مورکھ تو جمیل احمد خاں کے مقابلے پر آنے کی بھول کبھی نہ کرتا۔ کیا تیرے پرکھوں نے تجھے تیرے اصلی پتا کا نام نہیں بتایا تھا؟ نول کشور کے بل پر اکڑ رہا تھا، خبر ہے اُس کا کیا ہوا؟ میں اُس کی گردن ناپ کر آ رہا ہوں۔ اُس کے سیوک اب اُس کی چتا کی راکھ بھی سمیٹ چکے ہوں گے۔ اور تو یہاں بیٹھا دیوی کے ساتھ آنکھ مٹکا کر رہا ہے؟''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جمیل احمد خاں۔'' وہ سینہ تان کر بولا۔ ''میں تمہاری پوری کہانی سن چکا ہوں۔ وہ سندرنار درمیان میں نہ آجاتی تو.....''

''چپ ہو جا نطفۂ ناتحقیق، اپنی گندی زبان بند کر لے.....'' میں چیخ اُٹھا۔ ''تجھے جو گھوٹ کر پلایا گیا ہے اس میں زہر کی آمیزش بھی ہے۔ کلدیپ درمیان میں کبھی نہ آتی اگر تیرا باپ بدری نرائن کو ہتھیلی لگانے کی خاطر درمیان میں نہ آ گیا ہوتا۔ اُس غریب نے تیرے جہنم نصیب باپ سے کہا بھی تھا کہ وہ دونوں درمیان سے ہٹ جائیں، کوئی کسی کی مدد نہ کرے۔ مجھے اور بدری نرائن کو مردوں کی طرح میدان میں چھوڑ دیا جائے، پھر جو جیت جائے۔ لیکن تیرے باپ نے یہ بات نہیں مانی۔ وہ کالی کے بل بوتے پر الکھ نرنجن کا نعرہ لگا

کر سامنے آ گیا۔ پہل بھی اُسی نے کی۔ میری کلدیپ خاموش کھڑی رہی، بار بار امرلال کو سمجھاتی رہی۔ لیکن وہ نہیں مانا۔ بڑا ناز تھا اُسے کالی کی شکتی پر۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ کلدیپ نے اُنگلیوں سے اشارہ کیا، اُس کے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ میں نے بدری نرائن کو خارش زدہ کتوں کی طرح لتھاڑ لتھاڑ کر مارا۔ سن رہا ہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''جمیل.....'' انکارانی تلملا کر بولی۔ ''تم اس سنپولے کو کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو؟ تمہاری کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ جلدی کرو۔ پہلی فرصت میں اسے ٹھکانے لگا دو.....''

''تم جھوٹ بول رہے ہو جمیل احمد خاں۔'' چندرا نے نفرت کا اظہار کیا۔ وہ مجھ سے خائف نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''تم مہابھارت کی جو رام کہانی سنا رہے ہو وہ تمہاری من گھڑت ہے۔ سچ کیا ہے، میں جانتا ہوں۔''

''ایک بات اور جان لے مورکھ.....'' میں ہونٹ چبا کر بولا۔ ''تو نے جو سوگند کھائی ہے وہ کبھی پوری نہیں ہوگی۔ نہ تو دھرتی کی کسی پجارن کو ہاتھ لگا سکے گا نہ آکاش پر اِندر کے اکھاڑے کی کوئی نرتکی تیرے شریر کو چھونا پسند کرے گی۔ ہمیشہ لنڈورا رہے گا۔ ابھی سمے ہے، گردن نیچی کر لے، میرے چرنوں پر سر رکھ کر دیا کی بھیک مانگ، میں وچن نہیں دیتا کہ تجھے شما کر دُوں گا، ہوسکتا ہے مجھے تیری جوانی پر رحم آ جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈال دُوں.....''

''جمیل.....'' انکا کسمسانے لگی۔ ''جلدی کرو، اسے موقع نہ دو۔ مار ڈالو..... مار ڈالو..... سرکچل دو اس کا۔''

چندرا میری بات سن کر آگے بڑھا۔ شاید میری بات اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ میرے قدموں میں جھکنے کو آمادہ ہوگیا تھا۔ میں خوش فہمی کا شکار ہوگیا، وہ سور کا بچہ اپنی چال چل گیا..... میرے قریب پہنچ کر اُس نے جسمانی قوت کا مظاہرہ کیا۔ وہ بلاشبہ مجھ سے کہیں زیادہ تنومند تھا۔ اُس نے میری ٹانگیں پکڑ کر ہوا میں اُچھال دیں..... میں نے فوری طور پر عقل استعمال نہ کی ہوتی تو پتھریلی زمین سے ٹکرا کر میرا سر ضرور پاش پاش ہو جاتا۔ انکارانی اُچھل کر ایک طرف چلی گئی۔ میں نے اُٹھنے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ چندرا کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ کسی خطرناک جنتر کا ورد کر رہا تھا کہ میری ہتھیلی اُٹھ گئی۔ میں نے ایک

آزمودہ منتر پڑھ کر ہتھیلی کو اُس کی طرف جھٹکا۔ چندرا اُڑتا ہوا مندر کی دیوار سے ٹکرایا۔ اُس نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ زمین پر گرتے ہی اُس نے اپنے سینے کا ایک بال توڑ کر کالی کی مورتی کی طرف پھینکا۔ مجھے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ہوا کا ایک گرم جھونکا مجھے دھکیلتا ہوا مندر سے باہر لے گیا۔

''جمیل.....'' انکا رانی نے میرے سر پر آ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے اجازت دو، میں چٹکی بجاتے میں کھیل ختم کر دُوں گی۔ بات بڑھ گئی تو چندرا اس سے تمہارے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔''

مجھے انکا رانی کی بات اچھی نہیں لگی۔ شاید وہ چندرا کے مقابلے میں مجھے کمزور سمجھ رہی تھی۔ وہ میرے لمحے لمحے سے واقف تھی، پھر اُس نے ایک غلط بات کیوں کی؟ میں اُسے گھورتا ہوا تیزی سے اُٹھا۔

''تم اس وقت میرے سر سے اُتر جاؤ انکا رانی، میرے اور چندرا کے مقابلے میں ٹانگ پھنسانے کی غلطی بھی مت کرنا.....''

میرا لہجہ کرخت تھا، انکا تلملا کر اُتر گئی۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کا عمل کیا، سیّد کی لاٹھی میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ چندرا نے سامنے آ کر دوسرا وار کیا۔ میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا، وہ دُور جا پڑا، ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا..... میں نے اُسے ختم کر دینے کی خاطر اُس کی طرف زور سے پھونکا لیکن وہ برق رفتاری سے قلابازی کھاتا ہوا میری زد سے دُور نکل گیا۔ میں لاٹھی اُٹھانے کی خاطر لپکا، چندرا نے وار کر دیا۔ اُس کے جنتر منتر کے بیروں نے مجھے زمین سے بلند کر کے زور سے پٹخا۔ میں نے سر پر دونوں ہاتھ جما لئے۔ میری کھوپڑی پاش پاش ہونے سے بچ گئی۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو وقتی طور پر نظر انداز کر دیا، اُلٹا ہاتھ بلند کر کے اُنگلیاں لہرانے لگا۔ آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے لپکے لیکن چندرا کے قریب جا کر سرد پڑنے لگے۔ شاید اُس نے موقع ملتے ہی دوسرا منڈل کھینچ لیا تھا۔

''جمیل احمد خاں..... اب تم میرا بال بھی ٹیڑھا نہیں کر سکو گے۔'' اُس نے گرج کر کہا۔

''میں نے اب جو منڈل باندھا ہے اس پر تمہارا کوئی جادو اثر نہیں کرے گا۔''

میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا انجام دیکھ چکا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے خود کو زمین پر

گرا کر لوٹ لگائی، سیّد کی لاٹھی تک پہنچ گیا۔ چندرا قہقہہ لگا کر بولا۔

''اس لٹھ میں کیا بات ہے مہاراج جو تم بار بار اس کی طرف لپکتے ہو.....؟'' اُس نے میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی۔ ''تم لکڑ سنگھوے تو نہیں ہو جو لکڑی سونگھا کر بچوں کو اغواء کرنے کا کام کرتے ہیں.....؟''

''دیر مت کرو جمیل.....'' انکا رانی پھر میرے سر پر آ گئی۔ ''تم نہیں سمجھ رہے، چندرا جان بوجھ کر تمہیں باتوں میں اُلجھا رہا ہے۔ اُسے کسی کا انتظار ہے۔''

''کس کا انتظار ہے؟'' میں نے حیرت سے وضاحت چاہی۔ ''وہ کون مائی کا لال ہے جسے اپنی زندگی پیاری نہیں؟ کس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا؟ کون جان بوجھ کر موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کا خواہشمند ہے؟ اگر کوئی ہے تو اُسے بھی آ لینے دو۔ میں چندرا کے ساتھ اُسے بھی نرک میں جھونک دُوں گا۔ ایک ساتھی ہو گا تو چندرا کا دل بھی بہلتا رہے گا۔''

''میں مجبور ہوں..... میں تمہیں اُس کا نام نہیں بتا سکتی۔ لیکن اگر وہ سامنے آ گیا تو کھیل خراب ہو جائے گا۔ پھر..... پھر شاید تم چندرا کو آسانی سے نہ مار سکو گے۔'' انکا رانی پھر ضد کرنے لگی۔ ''میرا کہا مان لو..... سیّد کی لاٹھی اس کی طرف اُچھال دو۔ اس نے جو منڈل قائم کیا ہے، وہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بعد تم باتوں میں وقت برباد نہ کرنا۔ میں غلط نہیں کہہ رہی۔ تم نے دیر کر دی تو بازی طول پکڑ لے گی۔ یہ سنہری موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

''انکا رانی.....'' میں نے اُس کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔ ''میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم اب کچھ باتیں مجھ سے چھپانے لگی ہو۔ پراسرار باتیں کرنا آ گیا ہے تمہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا.....؟''

''ایسا نہیں ہے.....'' وہ تلملانے لگی۔ ''مجھے غلط مت سمجھو۔ کچھ مجبوریاں ہیں جو میں زبان نہیں کھول سکتی۔ لیکن میری نظریں آسمان پر خوفناک انسانی ہیولوں کو آپس میں گڈمڈ ہوتا دیکھ رہی ہیں۔ وہ نیچے اُتر رہے ہیں..... جو کچھ کرنا ہے جلدی کر گزرو..... تمہارے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔''

''کس وچار میں کھو گئے خاں صاحب؟'' چندرا نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ''کیا اُس ڈیڑھ بالشتی سے کوئی مشورہ کر رہے ہو جو تمہارے سر پر رہتی ہے؟ سنا ہے بڑی نٹ کھٹ، بڑی چنچل حرافہ ہے۔ تم جو چاہتے ہو وہ پورا کر دیتی ہے۔ اسی نے تمہیں منش سے

راکھشس بنا دیا۔ پرکھوں سے سنا ہے کہ اس کی شکتی بھی اپرم پار ہے۔ تم سے نمٹ لوں تو پھر اسے بھی قابو کرنے کے بارے میں غور کروں گا۔''

''سور کے بچے..... خیالوں کے محل بنا رہا ہے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''موت تیرے سر پر منڈلا رہی ہے اور تو سپنوں کی باتیں کر رہا ہے۔''

میں نے سیّد کی لاٹھی اُس کی طرف گھما کر پھینکی۔ لاٹھی منڈل سے ٹکرائی تو پھر پراسرار شور سے پورا علاقہ گونج اُٹھا..... چندرا نے جو حفاظتی خول قائم کر رکھا تھا وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا تو اُس کی آنکھیں پھر پٹ پٹانے لگیں۔ وہ جان گیا تھا کہ اس لاٹھی میں کوئی ایسی نادیدہ کراماتی طاقت ہے جو بار بار اسے ننگا کر رہی ہے۔ اُس نے آسمان کی جانب توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی، پھر بڑی تیزی سے لپک کر لاٹھی پر ہاتھ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آسمان پر گڈمڈ ہوتے ان خوفناک انسانی ہیولوں کے لئے بھی انتہائی حیران کن رہا ہوگا جن کا ذکر انکارانی نے کیا تھا۔ سیّد کی لاٹھی کو ہاتھ لگاتے ہی چندرا کا اُلٹا ہاتھ کلائی تک اس طرح بھک سے اُڑ گیا جیسے بارود نے چنگاری پکڑ لی ہو۔ وہ کربناک انداز میں چیخنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے لتا منگیشکر سریلی آواز میں کوئی درد بھرا گیت گا رہی ہو۔

''لنکر سنگھوے کی لاٹھی چھونے سے کچھ سواد آیا بالک؟'' میں زہر خند سے بولا۔ ''بڑا چتر چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب تیری کھاٹ کھڑی ہونے کا وقت آ گیا۔ تو رانڈ بیوہ کی طرح رو کیوں رہا ہے؟ کوئی جنتر منتر پڑھ کر پھونک، مجھے جلا کر بھسم کرنے کی کوشش کر۔ اپنے بیروں کو آواز دے، اگر وہ بھی نہ سنیں تو اپنے پتا کا نام لے کر بلکنا شروع کر دے۔ شاید اُس کی آتما کو تجھ پر دیا آ جائے۔''

چندرا کی چیخیں تھم گئیں۔ لیکن اب اُس کی نگاہوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ کبھی وہ سیّد کی لاٹھی کو پھٹی پھٹی نظروں سے گھورنے لگتا، کبھی مجھے دیکھ کر ہونٹ چبانے لگتا۔

''سنا ہے تو وندھیا چل کی پہاڑی گپھاؤں میں بیٹھا دیوی کو راضی کرنے کے کارن کوئی راگ سنا رہا تھا۔'' میں نے اُس کی بے بسی کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''تو نے ماتھے پر تلک لگا کر کالی کے چرنوں میں بیٹھ کر سوگند کھائی تھی کہ جب تک مجھے نشٹ نہیں کر لے گا کسی ناری کے رسیلے شریر کو ہاتھ نہیں لگائے گا..... یہ کیا غلطی کر بیٹھا۔ تیری پرتگیا پوری نہ ہوئی تو اُن پجارنوں اور دیوداسیوں کا کیا بنے گا جو بوڑھی ہوتی جا رہی ہیں.....؟ کس کس کے سپنے

کھوٹے کرے گا؟ ابھی وہ بھی آئی تھی، روپ کرن، اندر سے کی گولی، اوپر سے نرم اندر سے گرم۔ دُور سے جھلملا رہی تھی۔ وہ کس کے سہارے زندہ رہے گی؟''

''جمیل.....'' انکارانی بے چین ہونے لگی۔ ''تم نے میری بات نہیں سنی۔ اب چندرا تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ بچ کر نکل گیا تو میری کلدیپ کی بے چین رُوح کو قرار کس طرح آئے گا؟ وہ مشن کیسے پورا ہوگا جو پریتم لال میرے حوالے کر گیا تھا؟''

''تم نے باتوں میں وقت ضائع کر دیا..... اب کچھ نہیں ہو سکتا.....''

انکا کے لہجے میں کوئی بات تھی جو میرے دل کی دھڑکنیں ڈانواڈول ہونے لگیں۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر سر سے بلند کی۔ میں اب وقت ضائع کئے بغیر چندرا کو نرک میں جھونکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن شاید وقت گزر چکا تھا۔ مجھے جو مہلت ملی تھی اُس کی میعاد پوری ہو چکی تھی۔ میں سیّد کی لاٹھی تھامے رہ گیا، سیاہ ذرات کا ایک بگولا بڑی تیزی سے میرے اور چندرا کے درمیان حائل ہو گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میری دونوں آنکھوں میں پسی ہوئی سرخ مرچ جھونک دی ہو..... دوبارہ دیکھنے کے قابل ہوا تو چندرا دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں چکرا کر رہ گیا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکارانی بھی پیچ و تاب کھا رہی تھی..... غلطی میری تھی، میں تسلیم کرتا ہوں، میں نے انکارانی کی بات مان لی ہوتی تو کھیل ختم ہو جاتا۔ لیکن میری خوش فہمی اور خود اعتمادی نے ایک بار پھر مجھے کف افسوس ملنے پر مجبور کر دیا..... اُس نے جو کچھ کہا غلط نہیں تھا۔ یہ پہلا اتفاق نہیں تھا، پہلے بھی متعدد بار میں اُس کے مشوروں کو نظر انداز کرنے کا خمیازہ بھگت چکا تھا۔

''اب..... کیا ہوگا.....؟'' میں ہونٹ چبانے لگا۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ.....''

''میں سن چکا ہوں..... بار بار سن چکا ہوں۔ لیکن میں بھی کیا کر سکتا ہوں؟'' میں جھلا کر بولا۔ پھر مفاہمت کا انداز اختیار کر کے کہا۔ ''چلو ٹھیک ہے۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں..... مجھے بتاؤ انکارانی، وہ کس کے ہیولے تھے جو تمہیں آسمان پر نظر آ رہے تھے.....؟ کس کی شکتی درمیان میں آ گئی؟ چندرا کہاں غائب ہو گیا؟ میری خاطر..... ہاں انکارانی، میری خاطر، صرف ایک بار اور چندرا کو تلاش کر دو۔ پھر میں تم سے.....''

''آگے کچھ نہ کہنا جمیل.....'' میری باتوں نے انکارانی کو موم کر دیا۔ اُس کے چہرے سے تناؤ کی کیفیت چھٹ گئی۔ وہ کچھ دیر تک خلاء میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ ''تمہیں ایک دن کے لئے بنگلور میں قیام کرنا ہوگا۔ پریشان مت ہو، میں چندرا کو تلاش کر لوں گی۔ وہ میری نظروں سے زیادہ دیر اوجھل نہیں رہ سکتا۔''

میں بے نیل ومرام بنگلور آ گیا۔ انکارانی کی موجودگی میں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے میرے قیام کا بندوبست ایک شاندار ہوٹل میں کر دیا۔ میں نے اپنے کمرے میں جا کر غسل کیا تو ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ لیکن چندرا کا خیال میرے ذہن کو کچوکے لگاتا رہا۔ وہ میرا آخری شکار تھا، میں اُسے تھپکیاں دے دے کر آرام سے جہنم رسید کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی نادیدہ قوت درمیان میں آ گئی۔ چندرا بچ کر نکل گیا۔

وہ کس کی قوت تھی جس نے میرے اور چندرا کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تھی.....؟

میرے ذہن میں کالی اور دُرگا کا خیال اُبھرا۔ پنڈت اوم پرکاش کی موت کے وقت دُرگا نے میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ اُس نے مجھے کمزور کرنے کی خاطر کالی کا رُوپ دھار لیا، کلدیپ کی آتما پر پابندی لگ گئی، پہرے بٹھا دیئے گئے۔ پریتم لال کو آسمانوں پر طلب کر لیا گیا، گرو پرتاپ کو بھی میری مدد کرنے کے جرم میں کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ مرتے مرتے بھی وہ پریتم لال سے اپنی دوستی کا حق ادا کر گیا۔

کالی اور دُرگا ایک ہی چہرے کے دو رُوپ ہیں۔ جن قارئین کو ہندی دیو مالا پڑھنے کا موقع نہیں ملا وہ اُردو کی انسائیکلو پیڈیا اُٹھا کر دیکھ لیں جس میں بات پاربتی دیوی سے شروع ہوتی ہے جو اپنے پتی دیو شیو کے ساتھ ہمالیہ کی بلند چوٹی کیلاش پر رہتی ہے۔ پاربتی کا نام بھی پہاڑ (پربت) کی سکونت کے باعث ہی پڑا۔ پاربتی کی شکل میں بھی اُس کے دو رُوپ ہیں، ایک میں وہ بڑی رحم دل، حسین اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ اس رُوپ میں اسے ''اوما''، ''گوری'' اور ''بھوانی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے..... دوسرے روپ میں وہ انتہائی بھیانک، خوفناک، سیاہ فام، قاتل عورت بن جاتی ہے۔ اس رُوپ میں وہ ''دُرگا'' اور ''کالی مائی'' کہلاتی ہے۔ پاربتی کے کچھ اور نام ''بھیروی''، ''بھگوتی''، ''ایشوری''،

''گرجا''، ''رجیا'' اور ستی بھی ہیں۔ ہندو اس کی پوجا ''دُرگا'' کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ ''دُرگا پوجا'' کا تہوار بڑے دُھوم دھڑکے سے مناتے ہیں۔

مجھے دُرگا یا کالی کے اوصاف یا ان کی گوری کالی صورتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میرے پڑھنے والے گواہ ہیں کہ میں کئی بار کالی کے مندر میں گھس چکا ہوں، جو پنڈت پجاری، سادھو اور گیانی دھیانی میرے جنون کا شکار ہوئے وہ بھی منڈل میں دھونی رما کر انہی دیوی دیوتاؤں سے شکتی حاصل کرنے کی خاطر جاپ کرتے رہے تھے۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ ایک ایک کر کے سب میری وحشتوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اب صرف چندرا رہ گیا تھا جو میرے ہاتھ آ کر نکل گیا تھا۔ انکارانی جانتی تھی کہ کون میرے شکار کو میرے عتاب، میرے غضب کا نشانہ بننے سے بچا لے گیا۔ اُس نے مجھے بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا، کچھ مجبوریوں کے سبب وہ مجھے اس کا نام بتانے سے قاصر ہے۔ اُس نے آسمان پر خوفناک انسانی ہیولوں کو آپس میں گڈمڈ ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اُس کی وضاحت کرنے سے بھی قاصر تھی۔ میں جوش میں تھا اس لئے اُس کی باتوں کو غلط رنگ دے بیٹھا۔ مگر ہوا وہی جو اُس نے کہا تھا۔ سیاہ ذرات کا خوفناک بگولا طوفانی رفتار سے گردش کرتا ہوا نیچے آیا، میری آنکھیں جلنے لگیں، چندرا غائب ہو گیا..... اور اب میں بنگلور میں ایک ہوٹل کے آرام دہ بستر پر لیٹا چھت کو گھور رہا تھا، ذہنی جمناسٹک کر رہا تھا، خیالی گھوڑے دوڑا رہا تھا..... ان خیالوں کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ رات آئی، گزر گئی۔ میں سوائے اس کے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا کہ دُرگا نے ایک بار پھر میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی ہوگی۔ اُسی نے ہمالیہ پربت سے اپنے کسی سیوک کو سیاہ ذرات کے بگولے کے رُوپ میں بھیجا ہوگا جو میری بینائی متاثر کر کے چندرا کو بچا لے گیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میری وحشتیں پھر جنون کی سرحدوں کو چھو رہی تھیں جب میرے سر پر ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ یہ انکارانی کی آمد کی نشانی تھی۔ میں اُسے عالم تصور میں دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ خالی ہاتھ واپس نہیں آئی۔

''کیا ہوا جانِ جمیل.....؟'' میں نے وحشتوں کو جھٹک کر بڑے پیار سے اُسے مخاطب کیا۔ ''تمہاری آنکھوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

تم نے میرے دشمن کو پالیا ہے۔"

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میرے اختیار میں ہوتا تو میں اُسے لاکر تمہارے قدموں میں ڈال دیتی، لیکن وہ پھر منڈل کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے کالی مائی کے نام پر ایک خطرناک جاپ شروع کر دیا ہے۔"

"وہ ہے کہاں.....؟" میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"میسور کی پہاڑی پر....." وہ کسمسا کر بولی۔ "تمہیں ایک اور بات سن کر بھی تعجب ہوگا۔"

"وہ کیا.....؟" میرا اضطراب بڑھنے لگا۔

"اُس کا جو ہاتھ جل کر بھسم ہوگیا تھا، دوبارہ اپنی اصل حالت میں واپس آ گیا۔"

"اور کوئی خاص بات.....؟"

"ہاں....." انکا رانی نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا۔ "اب جب تمہارا اور چندرا کا آمنا سامنا ہوگا تو میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔"

"کیا مطلب.....؟" میں چونکا۔

"تم اُسے مارنے کے لئے دل کی جتنی چاہے بھڑاس نکال لینا۔"

"میں کیا سمجھوں؟" میں نے اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔ "کیا تم مجھ سے خفا ہو.....؟"

"یہ بات نہیں ہے....." اُس نے جلدی سے جواب دیا۔ "تم سے خفا ہو کر کہاں جاؤں گی.....اب ہمارا ساتھ کبھی ختم نہ ہوگا۔"

"تم نے پھر معمے میں گفتگو شروع کر دی؟"

"تھوڑا سا انتظار اور کرلو جمیل، ہر بات تمہیں معلوم ہو جائے گی۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا، پھر موضوع بدل کر بولی۔ "جمیل۔ تم نے جھرنا کے سلسلے میں جو وعدہ کیا تھا وہ یاد ہے نا.....؟" اُس کی آواز بھرانے لگی۔ "تم نے کہا تھا کہ تم میرے لئے کوئی دوسری جھرنا لا دو گے.....اس سے بھی بہتر۔"

"ہاں....." میں نے سٹپٹا کر اُس کا دل رکھنے کو کہا۔ "مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔"

"کیا ایک انسان کسی دوسرے کا نعم البدل بھی ہو سکتا ہے.....؟" انکا رانی کی خوبصورت آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"ہاں....." میں نے اُسے دلاسا دینے کی خاطر کہا۔ "اگر خاصیتیں ملتی جلتی ہوں، جذبوں میں صداقت ہو، انسان آپس میں سچے دل سے سمجھوتہ کر لے، افہام وتفہیم سے کام لیا جائے، دلوں میں گنجائش پیدا کر لی جائے تو ہر بات ممکن ہے....." میں نے اپنا جملہ مکمل کر کے گفتگو کا رُخ بدل دیا۔ "ہم میسور کب چلیں گے.....؟"

"جب تم حکم دو....." وہ آنکھوں کے راستے میرے دل میں اُترنے لگی۔

اور میں اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا.....!!

میں نے میسور کی پہاڑیوں پر قدم رکھا تو کلدیپ کی یاد نے مجھے ڈسنا شروع کر دیا..... مجھے ماضی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ زخم پر جمی کھرنڈ منہ کھولنے لگی۔ میں نے طے کر لیا کہ چندرا کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد میں پریتم لال کی اس کٹیا پر بھی ضرور جاؤں گا جہاں کلدیپ نے میری خاطر پوری جوانی بتا دی تھی۔ میرے لئے اس سے زیادہ پُرسکون جگہ، راحت بخش ٹھکانا اور کون سا ہو سکتا تھا.....؟

میسور کی پہاڑیوں کے راستے میری آنکھوں میں بسے تھے، ایک ایک پگڈنڈی میری دیکھی بھالی تھی۔ میرا ماضی میرے ذہن میں کروٹیں لے رہا تھا۔ انکارانی بھی اُداس نظر آ رہی تھی۔ چار روز کی تھکن آمیز مسافت طے کرنے کے بعد میں اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں میری اور مالا رانی کی ملاقات ہوئی تھی۔ میں درختوں سے گزر کر اُسی جھرنے کے قریب پہنچ گیا جہاں پہلی بار میں نے مالا رانی کو سرتا پا عریاں نہاتے دیکھا تھا۔ وہ اس علاقے میں پریتم لال کے ساتھ برسوں سے رہتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں دُور دُور تک کوئی دوسرا آدم زاد نہیں ہوگا۔ لیکن میری گناہ گار نظروں کو اس ہوشربا منظر کو دیکھنے کا اتفاق ہو گیا۔ آپ واقف ہیں، یہی اتفاق میری اور پریتم لال کی ملاقات کا سبب بنا تھا۔ اسی اتفاق نے میری کلدیپ کو مجھ سے چھین لیا تھا۔ اُس نے میری خاطر پریتم لال کی کٹیا میں آسن جما لیا۔ جب تک زندہ رہی، میری خاطر دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرتی رہی۔ پھر امرلال کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد خود بھی امر ہو گئی۔

میں تا دیر اُس جھرنے کے کنارے کھڑا اپنے ماضی میں گم رہا۔ بڑی دیر گزر جانے کے بعد انکارانی نے مجھے مخاطب کیا۔

''تم یہاں رُک کیوں گئے جمیل.....؟ رُکے ہو تو اپنی پیاس بھی بجھا لو۔ اتنا میٹھا اور ٹھنڈا پانی تمہیں پورے میسور میں کہیں اور نصیب نہیں ہوگا۔''

''میری پیاس اب چندرا کے خون سے ہی بجھے گی۔''

''وہ جہاں بیٹھا جاپ کر رہا ہے وہ جگہ یہاں سے دُور نہیں ہے۔''

''مجھے وہاں لے چلو۔'' میں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

انکارانی میری رہنمائی کرنے لگی۔ مجھے پُر پیچ اور مسطح چٹانوں پر قدم جما کر چلنا پڑا۔ ایک ذرا سی غفلت مجھے میلوں نیچے کسی کھڈ میں گرا سکتی تھی۔ تین چار گھنٹے متواتر چلنے کے بعد مجھے چٹان کے اوپر ایک اور چٹان آسمان کی طرح جھکی ہوئی نظر آئی۔ دونوں کے درمیان اونچائی اتنی نہیں تھی کہ میں کھڑے کھڑے آرام سے چل سکتا۔ مجھے مزید احتیاط برتنی پڑی۔ سر جھکا کر چلنا پڑا۔ رفتار میں کمی آ گئی۔ لیکن میں بالآخر اُس غار تک پہنچ گیا جہاں سورج کی روشنی بھی موجود تھی۔ شاید غار کے عقبی دہانے پر کوئی جگہ ایسی خالی تھی جہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ غار خاصا کشادہ تھا۔ اوپری چٹان بھی بلندی پر تھی۔

میں نے چندرا کو دیکھا جو کمر اکڑائے تنا بیٹھا مدھم آواز میں کسی منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ پر نہیں چونکا۔ کالی کے جاپ میں بہت زیادہ منہمک معلوم ہوتا تھا۔

''جمیل.....'' انکارانی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، آج میں تمہارے اور چندرا کے بیچ کوئی دخل نہیں دُوں گی۔ تم اپنے دل کی تمام حسرتیں پوری کر لینا۔''

میں نے اُسے غور سے دیکھا، وہ ناراض نہیں تھی۔ میں نے دو قدم آگے بڑھ کر چندرا کو للکارا۔

''بہت گڑگڑا چکا پاپی، اب کالی کا پیچھا چھوڑ دے۔ آج اس کی شکتی تیرے کسی کام نہیں آئے گی۔ پتھر کی مورتی میں جان ہوتی تو پنڈی پجاری اس کے چرنوں میں تھال سجا سجا کر کبھی نہ پیش کرتے۔ یہ سارے چڑھاوے تمہارے پروہتوں، پنڈتوں اور پجارنوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ تمہارے گیانی دھیانی پنڈتوں نے اچھا ڈھونگ رچایا ہے۔ ادھر کوئی دھرمی عقیدت سے تھال اور ہار پھول رکھ کر ہٹا، اُدھر تمہارے پجاری اس کو چٹ کر جاتے ہیں۔ ہار پھول دیوداسیوں کے گلے میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ان کے بدن اور مہک اُٹھتے ہیں.....'' میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''میں غلط تو نہیں کہہ رہا سور کے تخم، یہ باتیں تجھے تیرے پنڈت اور پجاری کبھی نہ بتائیں گے۔ تو جان کر کرے گا بھی کیا، تیرا سمے آ

چکا ہے۔''

چندرا نے آنکھیں کھول دیں، سرخ سرخ نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ شاید اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں اتنی جلدی دوبارہ موت بن کر اُس کے سر پر سوار ہو جاؤں گا۔ اُس کی آنکھیں سیّد کی لاٹھی پر بار بار اُٹھ رہی تھیں جس نے دو بار اُس کے منڈل کو توڑ دیا تھا۔

''کیا دیکھ رہا ہے بالک، میں وہی ہوں جسے تو جُل دے کر بھاگ نکلا تھا۔ سیاہ ذرات کے بگولے نے تیری جان بچالی تھی، تجھے چار پانچ روز سانس لینے کا موقع اور مل گیا..... آج ایسا نہیں ہوگا۔ سن رہا ہے متھرا کے پیڑے، مگدھ کے لڈو.....؟''

''تو دیوانہ ہو گیا ہے، گھمنڈی بن گیا ہے۔'' چندرا نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''بڑی دُور سے چل کر آیا ہے، جا..... جا کر اشنان کر لے، کچھ کھا پی لے۔ تیرے چہرے پر جو گرد اور گندجمی ہے اسے دُور کر لے، پھر آجانا..... آج میں تجھے ایسا پاٹھ پڑھاؤں گا جسے تیری آتما بھی کبھی نہیں بھولے گی۔''

''ایک اجازت اور دے دے بالک.....'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''بول.....'' وہ میرا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اُس کی گردن اکڑ گئی۔

''تو کہے تو پھول چن لوں.....؟''

''کہاں ہیں پھول.....؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔

''تیرے منہ سے جھڑ رہے ہیں.....'' میں نے مسکرا کر کہا تو وہ تلملانے لگا۔

''پھر اونچا اُڑنے لگا.....؟'' اُس نے خود کو سنبھال کر جواب دیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو مضبوطی سے تھام کر کہا۔

''چندرا..... میں تجھے ایک موقع دے رہا ہوں، کوئی آخری خواہش ہو تو بتا دے۔ میں نے لاٹھی گھما دی تو پھر تجھے موقع نہیں ملے گا۔''

چندرا نے منڈل کے اندر بیٹھے بیٹھے پھونک ماری۔ تیز دھار برچھیاں ہوا میں لہراتی ہوئی میری سمت لپکیں..... کوئی اور ہوتا تو اُبلی ہوئی شکر قندی کی طرح ایک ہی ہلے میں کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا۔ میں اس قسم کے ہزاروں کھیل تماشے دیکھ چکا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی سامنے کر لی۔ برچھیوں کی شکل میں نمودار ہونے والے بیر بھیانک چیخ مار کر غائب ہو گئے۔ میں نے چندرا کو للکارنے سے پیشتر ارتکاز اور مراقبے کے عمل کے علاوہ حصار بھی

باندھ لیا۔ چندرا نے دوسرا وار کیا۔ اس بار جہاں میں کھڑا تھا وہاں اوپر سے انگارے برسنے شروع ہو گئے۔ میرے حصار سے ٹکرا کر وہ بھی راکھ ہو گئے۔ میں نے ایک اُنگلی اُٹھا کر جھٹکی، گرم راکھ اُڑ کر تیزی سے چندرا کی سمت لپکی۔ وہ گھبرا گیا۔ میں نے ہنس کر کہا۔

''ابھی تو نادان ہے بالک اتنی جلدی بھول گیا کہ تو نے بھی منڈل کھینچ رکھا ہے۔'' میں نے زہر خند سے پوچھا۔ ''بدھی سے کام لینا کب سیکھے گا.....؟''

وہ ایک لمحے کو خفیف ہوا، پھر اُس نے دونوں ہاتھ بلند کیے تو بادلوں کی چنگھاڑ شروع ہو گئی۔ میری نگاہوں کے سامنے چٹان کا ایک حصہ شق ہوا، اُس میں سے بھاپ کے ساتھ کھولتا ہوا پانی اتنی تیزی سے اُبل کر میری طرف آیا کہ میں بھی گھبرا گیا۔ انکارانی نے بروقت یاد نہ دلایا ہوتا تو شاید میں بوکھلا کر حصار سے باہر نکل گیا ہوتا۔ چندرا کی آواز چٹانوں میں گونجی۔

''تو بھی ڈر گیا نا..... بڑا مرد بن رہا تھا۔''

''ہاں بالک..... میں انکار نہیں کروں گا۔'' میں نے مردانگی سے اُس کی بات قبول کر لی۔ ''میں بھول گیا تھا کہ تو کس حرامزادے کی اولاد ہے۔ کالی مائی کے علاوہ اُس نے بھی تجھے بہت کچھ دان کیا ہوگا..... اب ایسا نہیں ہوگا۔ تیری جھولی میں جتنی آتش بازی، جتنے پٹاخے اور ہیں انہیں بھی پھوڑ ڈال۔ تو تھک جائے گا تو میں تجھے لاٹھی کا کمال دکھاؤں گا .....نرک میں جا کر اپنے پتا کو بھی بتا دینا کہ تو نے کیسے کیسے اچنبھے دیکھے ہیں۔''

میں نے لاٹھی کو ذرا سا گھمایا تو چندرا کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اُس نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا، پھر اُس نے ایک ایک کر کے اپنے ترکش کے سارے تیر آزما لئے۔ کبھی خوفناک درندے زمین سے اُبل اُبل کر میری طرف چھلانگیں مارتے، کبھی کوڑیالے سانپوں کی فصل اُگ آتی، کبھی گاڑھے گاڑھے خون کی بارش ہونے لگتی، حشرات الارض بلبلاتے ہوئے میری جانب لپکتے، کبھی گھپ اندھیرا طاری ہو جاتا، بجلیاں زور زور سے کڑکنے لگتیں۔ میں سب کچھ دیکھتا رہا۔ میں حصار کے اندر محفوظ تھا۔ میں بخل سے کام نہیں لوں گا، میں تسلیم کروں گا کہ چندرا نے وندھیا چل کی برفانی گپھاؤں میں بیٹھ کر اپنا وقت نہیں ضائع کیا تھا۔ اُس نے بدری نرائن سے زیادہ شکتیاں حاصل کی تھیں۔ جگدیو زندہ ہوتا تو وہ بھی چندرا کو گلے لگا کر تھپکیاں دیتا، گرو پرتاپ بھی ششدر رہ جاتا، نول کشور کو خبر

ہوتی تو وہ اُسے ساتھ ہی رکھتا، خود سے علیحدہ نہ کرتا۔

بہر حال میری جگہ کوئی اور کھڑا ہوتا تو اُس کے قدم نہ جانے کب کے اپنی جگہ سے اُکھڑ چکے ہوتے۔ لیکن وہ میری تبت میں گزاری ہوئی زندگی سے ناواقف تھا۔ اُسے کمپالا اور نندا کی پراسرار قوتوں کے بارے میں بھی کوئی علم نہیں تھا۔ اُس نے میرا حصار توڑنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ میں انکار نہیں کروں گا کہ مجھے بھی دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ سیّد کی متبرک لاٹھی نہ ہوتی، انکارانی بار بار مجھے نہ ہشکارتی تو گھبرا کر حصار سے باہر آ جاتا۔ بدری نرائن سے آخری معرکہ سر کرتے وقت چندرا کے باپ امر لال نے ایک بار مجھے دھوکہ دے کر حصار سے باہر کھینچ لیا تھا۔ اُس وقت کلدیپ میرے برابر نہ کھڑی ہوتی تو شاید بازی اُسی روز پلٹ جاتی۔

چندرا تھک ہار کر ہانپنے لگا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پھر بار بار آسمان کی طرف نظریں اُٹھا رہا تھا۔

''انکارانی.....'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''یہ بار بار اوپر کیا دیکھنے لگتا ہے؟ کیا پھر سیاہ ذرات کا لوئی بگولا نیچے اُترنے والا ہے؟''

''نہیں.....آج ایسا نہیں ہوگا۔ لیکن.....'' انکا کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔

''تم چپ کیوں ہوگئیں.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ ''کیا بات ہے.....؟''

''چندرا کسی کی مدد کا انتظار کر رہا ہے۔''

''کون آئے گا اس کی مدد کرنے.....؟'' میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''کون باقی رہ گیا ہے جسے جمیل احمد خاں کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے؟ کس کو اپنی زندگی عزیز نہیں ہے؟ تم.....تم کہیں دیوی دیوتاؤں کی نادیدہ شکتیوں کی بات تو نہیں کر رہیں.....؟''

''نہیں.....'' وہ کسمسا کر بولی۔ ''چندرا اس وقت اپنے باپ کو یاد کر رہا ہے۔''

''اوہ.....امر لال.....'' میرے اندر جنون سر مارنے لگا۔ ''وہ امر لال جسے میری کلدیپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا.....؟ غور سے دیکھو انکارانی، وہ امر لال نہیں، اُس کی بے چین رُوح ہوگی جو چندرا کو میرے سامنے دیکھ کر بلبلا رہی ہوگی.....اچھا ہے، آنے دو اُسے۔ میں آج اُس کی آتما کو بھی شانت کر دُوں گا۔ دھرتی سے اس کے سمبندھ توڑ دُوں گا.....خاک میں ملا دُوں گا۔''

پھر میں نے چندرا کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اپنے جہنم نصیب باپ کی آتما کا انتظار کر رہا ہے.....؟ تیرے پلے میں کچھ نہیں رہ گیا.....؟''

''جمیل احمد خاں.....'' چندرا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میرے پتا کی شان میں کوئی غلط شبد زبان سے نہ نکالنا۔ وہ مہان تھا، دھرتی پر اُس کے مقابلے کا کوئی دوسرا پنڈت نہیں گزرا۔ کالی اُسے پسند کرتی تھی۔ تیری سندری نے اپنا جیون داؤ پر نہ لگا دیا ہوتا تو دیوی اس کی سہائتا کبھی نہ کرتی۔ اب بات کچھ اور ہے۔ تیری سندری کے ہاتھ پیر جکڑ دیئے گئے ہیں، اس کی آتما کو قید کر دیا گیا ہے۔ میرے پتا کو آج بھی دیویوں کا آشیرواد حاصل ہے۔ اس کی آتما آ گئی تو تیری بولتی بھی بند ہو جائے گی۔''

''پھر سپنے دیکھنے لگا؟'' میں نے حقارت سے زمین پر تھوک دیا۔

انکارانی خاموش بیٹھی تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اُس نے مجھے بازی جلدی نمٹانے کی بات نہیں کی۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ چندرا کو جکڑ دُوں، ایک ہی وقت میں چندرا اور امر لال کی آتما کا مقابلہ مہنگا پڑ سکتا تھا۔ وہ کسی رُوپ میں آتا تو اور بات تھی۔ میں نے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں دیر نہیں کی۔ سیّد کی لاٹھی گھما کر منڈل کی طرف اُچھال دی۔ کالی کے نام پر کھینچا گیا منڈل بھی ٹوٹ گیا۔ چندرا بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔ اُس کی نظریں پھر آسمان کی جانب اُٹھیں۔ میں نے شہادت کی اُنگلی اُٹھا کر دائرے کی شکل میں گھمانی شروع کی۔ چندرا ڈوریوں اور رسیوں میں جکڑا گیا۔ وہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے قاصر تھا۔ اُس کی نگاہوں سے مایوسیاں اُبلنے لگیں.....میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا لی۔ چندرا کو گھور کر حقارت سے کہا۔

''چنتا مت کر ولد الحرام، میں اتنی جلدی تجھے اوپر نہیں بھیجوں گا۔ امر لال کی آتما کو بھی نیچے آ لینے دے، آج فیصلہ ہو جائے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں روز روز کی بک بک جھک جھک سے تنگ آ گیا ہوں.....''

میرا جملہ مکمل ہوا تو چٹانیں اس طرح لرزنے لگیں جیسے زلزلہ آ گیا ہو.....میں گھبرا گیا۔

''حصار سے باہر قدم نہ نکالنا جمیل۔'' انکارانی نے تیزی سے کہا۔ ''امر لال کی آتما نیچے آ گئی ہے۔ تم جسے زلزلہ سمجھ رہے ہو وہ اُسی کے جنتر منتر کا چمتکار ہے۔''

''امر لال.....'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''اپنی آتما کو کوئی رُوپ دے کر سامنے آ جا۔ چوروں کی طرح چھپ کر وار کرنا تجھے شوبھا نہیں دیتا۔ کالی اور دُرگا کے نام کو بٹا لگ جائے

گا..... میری بات سن رہا ہے.....؟''

''ہاں..... میں آ گیا ہوں پاپی.....'' چندرا کی زبان سے امر لال کی آواز اُبھری۔

''آج تجھے دھرتی کی کوئی شکتی امر لال کی آتما کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ تیرے جیون کے دن گنے چنے رہ گئے ہیں.....''

''کس دھرتی کی بات کر رہے ہو مہاراج؟'' میں زہر خند سے بولا۔ ''اُس دھرتی کی جس پر چندرا رسیوں میں جکڑا کھڑا ہے؟ کچھ لاج کرو امر لال، جب تم زندہ تھے تو اپنی دھرم پتنی کے شریر میں گھسے رہتے تھے، آج چندرا کا شریر تمہیں بھا گیا۔''

جواب میں چندرا نے پھریری لی۔ اُس کے جسم کی ڈوریاں کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ گئیں۔ میں سمجھ گیا امر لال کی آتما نے کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے سنبھل کر وار کیا، چندرا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اُس پر نظر جما دی، نندا کے ایک عمل کو آزمایا، وہ لڑھکتا ہوا میرے حصار تک آ گیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر اُس کے سر پر ماری..... اُس کا پورا جسم شعلوں میں گھر گیا۔ اُس کے حلق سے نکلنے والی کربناک چیخوں کی آوازیں چٹانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگیں۔ وہ جل کر راکھ ہو گیا..... چٹانیں پھر زلزلے کی کیفیت سے دوچار ہو گئیں۔ امر لال بلبلا اُٹھا ہو گا۔

''مبارک ہو جمیل.....'' انکارانی میرے سر پر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ ''چندرا ختم ہو گیا۔ اُس کی آتما بھی فنا ہو گئی۔ اُس نے یہی کہا تھا.....''

''کس نے کہا تھا.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ لیکن اُس کے جواب دینے سے پیشتر میری نظروں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ چندرا کے جسم کی راکھ نے پھیل کر پھر انسانی خاکے کی لکیریں بنانا شروع کر دیں..... اس خاکے سے اعضاء ترتیب پانے لگے ..... میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اعضاء نے مکمل ہو کر دوبارہ چندرا کی شکل اختیار کر لی۔ وہ اکڑی ہوئی لاش نظر آ رہا تھا۔ پھر میری سانس سینے میں رُکنے لگی..... چندرا کی اکڑی ہوئی لاش میں تیزی سے زندگی کے آثار نظر آنے لگے..... اُس کے سینے نے دھڑکنا شروع کیا، اُس کے ہاتھ پیر آہستہ آہستہ متحرک نظر آئے۔ اُس کی آنکھیں کھلیں تو حلقوں کے درمیان دو دہکتے انگارے نظر آئے۔ پھر وہ پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوا..... میری جگہ کوئی کمزور دل آدمی ہوتا تو اُس کی رُوح فنا ہو جاتی، ہارٹ فیل ہو جاتا،

قدموں پر کھڑے رہنے کی بجائے دھڑام سے چٹان پر اوندھے منہ گر جاتا۔ لیکن میں جما کھڑا رہا۔ اس قسم کے مناظر سائنس فکشن پر بننے والی فلموں میں عام نظر آتے ہیں، وہ سب کیمرہ ٹرک کا کمال ہوتا ہے، شعبدے بازی ہوتی ہے، ایڈیٹنگ اور پروسیسنگ کا کمال ہوتا ہے۔ تماش بینوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں جب وہ کسی سر کٹے انسان کو خود اپنا سر ہاتھ میں اُٹھائے چلتے پھرتے دیکھتے ہیں، کچھ بے ہوش ہو جاتے ہیں، بعض کمزور دل آنکھیں بند کر لیتے ہیں، کچھ اُٹھ کر سینما ہال سے باہر نکل جاتے ہیں۔ لیکن میں کوئی فلم نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ ایک ناقابل یقین حقیقت تھی۔ اس سے پیشتر میری نظروں نے اتنا خوفناک، دل ہلا دینے والا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ امر لال کی آتما کا کمال ہے جمیل۔'' انکا نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''اُس نے چندرا کے شریر پر قبضہ کر لیا۔ کالی اور دُرگا مل کر اس کی مدد کر رہی ہیں۔ کالی قوتیں امر لال کی آتما کے گرد جمع ہو رہی ہیں.....''

میں نے کچھ عمل پڑھ کر اپنے حصار کو مضبوط کر لیا۔ سیّد کی لاٹھی کی موجودگی میں مجھے کوئی خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ انکارانی نے مجھے پھر تلقین کی تھی کہ حصار سے باہر نہ نکلوں۔ امر لال کی آتما چندرا کو مرتا دیکھ کر پاگل ہوئی تھی۔ اُسے بھی یقین نہیں رہا ہو گا کہ میں چندرا کو اتنی آسانی سے مار لوں گا۔

''پاپی..... دشٹ..... ہتیارے..... تو نے چندرا کو مار کر اپنی موت کو آواز دی ہے۔'' امر لال کی آواز چٹانوں میں گونجتی ہوئی اُبھری۔ اُس کی آواز میں کرب اور اذیتوں کے علاوہ حقارت اور انتقام کے جذبے بھی مچل رہے تھے۔ مجھے تعجب نہیں ہوا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میری بھی وہی کیفیت ہوتی۔

''تم غلطی پر ہو امر لال.....'' میں نے تلملا کر کہا۔ ''چندرا کو میں نے نہیں، پنڈت نول کشور نے ہتکارا تھا۔ وہ گڑے مُردے اُکھاڑنے کی خاطر خود اپنی موت کے دن گن رہا تھا۔ بات وہیں ختم ہو گئی تھی جہاں کلدیپ اور تمہارے درمیان طاقت کا فیصلہ ہوا تھا۔ تمہاری کالی نے اُس کی بھینٹ سویکار کر لی، بات برابر ہو گئی تھی۔ اگر تم مہان شکتی کے مالک ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں لندن کیوں گیا تھا؟ پنڈت نول کشور نے اپنی دُکان چمکانے کے لئے بدری نرائن اور تمہارے نام کو استعمال کیا۔ پنڈت پجاریوں کے دلوں میں

نفرت کے بیج بھی اُسی نے بوئے تھے، چندرا بھی اُس کے بہکاوے میں آ گیا اور تم..... تم نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ کیا تمہیں میری شکتی اور حالات کا علم نہیں تھا.....؟''

''شکتی کی بات مت کر پاپی.....'' وہ بل کھانے لگا۔ ''جب میں نے تیری سندری پر وار کیا تھا اُس سے تو بھی وہاں موجود تھا۔ یاد ہے تجھے، اُس کے جسم میں کتنی سوئیاں چبھ گئی تھیں، میں نے تیرے سامنے اُسے ننگا کر دیا تھا۔ اُس کے اُجلے شریر کو سیاہ کر دیا، اُس کے پورے بدن پر آبلے اُبھر آئے تھے، اُس کا چہرہ بھیانک کر دیا تھا، وہ کشٹ کی حالت سے دوچار تھی، مجھے بعد میں خبر ملی کہ وہ دیوی کو اپنی بھینٹ کا وچن دے چکی ہے۔ میں مندر کی اور اسی کارن دوڑا تھا کہ دیوی کو راضی کر لوں، مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اپنی بھینٹ پیش کر دیتا، تیری سندری کی ایک نہ چلتی۔ میں اُس کے ساتھ تجھے بھی نرک میں جھونک دیتا۔ بدری نرائن بھی نہ مرتا، چندرا کو تیرے منہ لگنے کی ضرورت بھی نہ پیش آتی.....''

''تو بکواس کر رہا ہے.....'' میں نے غضب ناک لہجے میں جواب دیا۔ ''میری کلدیپ نے تجھے درمیان سے ہٹ جانے کو کہا تھا، تو نے اُس کی بات نہیں مانی، تجھے شکتی آزمانے کی دعوت بھی اُسی نے دی تھی۔ وہ پہل کر دیتی تو تجھے چمتکار دکھانے کا موقع کبھی نہ ملتا۔ تو نے جو کچھ کیا، مجھے یاد ہے..... تجھے بھی یاد ہو گا کہ اُس نے تجھے کئی موقعے دیئے تھے، جوابی حملہ کرنے سے پہلے بھی اُس نے تجھ سے اجازت لی تھی، پھر ایک پل میں وہ اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ اُس نے صرف اپنا لرزتا ہاتھ اُٹھایا تھا، تو بلبلا اُٹھا، تیرے شریر سے خون اُبلنے لگا، جان بچانے کی خاطر تو مندر کی طرف بھاگا تھا۔ اُس نے اُنگلی گھما دی، تیرے شریر کے ٹکڑے ہو گئے۔ اب وہ نہیں رہی تو شیخی بگھار کر مہان بننے کی کوشش کر رہا ہے۔''

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ میں غصے سے لرز رہا تھا۔ ''یاد ہے تجھے کمینے؟ میں اُس وقت بھی تجھ سے بھڑ گیا تھا۔ میں نے تیری ہڈیاں چبا ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کلدیپ کو دُعا دے بڑبولے، اُسی نے مجھے راستے سے ہٹنے کو کہا تھا، ورنہ میں بدری نرائن کی طرح تجھے بھی لتھاڑ لتھاڑ کر مارتا۔''

امرلال، چندرا کے رُوپ میں سامنے کھڑا تھا۔ اُس کی دہکتی ہوئی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میں نے سیّد کی لاٹھی پر اپنی گرفت مضبوط کی لیکن مجھے حملہ کرنے کی مہلت نہیں ملی۔ امرلال اُچھل کر دُور چلا گیا۔ اُس کی نظریں اب لاٹھی کو گھور رہی تھیں۔ پریتم لال کی

طرح وہ بھی اُس کی کرامتوں کا راز جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پتلیوں کو جنبش دی، امرلال چکرا کر زمین پر گرا۔ اُس نے اُٹھنے کی بجائے جوابی حملہ کیا، میرا حصار ٹوٹ گیا۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آخری معرکے کے وقت بھی اُس نے میرے حصار کو توڑنے کی خاطر اپنے سارے جنتر منتر آزما لئے تھے، اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی..... پھر، وہ آج کس طرح کامیاب ہو گیا تھا؟ مجھے سکتے کی کیفیت سے دوچار دیکھ کر وہ بھی حیرت سے پلکیں جھپکاتا ہوا تیزی سے اُٹھا، اُس نے اپنے سر کو تیزی سے جھٹکا، میں قلابازیاں کھانے لگا۔ موت کا تصور میری پلکوں تلے گھوم گیا جب یکلخت کسی نادیدہ قوت نے مجھے چٹان سے ٹکرانے سے بچا لیا..... میں نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ امرلال نے ہاتھ فضا میں بلند کئے، لیکن ہاتھ کے ساتھ وہ خود بھی اُوپر اُٹھتا چلا گیا۔ دونوں چٹانوں کے بیچ فضا میں معلق ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف کے تاثرات اُبھر آئے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُلٹا پاؤں زمین پر مارا، آگ کے شعلے بلند ہو کر امرلال کی طرف لپکے، وہ ہوا میں پتنگ کی طرح تیرتا ہوا ایک طرف ہو گیا۔ میں نے دوسرا وار کیا، وہ لہرا کر دوسری طرف نکل گیا۔ میں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ وہ پتنگ کی طرح فضا میں اِدھر اُدھر لہراتا رہا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ امرلال کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ مجھے تعجب تھا کہ اُس نے پلٹ کر ایک بار بھی میرے حملے کا جواب نہیں دیا..... انکارانی میرے سر پر سہمی بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

''یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے.....؟'' میں نے انکارانی سے دریافت کیا۔

''ڈور تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے جمیل۔'' اُس نے بڑی مدھم آواز میں سرگوشی کی۔ ''جس کے ہاتھ میں ہے، وہی پیچ لڑا رہا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تم کس کی بات کر رہی ہو.....؟''

انکا کوئی جواب نہ دے سکی، امرلال فضا میں بلند ہو کر چٹان سے ٹکرایا۔ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اُس کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں ہوئی، سر پھٹنے کے بعد وہ پہلے لہراتا ہوا دائیں جانب کی چٹان سے ٹکرایا، اُس کے اعضاء ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہو رہے تھے۔ اچانک وہ اوپر کی جانب بلند ہوا، قلابازی کھا کر پلٹا، پھر بڑی تیزی سے سر کے بل سے نیچے آ کر فرش سے ٹکرایا۔ اُس کے جسم کو آگ لگ گئی۔ وہ جل بھن کر راکھ ہو گیا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا

آیا، اُس کی راکھ کو اُڑا لے گیا۔ میں نے انکارانی پر نظر ڈالی، وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی، جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ میں نے اُسے اتنا خوفزدہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''تمہیں کیا ہوگیا.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''پیچ ختم ہوگیا..... کنکوا (پتنگ) کٹ گیا.....'' وہ سیّد مجذوب کی آواز تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، وہ ایک طرف چٹان سے لگا بیٹھا اس طرح دونوں ہاتھ چلا رہا تھا جیسے چرخی پر ڈور لپیٹ رہا ہو..... بات میری سمجھ میں آ گئی۔ امرلال کی آتما کالی طاقتوں کے ساتھ مجھے گھیرنے آئی تو وہ میرے بچاؤ کو آ گیا..... وہی پیچ ختم ہو جانے کے بعد ڈور لپیٹ رہا تھا۔ انکارانی کا اشارہ اُسی کی طرف تھا، اُسی کی وجہ سے وہ سہمی سہمی نظر آ رہی تھی۔ سیّد نے کھیل ختم کرنے کی ٹھان لی ہوگی۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ درمیان میں کبھی نہ آتا۔ میرا دل بھر آیا۔

''اب تو میری اُنگلی پکڑ لو سیّد.....'' میں نے التجا کی۔ ''مجھے کوئی ٹھکانا بتا دو جہاں میں سکون سے بیٹھ سکوں۔''

''جا کر نہا لے..... گند صاف ہو جائے تو اوپر کی طرف دوڑ لگا دینا.....'' سیّد نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ ''پودنی کے کہنے پر ٹھمکے مت لگانا..... دمادم مست قلندر کیا کر۔''

میں اُس کی طرف لپکا، وہ پھر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ انکارانی کی سانس بحال ہوگئی۔ اُس نے سکون کا سانس لیا۔ میں بڑی دیر تک اسی جگہ کھڑا حالات پر غور کرتا رہا۔ انکارانی پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔ مگر اب بھی گم صم نظر آ رہی تھی۔ سیّد کے آخری جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میں تھکے تھکے انداز میں قدم اُٹھاتا غار سے باہر آ گیا۔ میری رفتار سست تھی، ذہن میں سائیں سائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں، ہنگامے ختم ہو جائیں تو اسی قسم کی صدائیں تعاقب شروع کر دیتی ہیں۔ میں مضمحل انداز میں اپنی تھکی ماندی زندگی کو قدموں پر گھسیٹتا پھر اُسی جھرنے پر پہنچ گیا۔ انکارانی میرے سر سے اُتر گئی۔ وہ میرا ارادہ بھانپ چکی تھی۔ میں نے ایک کنج میں جا کر لباس اُتارا، اُوپر سے گرتے جھرنے کے نیچے جا کر کھڑا ہوگیا۔ ٹھنڈا پانی جسم پر پڑا تو ذہن پر طاری کسلمندی دُور ہونے لگی۔ میں نے رگڑ رگڑ کے جسم سے سارا میل دُور کیا۔ کسی جھرنے کے پانی سے نہانے کا پہلا اتفاق تھا۔ میں دیر تک غسل کرتا رہا۔ پھر میں نے خود کو ایک پتھر سے ٹکا دیا۔ پہاڑوں پر جھرنے سے نہانے والے تولیہ نہیں استعمال کرتے، دُھوپ کی خوشگوار گرمی اور ہوا کے مست جھونکوں سے جسم

خشک کرتے ہیں۔ کچھ دیر بعد میں تازہ دم ہوگیا۔ میں لباس زیب تن کر کے کنج سے باہر آیا تو انکارانی دوبارہ سر پر آ گئی۔ اُس کے گلابی ہونٹوں پر زندگی کے اثرات واپس آ رہے تھے۔ میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

''تم لباس اُتارتے وقت میرے سر سے اُتر کیوں گئی تھیں؟ پہلے تو تم بڑی ڈھیٹ ہوا کرتی تھیں۔''

''وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو بدلتے رہنا چاہئے.....'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''اب کیا ارادے ہیں.....؟''

''یہاں تک آیا ہوں تو ایک نظر کلدیپ کی کٹیا پر بھی ڈالتا چلوں۔'' کلدیپ کی یاد آئی تو میں پھر اُداس ہوگیا۔

''کیا سوچنے لگے.....؟''

''اب تھک گیا ہوں۔ کہیں آرام سے بیٹھنا چاہتا ہوں۔''

''کلدیپ اور پریتم لال کے استھان سے زیادہ اور کون سی پُرسکون جگہ ہوگی؟''

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ ''میرے دشمن مجھے کبھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ بار بار ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے رہیں گے۔''

میں انکارانی سے باتیں کرتا اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں کلدیپ رہا کرتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جگہ اب ویران ہوگئی ہوگی۔ اُجاڑ اُجاڑ محسوس ہوگی۔ لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ وہ علاقہ اب بھی سرسبز و شاداب تھا جیسا پریتم لال کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ وہ کٹیا بھی اصلی حالت میں تھی جس میں، میں نے اُسے آخری بار دیکھا تھا۔ لیکن اب کچھ اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کے سامنے سبزے پر دونوں اطراف پھول دار درخت بڑے سلیقے سے لگے نظر آ رہے تھے۔ میں قدم قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں کسک تھی، بیتے دنوں کی یاد مجھے تڑپا رہی تھی جب میں نے کلدیپ کو دیکھا۔ وہ اچانک اپنے حسن کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ میرے سامنے آ گئی تھی۔ میرے دل کے آنگن میں جیسے بہار آ گئی ہو۔ انکا میرے سر سے نہیں اُتری۔

''کلدیپ..... تم.....؟'' میں نے اُسے ڈرتے ڈرتے مخاطب کیا۔

''ہاں جمیل..... تم برسوں بعد آئے ہو، میں تمہارے قدموں کی آہٹ سن کر کٹیا سے

باہر آ گئی۔ تمہارا سواگت کرنا تو میرا دھرم ہے.....'' اُس کے لہجے میں محبت کی چاشنی گھل گئی۔ ''اب تم یہیں رہنے کی ٹھان لو واپس پلٹ کر مت دیکھنا۔ بلندیوں پر رہنے کی عادت پڑ جائے گی تو تم خود بھی نیچے کی طرف رُخ نہیں کرو گے.....''

''اور اگر تم نے پھر ساتھ چھوڑ دیا.....؟'' میں نے تڑپ کر پوچھا۔

''میں تم سے دُور کب ہوئی تھی.....؟'' اُس کا انداز دلربانہ تھا۔ ''اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھو، میں اب بھی تمہارے دل کی ایک ایک دھڑکن میں موجود ہوں، ہمیشہ رہوں گی۔ وہی میری اصلی جگہ ہے۔ جہاں میرے سوا کوئی اور قبضہ نہیں کر سکتا۔''

''تمہاری باتیں آج بھی تمہاری ہی طرح خوبصورت اور حسین ہیں۔'' میں شوخ ہونے لگا۔ ''دل کو گرمانے والی.....لیکن.....'' میں یکلخت خاموش ہو گیا۔

''لیکن کیا جمیل؟ تم چپ کیوں ہو گئے.....؟'' اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ اُس کی نیل کنول جیسی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم.....تم تو مر گئی تھیں؟'' میری آواز بھرا گئی۔ ''کیا تم نے دوسرا جنم لیا ہے.....؟''

''نہیں.....'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''دوسرے جنم کی باتیں جھوٹی ہیں، من کا بہلاوا ہیں، انسان جنم لیتا ہے تو اسے موت بھی ضرور آتی ہے۔ لیکن سچا پریم امر ہوتا ہے، کبھی نہیں مرتا۔ شریر کے سمبندھ تو بڑے عارضی ہوتے ہیں، کانچ کے گلاسوں کی طرح، ذرا ٹھیس لگے تو ٹوٹ جاتے ہیں۔''

''مم.....میں تمہیں کیا سمجھوں.....؟''

''اپنا سچا پیار، اپنی سچی محبت، اپنی کلدیپ۔'' وہ شرما کر بولی۔ ''کلدیپ جو تمہارے من میں ہمیشہ خوشبو کی طرح رچی بسی رہے گی۔''

میں نے دوڑ کر اُس کو ہاتھوں کے حصار میں لینا چاہا، وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ شاید وہ میرا تصور تھی، میرے پیار کی شدتوں نے ایک خیالی رُوپ میرے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ میرے دل کی دھڑکنوں میں میرے ساتھ ساتھ رہے گی۔ اُس نے غلط نہیں کہا تھا، وہ میرا پیار تھی، اُس نے میری زندگی کی خاطر اپنی جوانی برباد کر دی۔ وہ کبھی نہیں مر سکتی تھی۔ وہ میرے دل میں، میرے خیالوں میں، میری سانسوں میں شریک تھی، اُس کی جگہ جین بھی نہیں لے سکی.....

''جمیل.....'' انکا نے دبی زبان میں کہا۔ ''آگے بڑھ کر ایک نظر کٹیا کے اندر بھی جھانک لو۔ وہاں بھی کوئی تمہاری راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا ہے۔''

''کون.....کون ہو سکتا ہے؟ کلدیپ کے بعد اور کون باقی رہ گیا.....؟'' مجھ پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔

''تم تزئین کو کیوں بھول رہے ہو.....؟''

''ہاں.....'' میرے اندر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لندن سے واپسی کے بعد میں تزئین سے نہیں مل سکا تھا۔ وقت اور حالات نے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ انکارانی نے تزئین کا نام لیا تو میرے دل میں اُس کی محبت جوش مارنے لگی۔ میں کٹیا کی طرف بڑھتے بڑھتے رُک گیا۔

''تم رُک کیوں گئے؟'' انکارانی نے تعجب سے پوچھا۔

''مجھے اچانک ایک خیال آ گیا.....'' میں نے کہا۔ ''میں تمہارا مقروض ہوں، سیّد کے آ جانے سے تمہاری دعوت کا اہتمام نہ کر سکا۔''

''میں سمجھی نہیں.....؟''

''میں چندرا کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا کہ اس کے خون میں تاڑی جیسا سوندھا سوندھا نشہ بھی ضرور ہو گا۔''

''تم اپنا وعدہ پورا کرتے تو بھی میں انکار کر دیتی.....'' انکا آسمان کی بلندیوں میں گم ہونے لگی۔

''میں سمجھا نہیں.....؟''

''غلط مت سمجھنا.....'' اُس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں یاد ہے نا کہ ایک پنڈت مجھے حاصل کرنے کے لئے جاپ شروع کر چکا تھا۔ وہ کامیاب ہو سکتا تھا، لیکن تمہارے مرد قلندر کے ایک اشارے نے اُس کی لٹیا بھی ڈبو دی۔ اُس نے کہا تھا کہ اب دنیا کی کوئی قوت مجھے تسخیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ آج تمہیں ایک راز کی بات اور بھی بتا دُوں۔''

میں نے جواب نہیں دیا، خاموشی سے اُس کی بات سنتا رہا۔

''تم جب حویلی میں ایک بزرگ کے مزار پر گئے تھے مجھے اُسی وقت پنڈت شیوا کے

بارے میں معلوم ہوگیا تھا کہ وہ نارنگ کی حویلی میں تمہاری موجودگی کی بھنک پا کر نکل بھاگنے کی سوچ رہا ہے۔ میں اُسے روکنے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ لیکن کسی نے میرا راستہ روک لیا۔ جانتے ہو اُس شکتی نے مجھ سے کیا کہا تھا.....؟'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''اُس نے کہا تھا کہ اپنی کھال میں رہا کر..... زیادہ پھدکنے کی کوشش کی تو پر قینچ کر دُوں گا..... کلدیپ اور پریتم لال کی آتماؤں کو بھی اسی نے تمہارے معاملات میں مداخلت سے روک دیا تھا، اس میں دُرگا یا کالی کا ہاتھ نہیں تھا۔ نارنگ کی حویلی میں کلدیپ نے امریتا کے رُوپ میں تم سے اپنی مجبوری کا جو ذکر کیا تھا اس میں بھی دُرگا یا کالی کی شکتیوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔''

''پھر..... پھر وہ کون تھا.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سب کچھ اُسی مردقلندر کے اشارے پر ہو رہا تھا۔'' انکارانی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''کبھی وہ سامنے آئے تو میری سفارش بھی کر دینا۔ اُس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، لیکن میں نے بھی اُسے اپنا بڑا مان لیا ہے، وہ مہان شکتیوں کا مالک ہے۔ ہم اور تم تو اُس کے قدموں کی دُھول بھی نہیں۔''

میرے ذہن میں پھر ماضی کے کچھ مناظر گھومنے لگے۔ میں نے کئی موقعوں پر انکارانی کی سرزنش کی تھی، اُسے جھڑک دیا تھا، سر سے اُتر جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ تلخ باتوں کو برداشت کرتی رہی، اُس نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ سب سیّد مجذوب کی مہربانی تھی جو میری پشت پناہی کر رہا تھا۔ مجھے اس کی بھنک بھی نہ ملی، انکارانی کو بھی اس کا راز افشا کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی۔

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا، مجھے سیّد کی مہربانیاں یاد آ رہی تھیں۔ میں تادیر انہی خیالوں میں غرق رہا، پھر مجھے اپنی تزئین یاد آ گئی۔ انکارانی نے کہا تھا کہ وہ کٹیا میں میری راہ دیکھ رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا آگے بڑھا لیکن کٹی کے دروازے پر پہنچ کر ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ میری آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ میرے سامنے تزئین نہیں، جھرنا کھڑی تھی..... وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ دوپٹے کا پلّو اُس کے سر پر پڑا تھا۔ بڑی معصوم، بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ لیکن..... وہ تزئین نہیں تھی۔ میں نے اندر کے ساز و سامان پر نظر ڈالی، مجھے وہاں جانماز اور اپنی مقدس کتاب رحل پر رکھی نظر آئی۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں نے پلٹ کر انکا

انی کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا، اُس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے، سمسا کر بولی۔

''تم اتنی جلدی بھول گئے جمیل.....؟ مجھے تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ حرف بحرف یاد ہے۔ تم نے کہا تھا کہ اگر خاصیتیں ملتی جلتی ہوں، جذبوں میں صداقت ہو، انسان سچے دل سے آپس میں سمجھوتہ کر لے..... افہام و تفہیم سے کام لیا جائے، دلوں میں گنجائش پیدا کر لی جائے تو ہر بات ممکن ہے..... یاد ہے تمہیں.....؟''

''تو کیا تزئین.....؟'' میری آواز حلق میں گھٹ گئی۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

''ہاں..... تزئین اب اس دنیا میں نہیں رہی۔'' انکا کی آنکھیں برسنے لگیں۔ ''ہردوار میں جب تم پنڈت نول کشور کی قید سے نکل آئے تھے تو وہ پاگل ہوگیا تھا۔ اُس نے تمہیں کمزور کرنے کی خاطر ہماری تزئین کو درمیان سے ہٹا دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ تمہیں تزئین کے بارے میں علم ہوا تو تم واپس بمبئی چلے جاؤ گے، اُسے سنبھلنے کا موقع مل جائے گا۔ میں نے دل پر پتھر رکھ کر تزئین کی موت کی خبر تم سے پوشیدہ رکھی۔ وہ وقت کا تقاضہ تھا جمیل، میں نے جھرنا کی موت کی آڑ لے کر اپنی تزئین کے لئے آنسو بہا لئے۔ وہ مجھے بہت زیادہ عزیز تھی۔ مردقلندر کا اشارہ بھی یہی تھا کہ میں زبان کھولنے سے گریز کروں۔ رکن الدین کی حویلی میں بھی سب کو تاکید کر دی گئی تھی کہ کوئی تزئین کے سلسلے میں زبان نہ کھولے۔'' اُس نے بات جاری رکھی۔ ''اُس مردقلندر کو بھی احساس تھا کہ تزئین کی موت تمہیں اور تنہا کر دے گی۔ اُس نے جھرنا کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، اُس کی کایا پلٹ دی۔ کل تک یہ کھلے سر پنڈت پجاریوں کے سامنے پتھر کی مورتیوں کے بیچ اُچھلتی پھرتی تھی، اب یہ پانچوں وقت اپنے مالک کے سامنے سجدہ کرتی ہے، مقدس کتاب پڑھ رہی ہے۔ سب اُسی قلندر کی نگاہِ عنایت کا نتیجہ ہے۔ اُسی نے اس کا نام بھی تزئین ہی تجویز کیا ہے.....''

میرے دل پر نشتر چل رہے تھے۔ میں کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔ میری زندگی کی آخری پونجی بھی تزئین کی شکل میں میرے دشمنوں نے لوٹ لی تھی۔ انکارانی اپنے حصے کے آنسو بہا چکی تھی، اب میں خون کے آنسو رو رہا تھا، ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا جب وہ معصوم چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی میرے قریب آ گئی۔ سیّد نے اُسے عقل و شعور کی بے پناہ

دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ وہ میرے دل کا درد سمجھ گئی تھی۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں ڈرتے ڈرتے کہا۔

''بابا..... میں تمہاری خدمت کروں گی۔ میرا اس دنیا میں اب تمہارے سوا اور کون رہ گیا ہے؟ تم مجھے اپنی تزئین نہیں قبول کرتے، نہ کرو۔ میں نوکرانی بن کر بھی تمہاری سیوا کروں گی۔ ہاں..... تم جس نام سے بھی پکارو گے میں دوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گی۔''

اُس کی باتوں میں جذبوں کی صداقت تھی۔ میرا دل بھر آیا، میں نے اُسے بے تحاشہ ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا۔ اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا۔ اُس کی پلکوں سے بھی ساون کی جھڑی لگ گئی۔ باہر سورج غروب ہو رہا تھا جب کسی کے بڑے خوش الحان انداز میں اذان دینے کی آواز سنائی دی۔ میں حیرت سے پلٹ کر سبزے کی طرف آیا جہاں ایک خوش پوش شخص سر پر عمامہ باندھے، قبلہ رُخ کھڑا اذان دینے میں مصروف تھا۔ میرا دل نام معلوم جذبوں سے سرشار ہونے لگا۔ میں دُور کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ وہ اذان دینے کے بعد فارغ ہوا تو میں لپکتا ہوا اُس کے قریب چلا گیا۔ اُس کے چہرے کے خدوخال نظر آئے تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ سیّد مجذوب کے سوا اور کوئی نہیں تھا..... میں تیزی سے اُس کی طرف لپکا۔ اُس روز وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوا..... نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بھی اُس کی امامت میں پیچھے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ لئے۔ میرے دل کا سارا غبار چھٹنے لگا.....!!

(تمت بالخیر)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے